بگولے
ایم اے راحت

فرمانہ زامن یمن کی رہنے والی تھی۔ایس بی ایس یونیورسٹی میں میری کلاس فیلو تھی آر۔کے کلب میں میرے ساتھ پریکٹس کرتی تھی اور ناقابل یقین حد تک پامسٹری کی ماہر تھی۔کم بخت نے کئی سال پہلے میرے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کی تھی۔

''اکیس سال تک عیش کرو، بائیسویں سال کے آغاز کے ساتھ تمہاری زندگی میں ستاروں کی تحریک شروع ہو جائے گی۔''

''ستاروں کی تحریک؟'' میں نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں.....عجیب انتشار ہے تمہاری زندگی میں۔''

میں نے اپنا ہاتھ کھینچ کر دوسرا ہاتھ اس کی پسلیوں پر مارا اور وہ کائی۔تی کر کے نکل گئی۔اس وقت ہم آر۔کے کلب کے نیشنل فلور پر مارشل آرٹس کی مشق کر رہی تھیں۔

''میں یہ انتشار تمہاری پسلیوں میں منتقل کر دوں گی۔'' میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔لکیریں بول رہی ہیں۔''

''تم اس بکواس سے صرف بے وقوف لڑکوں کو متاثر کیا کرو.....سمجھیں۔''

''تم جانتی ہو میرا علم بکواس نہیں ہے؟''

یہ بات ٹھیک تھی۔وہ جسے جو کچھ بتاتی تھی وہ ہمیشہ ٹھیک نکلتا تھا۔یونیورسٹی میں اس کلب کے ممبر اور انسٹرکٹر بھی اس سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور وہ ان کے درمیان

بہت مقبول تھی۔ لیکن میری اندر کی سرکشی نے اس کے علم کو کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ میں اس سے کہتی تھی کہ ہماری مذہبی کتابیں اس علم کی حیثیت کا کہیں اشارہ نہیں کرتیں اس لئے میں اسے نہیں مانتی۔

لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے کیا کہا جائے۔

میرا نام شرمین حیات ہے، میرے والد پاکستان کے رہنے والے تھے وہ خاندانی زمیندار تھے اور زمینداروں کے سارے ہنگاموں میں الجھے ہوئے تھے۔ کئی بھائی تھے ایک دو بہنیں بھی تھیں اور دادا، ان کے انتقال کے بعد جائیدادوں اور زمینوں کی تقسیم بھی ہو چکی تھی اور اس تقسیم کے نتیجے میں دشمنیاں بھی ہو چکی تھیں مجھے تو خیر کچھ نہیں معلوم تھا لیکن آنٹی کیتھرائن نے مجھے پوری تفصیل بتائی تھی۔

''تمہارے ابو تین بھائی ہیں، حیات حسین، نیاز حسین اور افتخار حسین، دو بہنیں ہیں ندیمہ اور سائرہ۔ یہ سب شادی شدہ ہیں اور بال بچوں والے ہیں۔ تمہارے دادا صاحب کی زمینیں بہت دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ہمارے ہاں کا انداز ذرا مختلف ہے لیکن مشرق کے ان علاقوں میں زمینداری کا ایک الگ ہی تصور ہے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ تصور خاصہ دلچسپ ہے اور وہاں کے بارے میں سن سن کر اور پڑھ پڑھ کر بارہا میرا دل بھی چاہا ہے کہ میں وہاں جاؤں اور اس ماحول کو دیکھوں۔ خود جینیفر نے کتنی ہی بار وہاں جانا چاہا تھا لیکن حیات بھائی نے منع کر دیا اور کہا کہ وہاں جینیفر کو اچھا ماحول نہیں مل سکے گا کیونکہ جائیدادوں کے جھگڑے ہی ایسے ہوتے ہیں وہاں ان کی دشمنیاں بہت زیادہ ہیں۔ جہاں تک حیات حسین کا تعلق تھا وہ ہر دوسرے مہینے پاکستان جاتے تھے جائیداد کے معاملات بہرحال انہیں دیکھنا ہوتے تھے بھائیوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت جب میرے ڈیڈی لندن نہیں آئے تھے ان کے ایک ماموں جو تھے ہی اکلوتے ماموں فیض حسین نے تقریباً زبردستی کر کے اپنی بیٹی نیرہ حسین کی شادی میرے ڈیڈی سے کرا دی تھی اس سلسلے میں میرے ڈیڈی کے دونوں بھائی بھی ماموں فیض حسین کے معاون تھے۔ ڈیڈی کو یہ رشتہ قبول نہیں تھا کیونکہ نیرہ بیگم ان کی پسند کی خاتون نہیں تھیں

اور فطرتاً بھی اچھی نہیں تھیں جس کے بارے میں میرے ڈیڈی نے میری ماں جینیفر کو تفصیل بتائی تھی۔

نیرہ بیگم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ تھوڑے سے جھگڑے بڑھے اور میرے والد نے یہ محسوس کیا کہ وطن میں رہ کر وہ خاصی ذہنی الجھنوں کا شکار رہیں گے۔ چنانچہ وہ اپنی جائیداد کے انتظامات اپنے وکیل مرزا طاہر بیگ کے سپرد کر کے لندن آ گئے۔ یہاں ان کی ملاقات میری والدہ سے ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ والدہ نے والد صاحب کی محبت میں ان کا مذہب قبول کر لیا اور ان کا نام زیب النساء تجویز ہوا جبکہ میری والدہ کے دوسرے خاندان والوں نے کچھ عرصے کے لئے والدہ کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ صرف آنٹی کیتھرائن تھیں جو میری والدہ کی سرپرستی کرتی رہیں۔

شادی ہوئی اور میں پیدا ہو گئی۔ لیکن والدہ زیادہ عرصہ ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں اور صحیح معنوں میں میری پرورش آنٹی کیتھرائن نے ہی کی اور میری والدہ کے انتقال کے بعد انہوں نے ہر طرح کی ذمہ داریاں خود سنبھال لیں۔ میرے ڈیڈی میری والدہ کی موت کے بعد بہت دلبرداشتہ ہو گئے تھے۔ بقول آنٹی کیتھرائن کہ وہ وطن واپس ضرور جاتے تھے لیکن ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے اہل خاندان سے ذرا دور ہی رہتے ہیں۔

حُسین نگر ہماری آبائی سرزمین تھی۔ یعنی والد صاحب کا خاندان وہیں رہتا تھا۔ آنٹی کیتھرائن نے اور بھی بہت سی باتیں مجھے بتائی تھیں جن پر اس وقت میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ میرے معمولات مسلمان گھرانوں جیسے تھے۔ بے شک لندن کی فضا میں کوئی بھی ذہنی طور پر پسماندہ نہیں رہ سکتا، میں بھی نہیں تھی لیکن میرے اوپر اخلاقی اقدار سوار رہتے تھے۔ تعلیم حاصل کر رہی تھی اور ایس بی یونیورسٹی کی ایک ہونہار طالبہ تھی۔ اس کے علاوہ آنٹی کیتھرائن نے ایک جوڈو کراٹے کلب کھول رکھا تھا۔ یہ کلب بڑی نمایاں حیثیت کا حامل تھا اور یہاں کئی ملکی اور غیر ملکی انسٹرکٹر مارشل آرٹس کی تربیت دیتے تھے جن میں کچھ برمی تھے، دو تھائی لینڈ سے تعلق رکھتے تھے باقی مقامی تھے۔ کلب خوب چلتا تھا۔ مجھے ابتداء ہی سے مارشل آرٹس میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور آنٹی کیتھرائن کی

سرپرستی میں میں نے بہترین تربیت حاصل کی تھی اور بلیک بیلٹ لے لی تھی۔

مزید ترقی کے لئے میں مصروف رہتی تھی۔ اصل میں اس میں جسمانی فٹنس بھی شامل تھی اور میں اپنے طور پر بڑی فٹ تھی۔ کم بخت فرمانہ زامن نے میرے بائیسویں سال کے لئے بدفال منہ سے نکال دی تھی۔ کالی زبان والی تھی۔ واقعی بائیسواں سال شروع ہی ہوا تھا کہ کچھ الجھنوں کا سامنا کرنا پڑ گیا۔

والد صاحب جب بھی وطن واپس جاتے تھے زیادہ سے زیادہ آٹھ یا دس دن میں واپس آ جاتے تھے۔ یہ بات بھی آنٹی کیتھرائن نے ہی بتائی تھی کہ پچھلی بار جب وہ واپس آئے تو کچھ الجھے ہوئے تھے اور خاصے اداس بھی تھے۔ والدہ صاحبہ تو چونکہ دنیا سے رخصت ہو ہی چکی تھیں، آنٹی کیتھرائن ہی والد صاحب سے ہر طرح کے راز و نیاز رکھتی تھیں۔ انہوں نے بہت پوچھا تو والد صاحب نے صرف اتنا بتایا کہ وہاں کے حالات کچھ خراب ہو گئے ہیں، کچھ لوگ جائیداد کے حصول کے لئے ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں اور سازشیں ہو رہی ہیں۔

بہرحال ان سازشوں کی تفصیل انہوں نے نہیں بتائی تھی۔ کوئی دو یا ڈھائی ماہ کے بعد وہ دوبارہ واپس گئے تھے اور اس بار وہ واپس نہیں آئے۔ پورا مہینہ، دوسرا مہینہ اور پھر تیسرا مہینہ شروع ہو گیا تو ہم لوگوں کی پریشانیاں عروج پر پہنچ گئیں.....

''میں کیا کروں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ میرا تو کبھی وہاں کسی سے کوئی رابطہ ہی نہیں رہا ہے۔ حیات حسین نے تھوڑی بہت تفصیل ضرور بتائی ہے۔ مگر ہم مزید کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں کیا کروں میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا؟.....''

اس وقت میں نے کہا۔

''آنٹی میں وطن واپس جانا چاہتی ہوں، میرا مطلب ہے اپنے باپ کے دیس۔ وہاں جا کر میں ڈیڈی کو تلاش کروں گی۔''

''پاگل ہوئی ہو کیا۔ تمہیں کیا معلوم وہاں کیا کیا کچھ ہے۔ تمہیں کون جانتا ہے وہاں۔ تمہارے ڈیڈی نے ان لوگوں کو اس شادی کے بارے میں بتا ضرور دیا ہے، تمہارا نام

بھی ان کے کانوں میں ہے لیکن تمہاری شکل سے کوئی بھی واقف نہیں ہے.....''

''میں اپنے ڈیڈی کی تلاش میں جاؤں گی آنٹی ..... باقی مجھے اور کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے.....''

''بیٹے تھوڑا سا توقف کر لو۔ ہو سکتا ہے وہ واپس آ جائیں۔''

''آنٹی ایک بات میں آپ سے کہوں ڈیڈی کو اگر کوئی ایسی ہی ضروری ذمہ داری ہوتی تو آپ کا کیا خیال ہے پہلے تو انہوں نے ہمیں اپنے ایک ایک گھنٹے کے پروگرام سے آگاہ رکھا ہے۔ اگر کبھی کوئی ایسی مصروفیت ہو جاتی تھی تو فوراً ہی ہمیں اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ تین مہینے ہو چکے ہیں پورے تین مہینے۔ آنٹی پلیز اب سب کچھ میرے لئے ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔''

آنٹی کیتھرائن سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ میں نے فرمانہ زامن سے اس سلسلے میں بات چیت کی تو وہ بولی۔

''تمہیں ضرور جانا چاہئے۔ صورتحال واقعی غور کے قابل ہے، میرا خیال ہے کہ تم سیدھی اپنے باپ کے آبائی وطن پہنچو اور وہاں جا کر صورتحال معلوم کرو.....''

''اصل میں فرمانہ میں نے کبھی تم سے اپنے گھریلو معاملات میں گفتگو نہیں کی۔ وہاں کے ماحول کے بارے میں ڈیڈی نے جو کچھ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ وہاں ان کے رشتے ناطے دار جائیداد کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور وہاں ان کے لئے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔''

''اوہو..... مشرق کے ان علاقوں میں ایسا ہوتا ہے۔ ہوتا ہمارے ہاں بھی ہے لیکن ذرا انداز مختلف ہے۔ بہرحال یہ بات تو سوچنے کی ہے۔ مجھے معاف کرنا تمہارے ڈیڈی کو کوئی نقصان پہنچایا نہیں پہنچا لیکن اگر ایسا سلسلہ ہے تو وہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کریں گے کیونکہ تم اپنے ڈیڈی کی وارث ہو.....''

''فرمانہ مجھے ڈر تو لگتا ہے لیکن تین مہینے ہو گئے ہیں۔ ڈیڈی کے سلسلے میں ہم بڑے پریشان ہیں وہ اگر خیریت سے ہوتے تو ہمیں اطلاع ضرور دیتے.....'' فرمانہ سوچ

میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔

''ایک بات بتاؤ، وہاں تمہارے ڈیڈی کے دوست وغیرہ بھی ہوں گے۔ رشتے داروں کی بات مختلف ہے لیکن وہ اتنا آتے جاتے تھے تو وہاں ان کی دوستیاں بھی ضرور ہوں گی.....''

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔ البتہ وہاں سے مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کے خط ضرور آتے تھے۔ کاروباری لفافے بھی۔''

''تم سب سے پہلا کام یہ کرو کہ اپنے والد کے کاغذات کا جائزہ لو ہوسکتا ہے تمہیں کچھ نام مل جائیں جو تمہارے لئے کارآمد ہوں۔'' فرمانہ زامن نے یہ مشورہ بہت اچھا دیا تھا۔

میں نے اسی رات ڈیڈی کے پرسنل روم میں آ کر ان کے کاغذات وغیرہ کی تلاشی لی۔ مرزا طاہر بیگ کے نام کے لفافے مجھے ملے۔ اس کے علاوہ کچھ اور نام بھی تھے۔ جن میں ابراہیم غوری اور شاہد رانا کے نام شامل تھے۔ ان لوگوں کے ایڈریس وغیرہ بھی وہاں موجود تھے۔

فرمانہ زامن نے ایک اچھی رہنمائی کی تھی۔ میں نے دوبارہ اسی سے مشورہ کیا تو وہ بولی۔

''یقیناً یہ مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ وہاں تمہارے والد کے قانونی معاملات کا جائزہ لیتے ہوں گے۔ انہیں ذہن میں رکھو، بلکہ پہلے انہی سے ملاقات کرو اور انہیں بتاؤ۔ ہوسکتا ہے تمہارے والد کا ان سے رابطہ ہو اور وہ تمہیں ساری تفصیل بتا سکیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کرتی ہوں.....''

میں نے آنٹی کیتھرائن کو اپنے آخری فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

''آنٹی اب میں اور زیادہ صبر نہیں کر سکتی۔ آپ پلیز میری روانگی کی تیاریاں کر دیں۔'' آنٹی کیتھرائن نے حامی بھر لی تھی۔ البتہ انہوں نے یہ ضرور کہا تھا۔

''دیکھو یہ مت سوچنا کہ میں یہاں تمہیں تنہا چھوڑ رہی ہوں اور اکیلا جانے دے

رہی ہوں۔ میری مجبوریاں تمہارے علم میں ہیں۔ اگر میں دو دن کے لئے بھی کلب چھوڑ دوں گی تو میں جانتی ہوں یہاں کیا ہونا ہے۔''

''میں جانتی ہوں آنٹی آپ اس سلسلے میں بے فکر رہیں اور پھر آپ نے میرے اندر جو اعتماد پیدا کیا ہے وہ میرا معاون ہے''۔ چنانچہ میری تیاریاں ہونے لگیں۔ میرے بارے میں لندن کے بہت سے حلقوں میں یہ بات کہی جاتی تھی کہ میں مشرق و مغرب کا ایک حسین امتزاج ہوں۔ میرے بال خوبصورت، سنہرے، میری آنکھیں گہری نیلی۔ لیکن میرے چہرے کے نقوش سو فیصدی مشرقی تھے۔ میرا رنگ بھی انگریزوں جیسا نہیں تھا بلکہ اس میں چمپئی رنگ کی آمیزش تھی جو میرے چہرے کی ملاحت کو بڑھاتی تھی اور بات یہ بھی تھی کہ آنٹی کیتھرائن نے میری ماں کی موت کے بعد مجھے پھولوں کی طرح رکھا تھا۔ بس مارشل آرٹس کلب میں میری شخصیت بدل جاتی تھی اور یہاں بھی میں نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ بعض اوقات ایسے سر پھرے مجھ سے آ بھڑتے تھے جو نئے نئے کلب میں آئے ہوتے تھے اور میری تعریفیں سن کر کہتے تھے کہ بہرحال عورت عورت ہی ہوتی ہے لیکن جب میں انہیں مقابلے کے لئے للکار دیتی تھی اور ابتداء میں وہ ایک حسین لڑکی سے متاثر ہو کر ذرا سی نرمی برت دیتے تھے تو جس نتیجے کا شکار ہوتے تھے وہ انہیں زندگی بھر کے لئے یہ سبق دے دیتا تھا کہ کسی کو کمزور نہیں سمجھنا چاہئے۔ بعض اوقات وہ سب کچھ سامنے آ جاتا ہے جو غرور کے الفاظ کا نتیجہ ہوتا ہے۔

چنانچہ یہاں بھی میرا ایک نام تھا لیکن اس وقت اس نام کے تذکرے سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ میں پاکستان جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔ اپنے آپ کو بہت نڈر بھی ثابت کر رہی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل میں تھوڑا سا خوف بھی تھا۔ میں نے اپنے طور پر ایک لائن بنائی تھی اور ان میں مختلف باتیں سوچی تھیں جو کہ میرے کانوں تک پہنچا تھا اس کی تفصیل ایک کاغذ پر لکھ کر میں نے اس کے سلسلے میں پوائنٹس بنائے تھے۔ مثلاً مجھے سب سے پہلے کراچی پہنچنا ہوگا اور یہاں سے مجھے سب سے پہلے مرزا طاہر بیگ سے ملنا ہوگا۔ مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ نیو لائن چیمبر، روم نمبر ٹوئنٹی

نائن۔ مرزا طاہر بیگ سے مل کر میں اپنا تعارف کراؤں گی اور پھر ان سے ڈیڈی کے بارے میں تفصیلات معلوم کروں گی بلکہ شکایت کروں گی کہ اگر ڈیڈی کے معاملے میں کوئی چیز ان کے علم میں تھی تو انہیں ہمیں اطلاع کر دینی چاہئے تھی، اس کے بعد میں لاہور جاؤں گی، وہاں سے حُسین نگر جہاں ہماری آبائی زمینیں ہیں۔ وہاں میرا تعلق ان لوگوں سے ہوگا جن کے بارے میں ڈیڈی کے خیالات اچھے نہیں تھے۔ مجھے ہوشیار رہ کر وہاں کی صورتحال کا جائزہ لینا ہوگا۔ خدا کرے مرزا طاہر بیگ سے ہی مجھے ڈیڈی کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں یا پھر ڈیڈی سے میری ملاقات ہو جائے۔ مجھے کراچی میں کچھ وقت گزارنا ہوگا۔ سب سے پہلے میں کسی ہوٹل میں قیام کروں گی۔

اوہ یہ سب کچھ مشکل نہیں ہے۔ بہرحال اعتماد ہونا چاہئے اپنے آپ پر۔ دنیا کا ہر کام ہو جاتا ہے۔ آنٹی کیتھرائن نے میرے لئے تمام انتظامات کر دیئے تھے اور پھر انہوں نے مجھے بہت سی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

میں دل میں بہت سارے احساسات لے کر چل پڑی اور ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئی۔ جہاز کا یہ سفر بس خیالات میں ہی گزرا تھا اور اس کے بعد کراچی ایئرپورٹ پر جہاز خیر و خوبی کے ساتھ اتر گیا تھا۔ مشرق کے بارے میں جو تصورات وہاں لندن میں مجھے دیئے گئے تھے وہ یہ تھے کہ وہاں کا ایک الگ ماحول ہے، ایک ترقی پذیر ملک کا ماحول لیکن یہاں ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد میں نے جو کچھ دیکھا وہ ان تصورات سے بالکل مختلف تھا۔ انتہائی خوبصورت ایئرپورٹ تھا، دنیا کے جدید ترین ملکوں کی مانند، اس کے ساتھ ساتھ ہی وہاں جو لوگ نظر آ رہے تھے وہ کسی بھی طور پر کسی ترقی یافتہ ملک کے باشندوں سے کم حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

ایک نازک نازک سا احساس بہت سے دوسرے احساسات کے ساتھ لئے ہوئے میں اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ ایئرپورٹ سے باہر آ گئی۔ میں نے بہت سی نگاہوں کو اپنی جانب اٹھے ہوئے پایا۔ یہ نوجوان تھے جو مجھے پسندیدہ انداز میں دیکھ رہے تھے۔ بہرحال میں باہر آ گئی اور میری نگاہیں بھٹکنے لگیں۔

پہلے ہم نے یہ سوچا تھا کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کو اطلاع دے دی جائے لیکن مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ پہلے مجھے گمنام طریقے ہی سے وہاں جانا چاہئے اور صورتحال کا جائزہ لے کر آگے قدم اٹھانے چاہئیں۔ میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا ہی رہی تھی کہ ایک ٹیکسی میرے قریب آ کر رُک گئی۔ ڈرائیور نے نیچے اُتر کر مجھے احترام سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میڈم ٹیکسی چاہئے۔'' اس نے یہ الفاظ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہے تھے۔ مگر میں نے اسے سلیس اردو میں جواب دیا۔

''ہاں..... مجھے کسی اچھے سے ہوٹل لے چلو'' ڈرائیور نے گردن خم کی۔ میرا سامان ہاتھ سے لے کر ٹیکسی کی ڈگی میں رکھا۔ میرے لئے پچھلا دروازہ کھولا اور میں اندر بیٹھ گئی۔ وہ اسٹیئرنگ پر آ کر کار بڑھانے لگا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں اور میں یہاں کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی۔

ڈرائیور ایئرپورٹ ایریا سے نکل آیا اور اس نے کہا۔

''میڈم فور اسٹار..... فائیو اسٹار.....''

''بس ڈرائیور یہ میں تم پر چھوڑے دیتی ہوں، کوئی اچھا سا ہوٹل۔''

''او کے میڈم..... آپ اردو بہت اچھی بولتی ہیں۔'' اس نے کہا اور میں خاموشی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔

سب کچھ اچھا تھا۔ ٹیکسی مختلف راستوں سے گزرتی رہی اور میں یہاں کی عمارتیں، کاروباری سینٹر اور دوسری چیزیں دیکھتی رہی۔ لیکن پھر جب یہ سفر لمبا ہوتا چلا گیا اور مجھے پہاڑی ٹیلے نظر آنے لگے تو میں ذرا سا چونکی اور میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''کون سے ہوٹل لے جا رہے ہو ڈرائیور۔ یہ تو بالکل ویران علاقہ آ گیا۔''

''بس میڈم۔ اس سڑک کو عبور کرتے ہی ہوٹلوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ڈرائیور نے جواب دیا۔ لیکن میرے دل نے اس کا یہ جواب قبول نہیں کیا تھا۔ مارشل آرٹس کے اسٹوڈنٹ پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی حسیات کو خاص طور سے تیز کرے تاکہ

مدمقابل کے وار کو پہلے سے سنبھال سکے۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہے اور میری حس نے مجھے دھوکہ نہیں دیا۔ اچانک ہی ڈرائیور نے سیدھی سڑک پر جانے کے بجائے ٹیکسی سڑک کے نیچے اتار دی۔ سامنے ہی بدصورت جھاڑیوں کا ایک گھنا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے عقب میں اونچے اونچے پہاڑی ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ ٹیکسی اچھلتی کودتی تھوڑی دور آگے بڑھی پھر رک گئی۔ ڈرائیور بڑی پھرتی سے نیچے اتر آیا اور میں نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ اچھا خاصا اسمارٹ آدمی تھا عمر کوئی تیس پینتیس سال ہوگی۔ لمبا قد تھا لیکن اور کوئی خاص بات اس میں نظر نہیں آئی۔

''نیچے اتر آیئے میڈم..... دیکھئے کتنی خوبصورت جگہ ہے۔ آپ کے وطن سے بالکل مختلف۔''

''اوکے۔ مگر مجھے کوئی فائیو سٹار ہوٹل نہیں نظر آ رہا.....'' میں نے دروازہ کھول کر نیچے اُترتے ہوئے کہا..... ڈرائیور کا خیال ہوگا کہ ان حالات کو دیکھ کر میرا دم نکل جائے گا۔ میں خوف سے بے ہوش ہو جاؤں گی۔ لیکن میری بے باکی دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ کچھ لمحے تو وہ مجھے تعجب سے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم سنبھل کر بولا۔

''بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو آپ جیسی خوبصورت لڑکی کی زندگی لینے پر تل جاتے ہیں۔ کیا دشمنی ہے آپ کی ان لوگوں سے؟''

''اور بڑے بے ذوق ہو تم۔ جو اس بدنما جگہ لے کر آئے ہو مجھے۔ خیر چھوڑو، میں تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں.....''

''میں آپ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں.....؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''اس لیے کہ میں نے اس کا معاوضہ لیا ہے۔''

''گویا تم کرائے کے قاتل ہو؟''

اس نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے دیکھتا رہا پھر بولا ''لیکن تم اتنی خوبصورت ہو کہ تمہیں تھوڑی سی زندگی دی جا سکتی ہے.....''

''تمہارا شکریہ۔ لیکن اتنا تو بتا دو وہ کون ہیں جو مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں؟''

''یہ ہم نہیں جانتے۔ ہمیں صرف اپنا کام کرنا ہوتا ہے۔ تم شاید مجھے باتوں میں لگانا چاہتی ہو۔ لیکن میں بے وقوف نہیں ہوں..... وہ چند قدم آگے بڑھا اس دوران میں اس کا بھرپور جائزہ لے چکی تھی وہ تو اس قابل بھی نہیں تھا کہ اسے دو چار ہاتھ مار کر مزے لئے جائیں، اس لئے جیسے ہی وہ قریب آیا میں نے اسے کاگ بل ماری اور پھر شولڈر ہک لگا کر ایک لمحے میں ہوش و حواس سے عاری کر دیا۔ دراصل ریتلا علاقہ تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے کپڑے خراب ہوں۔ اس لئے میں نے دونوں وار کاری کئے تھے جن سے وہ سنبھل نہیں سکا تھا اور اوندھے منہ زمین پر آ رہا تھا۔ میں نے حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں خود ٹیکسی ڈرائیو کر کے واپس جاؤں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا آگے کیا ہے یہ میں نہیں جانتی تھی لیکن جس راستے سے یہاں تک آئی تھی وہ معلوم تھا چنانچہ اسی راستے سے واپس چل پڑی۔ ابھی تھوڑی دور گئی تھی کہ مجھے نیلے رنگ کی ایک نئی سوک نظر آئی جو سڑک کے ایک سائیڈ کھڑی تھی، دو افراد اس کے پاس اس طرح کھڑے ہوئے تھے جیسے کسی کے منتظر ہوں۔

بات خاص نہیں تھی لیکن وہیں چھٹی حس نے مجھے ٹہوکہ دیا۔ میں نے کار کی رفتار سست کر دی اور اس رفتار سے ان کے قریب پہنچ گئی لیکن اسٹیئرنگ پر مجھے دیکھ کر وہ دونوں بُری طرح اُچھل پڑے، بدحواسی میں انہوں نے ہاتھ اٹھا کر مجھے رکنے کا اشارہ کیا لیکن ان کے قریب سے گزرتے ہی میں نے ایکسیلیٹر دبا دیا۔ ٹیکسی کا انجن شاندار تھا اس نے ایک غراہٹ کے ساتھ چھلانگ لگائی اور آگے بھاگا لیکن ان دونوں نے اچانک ریوالور نکال کر ٹیکسی پر گولیاں چلا دیں۔ کم بختوں کے نشانے اچھے تھے ٹیکسی کے دونوں ٹائر پھٹ گئے اور بڑی مشکل سے میں نے اسے کنٹرول کیا۔ کار میں شاید تیسرا آدمی بھی تھا جس نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کر کے ان کے قریب روکی اور وہ اس میں بیٹھ کر ٹیکسی کی طرف لپکے۔ میرا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا اور میرا خیال ہے کہ خطرات میں گھر کر میری

ذہانت انتہائی ہوجاتی ہے اس کے کئی مظاہرے ہو چکے تھے چنانچہ ایک لمحے کے اندر میں نے آنے والے وقت کے بارے میں فیصلہ کرلیا..... وہ آن کی آن میں میرے پاس آ گئے تھے اور بڑے وحشیانہ انداز میں کار سے اتر کر میری طرف لپکے تھے۔ ان میں سے ایک نے بے دردی سے میرے بال پکڑے، دوسرے نے ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھولا اور مجھ سے نیچے اُترنے کیلئے کہا۔

''میرے بال تو چھوڑو.....'' میں نے رونے کی اداکاری کی۔

''نیچے اُترو، ورنہ۔''

''اُتر رہی ہوں۔ آہ..... اُتر رہی ہوں۔ میرے بال۔'' اس بار میں نے انگلش میں ہی کہا تھا۔ میرا اندازہ ٹھیک تھا وہ تین ہی تھے اور ان میں سے دو کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ میں نیچے اُتری تو ان میں سے ایک نے ٹیکسی میں جھانکا اور بولا۔

''ڈرائیور کہاں ہے؟''

''وہ..... وہاں جھاڑیوں میں پڑا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' دو آدمی چونک کر بیک وقت بولے۔

''اسے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو؟'' ان میں سے ایک دھاڑ کر بولا اور میں سسکیاں لینے لگی۔ میں نے روتے ہوئے کہا۔

''میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ مجھے کسی ہوٹل میں لے چلے، میں یہاں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ جناب وہ مجھے یہاں لے آیا، اس نے مجھے نیچے اترنے کیلئے کہا اور جھاڑیوں کے پاس بلایا۔ اس نے مجھے قتل کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں، لیکن پھر اس نے ایک تیز چیخ ماری اور اپنی پنڈلی پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے ایک کالے رنگ کے سانپ کو جھاڑیوں میں چلتے ہوئے دیکھا ہے جناب۔ اسے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی بات نہ رہی کہ میں ٹیکسی لے کر بھاگ نکلوں۔''

میں نے یہ داستان روتے ہوئے انہیں سنائی اور وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

''سالے کو اس کی عیاشی کی عادت لے ڈوبی۔ کیا ضرورت تھی..... اب کیا کریں.....؟''

وہ اردو میں یہ بات کر رہے تھے اور میں ایسا اظہار کر رہی تھی جیسے میں ان کی کوئی بات نہیں سمجھ رہی ہوں۔ میں نے کہا۔

''میں انگلینڈ سے آئی ہوں۔ میرے ساتھ بہت برا سلوک ہوا ہے۔''

''ٹھنڈا کرو سالی کو۔ دیکھ لو اسے چل کر..... زندہ ہے تو بچانے کی کوشش کرتے ہیں ورنہ پھر کیا ہے خود بھگتے.....''

''میری مدد کریں جناب۔ میرے پاس یہ ہیرا ہے میں آپ کو یہ قیمتی پتھر دیتی ہوں جسے میں کسٹم سے چھپا کر لائی ہوں.....!'' میں نے پوری سچویشن ذہن میں لاکر کہا۔ اور جس طرح وہ کھڑے ہوئے تھے اس کے بارے میں ایک فیصلہ کن عمل سوچ لیا۔ ہیرے کا نام سن کر ان کی سوچ بدلی۔ میں نے جھک کر اس طرح اپنی پنڈلی کے پاس ٹٹولا جیسے کسی خفیہ جگہ رکھا ہیرا نکال رہی ہوں۔ لیکن اچانک میں فضا میں اُڑتی ہوئی ری۔ ینوٹدا کے انداز میں ان پر جا پڑی جن کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ایک کے تو پیٹ میں پوری ٹکر پڑی تھی دوسرے کے صرف ہاتھ پر ضرب لگی تھی۔ لیکن دونوں کے ہاتھوں سے پستول ضرور نکل گئے تھے۔ البتہ تیسرے نے خود بھی پستول نکالنے کی کوشش کی اور میں نے راؤنڈ کک اس کے منہ پر لگا دی۔ میری یہ کک بھی کلب میں بے حد مشہور تھی اس شخص کا منہ گھوم گیا اور وہ کئی قلابازیاں کھا گیا۔ اس دوران میں نے ان دونوں کی پٹائی شروع کر دی۔ اتنے کمزور وہ بھی نہیں تھے کہ اس طرح مار کھا جاتے لیکن کوئی بھی غیر متوقع عمل دوسرے کو دنگ کر دیتا ہے کچھ لمحوں کے بعد وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔

''سوری میرے پیارے میزبانوں، مجبوری ہے کہ میں بھی تمہاری طرح حق مہمانی ادا کر رہی ہوں اور کیا کروں۔''

ڈرائیور کو تو میں نے اسی طرح چھوڑ دیا تھا لیکن ان تینوں کی اچھی طرح تلاشی لے

ڈالی، کچھ کرنسی، کچھ کاغذات، تین ریوالور وغیرہ قبضے میں کر کے میں نے دوسری کار میں جھانکا، چابی اس میں ہی لگی ہوئی تھی۔ البتہ اس دوسری چابی سے میں نے ٹیکسی کی ڈکی کھولی اس میں سے اپنا مختصر سا سامان نکالا اور کار کی پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔ پھر میں نے کار اسٹارٹ کی اور اسے واپس موڑ کر آگے چل پڑی۔

سوچنے سمجھنے کی قوتیں اس وقت صرف اتنا ہی کام کر رہی تھیں جتنا ایسے حالات میں کر سکتی تھیں۔ مجھے آبادی تک کی تلاش تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بھری پُری جگہ پر پہنچ گئی۔ یہاں ذرا گھٹیا قسم کے فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ بہت سے ٹرک کھڑے ہوئے تھے تھوڑے فاصلے پر ڈھلان میں کچی دکانیں بنی ہوئی تھیں جن کے آس پاس کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ میں نے کچھ لمحوں کے لئے سوچا اور پھر یہ کار انہی کاروں کے درمیان ڈھلان میں اتار کر کھڑی کر دی۔ پھر نیچے اُتر آئی اور اپنا سامان بھی ساتھ ہی اتار لیا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ تب مجھے ایک داڑھی والا شریف سا ٹیکسی ڈرائیور نظر آیا جو اپنی ٹیکسی سے پیٹھ لگائے کھڑا ہوا تھا۔ کچھ لمحے دور سے میں اس کا جائزہ لیتی رہی اور اس کے بعد حلق سے آواز نکال کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ ڈرائیور نے میرے ساتھ سامان دیکھ کر فوراً ہی ٹیکسی اسٹارٹ کی اور میرے قریب آ کھڑا ہوا.....

''سامان ڈِگی میں رکھ لو بابا صاحب۔'' میں نے پھر اپنی اُردو دانی سے کام لیا۔ اصل میں اردو پر میں نے بچپن ہی سے عبور حاصل کر لیا تھا۔ ڈیڈی نے نا صرف مجھے بلکہ میری ماما کو بھی بہت اچھی اردو سکھائی تھی۔ یہ بات آنٹی کیتھرائن کہا کرتی تھیں کہ میری ماما اس طرح اردو بولتی ہے جیسے خود اردو بولنے والے۔

بوڑھا ڈرائیور جو غالباً میرے چہرے مہرے سے مجھے غیر ملکی سمجھ رہا تھا میری اردو سے خوش ہو گیا اور بولا۔

''ابھی بی بی صاب.....کہاں جائیں گی؟''

''بابا میں باہر سے آئی ہوں، یہاں کچھ شاپنگ کرنی تھی وہ میں نے کر لی۔ مجھے کسی اچھے سے ہوٹل پہنچا دیں۔''

''آیئے بی بی صاب بیٹھ جایئے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

اس بار مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ کوئی غلط آدمی نہیں ہے ان لوگوں سے حاصل کئے ہوئے ریوالور میں نے گاڑی میں ہی چھوڑ دیئے تھے۔ البتہ کاغذات اور کرنسی میں نے اپنے پاس رکھ لی تھی۔ ان کاغذات سے میں آگے کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔

بوڑھے ٹیکسی ڈرائیور نے مجھے ایک اچھے سے ہوٹل کے سامنے چھوڑ دیا۔ میں نے اسے بل ادا کیا اور تھوڑا سا ٹپ بھی دیا۔ ہوٹل کے ویٹر نے آ کر میرا سامان اٹھا لیا تھا۔ کاؤنٹر پر میں نے انٹری کی اور اس کے بعد ہوٹل کی لفٹ تک پہنچ گئی جو کمرہ مجھے دیا گیا تھا وہ کافی کشادہ اور آرام دہ تھا۔ میں نے اسے پسند کیا۔ ویٹر کو ٹپ دیا تو وہ بولا۔

''میڈم آپ کا سامان الماری میں لگا دیا جائے.....''

''تھینک یو ویٹر..... یہ کام میں ہمیشہ خود کرتی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ویٹر کے جاتے ہی میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ اب مجھے ایک تھکن کا سا احساس ہو رہا تھا اب تک تو زندگی بچانے کی جدوجہد میں مصروف تھی لیکن اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ جتنا وقت گزر چکا ہے اس کا ہر لمحہ میرے لئے موت کا سامان تھا۔ ڈیڈی کے دیس میں مجھے بڑے عجیب انداز میں خوش آمدید کہا گیا تھا۔ بڑی بات تھی۔ خدا کا شکر تھا کہ تھوڑی بہت صلاحیتیں تھیں ورنہ کام آ گئی ہوتی۔

روم سروس کو ٹیلی فون کر کے کافی اور سینڈوچز وغیرہ طلب کئے، واش روم میں جا کر منہ ہاتھ وغیرہ دھویا، لباس تبدیل کیا اور ویٹر کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ پھر کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے میں ان حالات کے بارے میں سوچنے لگی۔

یہ قصہ کیا ہے، کیا یہ صرف اتفاقات ہیں یا پھر منصوبہ۔ اگر اتفاق کے بارے میں سوچا جائے تو صورتحال یوں ہے کہ ہوسکتا ہے یہ کوئی ایسا ہی جرائم پیشہ گروہ ہو جو باہر سے آنے والے غیر ملکیوں کو لوٹتا ہو۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ایک تنہا لڑکی کو دیکھا جو چہرے سے فارنر لگتی ہے۔ اس نے دو منصوبے بنائے اسے لوٹا جائے اور اس کی آبروریزی بھی کی جائے۔ وہ اس ناواقف لڑکی کو لے کر ایک سنسان جگہ پہنچ گیا لیکن اس کے الفاظ اس

خیال کی نفی کرتے تھے وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اسے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اگر مال دولت ہی لوٹنی تھی تو پھر قتل کرنے کی خواہش کیا معنی رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ واپسی میں وہ جو دو افراد ملے تھے۔ چلو مان لیا جائے کہ وہ اسی لوٹ مار کرنے والے گروہ کے آدمی تھے تو وہ بھی اس بات پر آمادہ تھے کہ مجھے مار دیا جائے۔ آخر کیوں اور اس کیوں کا ایک ہی جواب ملتا تھا زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ اپنے باپ کے وطن واپس آتے ہوئے لیکن یہ بات علم میں آ گئی تھی کہ یہاں دولت زمین اور جائیداد کے لئے اپنے ہی سب سے بڑے دشمن ہو جاتے ہیں تو کیا وہ میرے دشمن تھے جنہوں نے میرے قتل کے لئے سازش کی تھی۔ وہ شخص کہتا تھا کہ وہ کرائے کا قاتل ہے۔ ارے باپ رے یہ قاتلوں کا ٹولا تھا جو میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا یہ تو بڑی خطرناک بات تھی۔ آ خراب کروں کیا۔ آ گئی تھی اور یہ لوگ اس قدر زبردست تھے کہ انہیں میری آمد کا علم بھی ہو گیا تھا۔ میری صورت انہوں نے کیسے پہچانی۔ بس یہاں آ کر ذرا دوہری کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ اب انسان اس قدر برق رفتار بھی نہیں ہے کہ میں پہلی بار لندن سے چلی، میرے بارے میں کرائے کے قاتلوں کو اطلاع دے دی گئی۔ انہوں نے کامیابی سے مجھے پالیا اور اس کے بعد میری قتل کا کام شروع ہو گیا۔

اگر حالات ایسے ہیں تو پھر تو میرے اوپر کچھ فرائض بھی عائد ہو جاتے ہیں۔ ڈیڈی تین مہینے سے غائب تھے اور ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ وہ یہاں آئے ہوئے تھے اور گم ہو گئے تھے۔ کہاں چلے گئے آخر.....نہیں باپ کی تلاش ضروری ہے۔ ہوا یہی ہے کہ اُن کے خلاف کوئی کارروائی کر ڈالی گئی ہے اور یہ کارروائی کرنے والے ان کے بہن بھائی ہی ہو سکتے ہیں جو ان کی دولت اور جائیداد کے چکر میں ہیں۔

☆.....☆.....☆

بہر حال اس طرح سے تو یہ ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ ڈیڈی کی پہلی بیگم کے

بارے میں بھی میرے علم میں آ چکا تھا جو ان کے ماموں فیض حسن صاحب کی بیٹی تھیں۔ لازمی بات ہے کہ دوسری شادی ان لوگوں کے حواس پر بھی سوار ہو گی اور پھر اتنے لاعلم یہ بھی نہیں ہوں گے کہ میرے بارے میں انہیں علم نہ ہو۔ کیا ہے یہ سب کچھ.....کیا ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔

ایک دم سے مجھے یہ احساس ہوا کہ جس طرح آرام سے منہ اٹھا کر میں یہاں آ گئی ہوں۔ حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ مجھے بہت سے تحفظات کا خیال کرنا چاہئے تھا اور پوری احتیاط کے ساتھ یہاں آنا چاہئے تھا۔ تاہم اب جو کچھ بھی ہے دیکھنا ہو گا اور اپنے آپ کو ذرا زیادہ مستعد رکھنا ہو گا۔

کراٹے کلب میں صرف ہُو ہا ہو کی تربیت نہیں دی جاتی بلکہ اچھے قسم کے کلب ذہنی تربیت بھی کرتے ہیں اور جینے کے صحیح طریقے بھی بتاتے ہیں۔ کچھ ایسے اصول جو عام اصولوں سے ہٹ کر ہوتے ہیں لیکن زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہوتا ہے یعنی یہ کہ اپنے آپ کو مستعد بھی رکھو اور ان ذمہ داریوں کو بھی پورا کرو جن کا تعلق انسانیت سے ہے۔ لیکن ایسی شکل میں کہ خود اپنی ذات بھی مضروب نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی اپنے اوپر اعتماد بھی ان اصولوں کا ایک حصہ ہوتا ہے یعنی یہ کہ اگر حالات تمہارے خلاف ہو جائیں اور تمہیں محسوس ہو کہ کوئی تمہیں اس طرح بے بس کر دینا چاہتا ہے کہ انسانیت کی سطح نیچی رہ جائے تو پھر تمہارا فرض ہے کہ اس سے مقابلہ کرو اور اس کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ دل میں خوف کا کوئی تاثر نہ بسنے دو۔ میرے لئے یہی ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ذہن سے سب سے پہلے خوف کو جھٹکا اور اس کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر کچھ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں تو کم از کم انہیں یہ احساس دلا دوں کہ میں خوفزدہ نہیں ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو مستعد کر لیا۔

شام کو تیار ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ ہوٹل کی تفریحات کے بارے میں مجھے اندازہ ہو چکا تھا اور پھر ان تفریحات کے لئے مجھے پمفلٹ بھی پہنچا دیا گیا تھا جس میں مَیں نے ہوٹل کے پروگرام دیکھے تھے۔ ہوٹل میں مقیم مہمانوں کے لئے یہ پروگرام

مفت تھے اور ان کی میزیں ہال میں ریزرو تھیں۔ کچھ میزیں باہر سے آنے والوں کے لئے بھی مخصوص کی گئی تھیں جن پر نہایت قیمتی ٹکٹ لگے ہوئے تھے لیکن شاید ہوٹل کے پروگرام عوام میں بہت مقبول تھے۔ اس لئے یہ نشستیں بھی پوری طرح بھر چکی تھیں۔ مجھے میری نشست بتا دی گئی اور میں نے اپنی میز سنبھال لی۔ میری میز کے گرد بھی چار کرسیاں لگی ہوئی تھیں ویٹر نے آ کر مجھ سے ادب سے پوچھا۔

''میڈم یہ کرسیاں یہاں رہنے دی جائیں، آپ کے کچھ مہمان اگر آنا چاہیں تو وہ انہیں استعمال کر سکتے ہیں اور اگر آپ تنہا ہی اپنی میز پر بیٹھنا چاہتی ہوں تو ہم یہ تینوں کرسیاں ہٹا دیں چونکہ لوگ آپ سے درخواست کریں گے.....''

''نہیں یہ کرسیاں ہٹا دو۔'' میں نے ویٹر کو حکم دیا اور اس نے ادب سے گردن ہلا دی۔ میری میز کے گرد سے کرسیاں ہٹا دی گئی تھیں۔ میں نے ایک مشروب طلب کر لیا۔ ہوٹل میں طرح طرح کے لوگ موجود تھے۔ کچھ غیر ملکی بھی تھے، زیادہ تر مقامی تھے۔ میں اپنے وطن کے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور اس وقت تھوڑی سی افسردگی میرے اوپر طاری ہوگئی تھی۔ یہ سب میرے اہل وطن تھے۔ میرا خون انہی میں سے تھا۔ بے شک میری ماں کا تعلق انگلینڈ سے تھا لیکن میرے باپ نے مجھے سو فیصدی پاکستانی بنا دیا تھا۔ میں بہترین اُردو بولتی تھی۔ کبھی کبھی نماز بھی پڑھتی تھی، روزے بھی رکھتی تھی، عید بکرا عید بھی مناتی تھی۔ ڈیڈی مجھے پاکستان میں ان تقاریب کے بارے میں بتاتے تھے جو ان مذہبی تہواروں پر ہوتی تھیں اور بارہا میرے دل میں آرزو ابھری تھی کہ کاش میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ ان تقاریب میں حصہ لے سکتی۔ تاہم وہاں پر بھی ہم لوگ یہ ساری تقریبیں مناتے تھے اور کچھ پاکستانی خاندانوں سے ہمارا تعلق بھی تھا جو ہمارے ساتھ یہ تہوار مناتے تھے لیکن یہ جگہ بالکل میری اپنی تھی اور میرے دل میں آرزو تھی کہ کاش مجھے یہاں بھی اپنوں کے درمیان محبتوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل سکے۔

ہوٹل کے اسٹیج پر کھیل شروع ہوگئے۔ مختلف قسم کے رقص جن میں مصری، اٹالین، افریقن، آرٹسٹ حصہ لے رہے تھے۔ ہوٹل نے اپنے پروگرام واقعی معیاری رکھے تھے۔

یہ تمام پروگرام ہوتے رہے۔ رات ہوگئی اور میں ان میں پوری دلچسپی لیتی رہی۔ کچھ دیر کے لئے میں ماحول سے بالکل ہی بے گانہ ہوگئی تھی۔ اس وقت بھی اسٹیج پر ایک رقص کے بعد ایک چھوٹا سا آئٹم پیش کیا جا رہا تھا۔ ایک نوجوان اور ایک لڑکی، کھیل بہت پرانا تھا لیکن بہرحال جب بھی دیکھتے تھے سنسنی خیز معلوم ہوتا تھا اس میں ذرا سی تبدیلی ہوگئی تھی اور تبدیلی یہ تھی کہ پہلے کسی ایک انسان کو ایک تختے کے ساتھ لگا دیا جاتا تھا اور پھر آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک دوسرا شخص خاص قسم کے خنجر پھینکتا تھا جو لڑکی کے گرد دائرہ بنا دیتے تھے۔ یہی کھیل پیش کیا جا رہا تھا لیکن اس میں کچھ جدتیں کر دی گئی تھیں۔ مثلاً یہ خنجر الٹی طرف سے پھینکے جاتے تھے اور جدھر بھی پھینکے جاتے تھے لڑکی اسے لپک کر اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتی تھی یہ مزید خوفناک کھیل تھا۔ خنجر اصلی ہوتے تھے اور ان سے لڑکی کو بچنا ہوتا تھا۔

میں بھی دلچسپی سے یہ سارا سین دیکھ رہی تھی۔ کئی بار خنجر لڑکی کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ نوجوان بھی رقص کرتے ہوئے خنجر پھینک رہا تھا۔ پھر اچانک ہی ایک لمحے کے لئے ہال کی لائٹ چلی گئی۔ اس وقت نوجوان خنجر ہی پھینک رہا تھا۔ یہ ایک انتہائی سنسنی خیز پہلو تھا ہال کی لائٹ صرف چند سیکنڈ کے لئے بند ہوئی اور پھر آ گئی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ہولناک چیخ فضا میں لہرا گئی۔ یہ چیخ بالکل میرے برابر والی میز سے ابھری تھی، اس میز پر تین افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ دو اوباش قسم کے نوجوان اور ایک ان کی ساتھی لڑکی۔ چیخ اسی میز سے اُبھری تھی۔ اوباش قسم کے ایک نوجوان کی گردن میں خنجر پیوست تھا وہ دونوں ہاتھوں سے گلا پکڑے ہوئے دہشت زدہ انداز میں چیخ رہا تھا۔ ساتھ ہی خون اُچھل اُچھل کر برابر کی میزوں پر پڑ رہا تھا۔ لائٹ چونکہ فوراً ہی آ گئی تھی اس لئے ایک لمحے کے اندر نوجوان کی کیفیت لوگوں کے علم میں آ گئی اور اس کے بعد بھگدڑ تو مچنا ہی تھی۔

ہوٹل کی انتظامیہ کے افراد اس طرف دوڑ پڑے۔ نوجوان کو بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھایا گیا لیکن کچھ ہی لمحوں میں اس نے دم توڑ دیا تھا۔ خنجر نے اس کی شہ رگ کاٹ دی تھی لیکن ہر طرف ہاہا کار مچ گئی تھی خود اسٹیج پر موجود دونوں فنکار دنگ رہ گئے تھے اور منہ

پھاڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ لوگ ایک دوسرے سے تفصیلات معلوم کرنے لگے۔ انتظامیہ کے افراد فوراً ہی اس نوجوان کو اٹھا کر وہاں سے لے گئے۔ لیکن اب کھیل بدل گیا تھا۔ لوگوں نے ان دونوں فنکاروں کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا۔ میں البتہ دوسرے انداز میں سوچ رہی تھی، صرف ایک لمحے کیلئے مجھے اپنی گردن کے پاس زناٹے کی ایک آواز سنائی دی تھی۔ اس وقت تو بات سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ یہ کیا چیز تھی جو کہ میرے پاس سے اُڑتی ہوئی گئی تھی لیکن اب صورتحال سمجھ میں آ رہی تھی۔ یقینی طور پر یہ دوسرا شخص شکار ہوا ہے ورنہ اصل نشانہ میں تھی۔ وہ زناٹے دار چیز یہی خنجر تھا جو میری گردن کے پاس سے گزرا تھا۔ بڑی سنسنی خیز بات تھی۔

بہرحال افراتفری مچ گئی۔ میں خود بھی صورتحال جاننا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس جگہ پہنچ گئی جہاں اس زخمی نوجوان کو لٹایا گیا تھا۔

بعد کی تفصیل یہ تھی کہ وہ خنجر ان خنجروں میں سے نہیں تھا جو اسٹیج پر پھینکے جا رہے تھے۔ فنکار نے اپنے سارے خنجروں کا حساب دیا تھا جو مکمل طور پر جوں کے توں تھے۔ گیارہ خنجر تھے جو وہیں کے وہیں موجود تھے اس کے علاوہ اس خنجر کی ساخت بالکل مختلف تھی جو پھینک کر مارا گیا تھا۔

دنیا کے ذہنوں میں کوئی بھی خیال ہو لیکن یہ حقیقت تھی کہ مجھے پوری طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ خنجر کا نشانہ میں تھی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ جس کی تقدیر میں موت تھی اسے مل گئی۔

بعد کے پروگرام جاری نہیں رہ سکے چونکہ اس نوجوان نے پہلے ہی مرحلے پر دم توڑ دیا تھا۔ یہ حال میرا ہونا تھا میں ساری صورتحال میں پوری دلچسپی لیتی رہی۔ فنکار کو گرفتار کر لیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی انتظامیہ نے پورے پورے بیانات دیئے تھے کہ گیارہ خنجروں کے علاوہ کوئی اور خنجر اس کے پاس موجود نہیں تھا دوسری چیز یہ کہ اس کی ساخت بالکل مختلف تھی اس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر ہال میں سے کسی نے خنجر پھینکا تھا اور لائٹ کا جانا بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ گویا کوئی ایسا نشانہ باز اس کام

کو سرانجام دے رہا تھا جو اپنے کام کو صحیح طور پر سرانجام دے سکتا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس کا نشانہ خطا گیا اور میری تقدیر میرا ساتھ دے گئی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا اس بارے میں۔

ہوٹل ہنگاموں کی نظر ہو گیا۔ میں بھی تھوڑی دیر تک سوچتی رہی اور اس کے بعد واپس اپنے کمرے کی جانب ہی چل پڑی۔ طبیعت پر ایک کہولت سی سوار ہو گئی تھی۔ آخر یہ کون لوگ ہیں جو مجھے ہر قیمت پر ختم کر دینا چاہتے ہیں لیکن اس کا ختم کرنے کا انداز بھی ذرا مختلف ہے۔ ایئرپورٹ سے نکلتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور کسی بھی لمحے میرا خاتمہ کر سکتا تھا کیونکہ اس وقت میں بالکل بے خبر تھی۔ لیکن وہ بدبخت بری نیت سے مجھے اس علاقے میں لے گیا۔ بعد کے سارے حالات اور اب یہ حملہ میں کہولت کا شکار ہو کر اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچی تو ایک لمحے کے اندر اندر مجھے یہ احساس ہو گیا کہ کوئی اندر موجود ہے۔

میں نے بڑی مہارت کے ساتھ کمرے کے تالے کو چیک کیا تالا جوں کا توں بند تھا۔ اس طرح کا تالا بند ہو اور اندر داخل ہو جائے ہوٹل کی انتظامیہ کا کوئی فرد ہی ہو سکتا تھا کیونکہ ان لوگوں کے پاس ڈپلیکیٹ چابی ہوا کرتی ہے۔ ایک لمحے تک میں سوچتی رہی اور اس کے بعد اندر سے آہٹیں لینے لگی۔ اس وقت کوریڈور میں کوئی موجود نہیں تھا مجھے صاف پتا چل گیا کہ اندر کوئی شخصیت موجود ہے۔ کیا وہ کسی دوسرے ذریعے سے بھی کسی کھڑکی وغیرہ سے اندر آئی لیکن اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ کھڑکی بے شک تھی پچھلے حصے میں لیکن اس میں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی کہ کوئی اندر آ سکے کیونکہ پیچھے سپاٹ دیوار تھی۔ کوئی کارنس وغیرہ بھی نہیں تھا۔ پر یقینی طور پر دروازے سے ہی کوئی اندر داخل ہوا ہے۔

میں انتظار کرتی رہی۔ میں نے اس وقت نہ تو دستک دینا مناسب سمجھا نہ کوئی اور عمل بلکہ میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ دروازہ کھلے اور کوئی باہر آئے تو پھر میں دیکھوں۔ اور میرا یہ انداز غلط ثابت نہیں ہوا کچھ ہی لمحوں بعد دروازے پر چاپ سنائی تھی، اندر سے کوئی دروازے پر آ رہا تھا۔ میں ایک سمت سمٹ گئی۔ پھر دروازہ آہستہ سے کھلا اور کسی نے

گردن نکال کر کوریڈور میں جھانکا لیکن یہی کام کرنے کا وقت تھا، میرا طاقتور گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ جو کوئی بھی تھا اُچھل کر کمرے کے اندر فرش پر جا گرا۔ میں ایک دم اندر داخل ہوئی اور میں نے دروازہ اندر سے بند کر دیا لیکن جو شخص فرش پر گرا تھا اس نے اُلٹی قلابازی کھائی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک خنجر چمک رہا تھا اور میری تیز نگاہ نے ایک لمحے کے اندر جائزہ لے لیا کہ یہ بالکل ویسا ہی خنجر تھا جیسے خنجر سے ہال میں موجود ایک شخص موت کا شکار ہو گیا تھا۔

یہ محسوس کر کے میں مزید مستعد ہو گئی اور اس شخص کے ردعمل کا انتظار کرنے لگی وہ خنجر بار بار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کر رہا تھا اور اس کی بلی جیسی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ بھی مارشل آرٹس جانتا ہے اور خنجر زنی کا ماہر ہے۔ ذرا زیادہ محتاط ہونا پڑا تھا۔ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ کر میں نے دروازہ لاک کر دیا اور وہ شخص ایک لمحے کیلئے کچھ پریشان سا ہو گیا۔ دروازہ لاک کرنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے اس کی ظاہری حالت کو خوف کی شکل میں قبول نہیں کیا ہے اور یہ بات کسی کے لئے باعث تشویش ہو سکتی تھی۔ اچانک ہی میں نے جھکائی دی اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر ارنے بھینسے کی طرح آیا۔ یہ ایک خوفناک داؤ تھا۔ لیکن اس کا توڑ یہ تھا کہ میں اسے اپنے قریب آنے دوں اور اچھل کر اس کی پشت پر دولتی ماروں۔ چنانچہ مین نے ایسا ہی کیا اپنی دانست میں اس نے مجھے صرف خوفزدہ کرنے کے لئے یہ عمل کیا تھا لیکن نتیجہ برا ہی نکلا۔

میں نے وہی کیا میں اپنی جگہ سے اچھی اور میرے دونوں پاؤں اس کے کندھوں پر پڑے۔ اگر ہاتھ ذرا بھی غلط ڈائریکشن میں ہوتا تو اس کے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا خنجر اس کے سینے میں بھی پیوست ہو سکتا تھا لیکن اس نے پھرتی سے رخ بدلا اور چت ہو کر دونوں پاؤں اوپر اٹھا دیئے لیکن اس کا بھی دل خوش ہو گیا ہو گا کیونکہ میں جو فضا میں اچھلی تھی میں نے اپنے دونوں پاؤں اس کے دونوں پاؤں پر ٹکائے اور الٹی قلابازی کھا کر فوراً ہی ایک لات اس کے جسم کے پچھلے حصے پر رسید کر دی۔

پہلی بات تو یہی اس کے لئے حیران کن تھی کہ میں نے اس کے پیروں پر ٹکنے کا

سہارا لیا تھا اور دوسری بات یہ کہ فوراً ہی میں نے اس پر وار بھی کر دیا تھا۔ یہ دونوں چیزیں اس کے لئے تعجب کا باعث تھیں لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ پہلی لات کے بعد ہی وہ الٹی قلابازی کھا کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے پھر اس کے سر پر ایک ضرب رسید کر دی اور وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ دوں اور پے در پے میں نے بہت سی ضربیں اس کی پسلیوں اور کمر پر لگا دیں۔ اسے ایک دم اندازہ ہو گیا تھا کہ غلط مشکل میں پڑ گیا ہے میں نے ایک ایسی لات اس کے بغل کے نچلے حصے میں رسید کی کہ اس کے حلق سے دلخراش کراہ نکل گئی۔ ساتھ ہی میں نے اس کی کلائی اپنے پاؤں سے مسل دی تھی یہ وہ ہاتھ تھا جس میں خنجر دبا ہوا تھا۔ جس طرح میں نے اس کے ہاتھ کو زخمی کیا تھا اس نے اسے بالکل ہی ختم کر دیا۔ خنجر والا ہاتھ کھلا اور میری ٹھوکر خنجر کو مسہری کے نیچے لے گئی۔ وہ ایک دم سے کھسک کھسک کر پیچھے ہٹنے لگا اور پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بس پلیز ..... بس پلیز بس .....'' وہ وحشت زدہ لہجے میں بولا۔ اور میں رُک کر اسے دیکھنے لگی۔.....''

☆.....☆.....☆

......

''اٹھنا چاہتے ہو؟''

''بس پلیز......''

''کیا بس پلیز......؟''

''تم......میرا مطلب ہے، میں تم سے نہیں لڑ سکتا۔''

''ہوں ...... اُٹھ کر بیٹھ جاؤ۔ اس دیوار کے ساتھ کمر لگا کر۔ اور کیا ہتھیار ہیں تمہارے پاس پستول ہے......''

''نہیں......پستول ہوتا تو میں خنجر کا استعمال نہ کرتا......''

''میں تمہاری تلاشی لینا چاہتی ہوں۔''

''اور کوئی ہتھیار نہیں ہے میرے پاس میں جانتا ہوں کہ میں تم سے مار کھا گیا ہوں اب تم پر کوئی وار نہیں کروں گا وعدہ ہے۔'' میں آہستہ سے ہنس دی میں نے کہا......

''کھڑے ہو جاؤ۔''

''میں اپنے پیروں کو بے جان پا رہا ہوں۔''

''کھڑے ہو جاؤ...... ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا پورا جسم ہی ہمیشہ کے لئے مفلوج ہو جائے۔ میں تم پر کائرو کر سکتی ہوں۔'' غالباً وہ اس لفظ سے واقف تھا جو مارشل آرٹس کی زبان میں بہت خوفناک لفظ تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حرام مغز توڑ دیا جائے۔ اگر اس کی

صحیح جگہ معلوم ہو تو اور حرام مغز توڑنے کے بعد کوئی مائی کا لال اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا اور اس کا کوئی علاج بھی نہیں ہے۔

وہ اس طرح دہشت زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا جیسے اس نے موت کو قریب سے دیکھ لیا ہو......

''تم......تم......''

''دونوں ہاتھ اوپر کر دو......''

''میں......تم یقین کرو میں کوئی مدافعت نہیں کروں گا۔ خدا کے لئے کچھ اور نہ کرنا میرے ساتھ۔'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ میں نے اس کی تلاشی لی۔ تھوڑی سی کرنسی کے سوا اور کچھ نہیں نکلا تھا......

''میں بیٹھ جاؤں۔ مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔ وہ بولا اور میں نے اسے اشارہ کر دیا......''

''ہوں......دروازہ کیسے کھولا؟'' میں نے اس سے پہلا سوال کیا۔

''مجھے دروازے کھولنے کا فن آتا ہے۔ بڑے آرام سے میں نے تمہارا دروازہ کھول لیا تھا۔''

''ابھی نیچے ہال میں میرے اوپر خنجر سے وار تم نے کیا تھا......''

''ہاں، میں نے تمہاری گردن کو نشانہ بنایا تھا لیکن ذرا سی غلطی ہو گئی، لائٹ بجھانا مجبوری تھی کیونکہ مجھے دیکھا جا سکتا تھا۔''

''وہاں سے ناکام ہو کر تم یہاں آئے......؟''

''ہاں......''

''کیا صرف میرا انتظار کر رہے تھے؟''

''نہیں...... مجھے یہاں ڈکٹوفون بھی لگانا تھا......''

''ڈکٹوفون......''

''ہاں......''

''لگا دیا.....'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں'' وہ اوپری اوپری سانسیں لیتا ہوا بولا۔

''کہاں لگایا ہے.....؟''

''تمہاری مسہری کے نیچے ایک جگہ ہے وہاں.....''

''آن ہے؟.....''

''ہاں آن ہے اور اس پر میرے اور تمہارے درمیان ہونے والی ساری باتیں سنی جا رہی ہوں گی، جو ظاہر ہے میری موت کا سبب بنیں گی لیکن تھوڑی دیر تو زندہ رہ لوں گا۔ وہ لوگ مجھے ضرور مار دیں گے.....''

''چلو اب جب تم نے اس بات کا اعتراف کر ہی لیا ہے تو مجھے بتاؤ کہ وہ کون لوگ ہیں.....''

''میں نہیں جانتا ہمارا ایک گروہ ہے جس کا سربراہ راول خان ہے۔ راول خان کے پاس کام کرنے والے بیس آدمی ہیں۔ وہ کرائے پر ہر کام کر لیا کرتا ہے اور میں بھی اسی کا آدمی ہوں۔''

''راول خان کے اور بھی آدمی میرے لئے کام کر رہے ہیں؟''

''تم یقین کرو مجھے کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے بس میری ڈیوٹی یہ لگائی گئی تھی کہ میں ہوٹل میں تمہیں ختم کر دوں۔ پہلی کوشش میں ناکام رہا تو مجھے ہدایت ملی کہ تمہیں تمہارے کمرے میں جا کر ختم کر دوں اور ڈکٹوفون وہاں لگا دوں.....''

''راول خان کو کس نے اس کام کے لئے مجبور کیا یہ تم نہیں جانتے۔''

''یقین کر سکتی ہو تو کرو۔ میرے پاس زندہ رہنے کا اب کوئی جواز نہیں رہ گیا ہے۔''

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''نصیر خان۔''

''اب کیا کرو گے؟''

''کچھ نہیں سیدھا ان کے پاس پہنچوں گا اور راول خان سے کہوں گا کہ میری

ناکامی کی سزا دے دے۔ اگر تم مجھ سے یہ سب کچھ نہ پوچھتی تو شاید میرے بچنے کے امکانات بھی ہو جاتے۔''

''ٹھیک ہے مجھے تمہاری زندگی موت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں تمہیں اس طرح نہیں چھوڑوں گی۔ پولیس کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ چلو اپنے ہاتھ بندھوا لو۔'' میں نے کہا اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ پھر میں نے اس کے کان سے منہ لگا کر سرگوشی کی۔

''نصیر خان مجھے کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ۔ دوبارہ راول خان سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔ زندگی اتنی بے وقعت چیز نہیں ہے کہ انسان اس طرح ضائع کر دے۔'' اس نے حیرت سے میری صورت دیکھی جیسے میری بات پر اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ میں نے آنکھیں بند کر کے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

''واقعی مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ چلو نکل جاؤ۔'' اس نے میرے کان سے منہ لگا کر سرگوشی کی.....

''ڈکٹوفون پر ساری باتیں سنی جا رہی ہوں گی۔''

''میری سرگوشی بھی؟''

''نہیں۔''

''میں تم سے صاف کہہ رہی ہوں ابھی وہ لوگ یہاں نہیں پہنچے ہوں گے۔ تم جس طرح بھی بن پڑے یہاں سے نکل جاؤ۔''

''معاف کر دو مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو، میرے ہاتھ پاؤں نہ باندھو۔ مجھے پولیس کے حوالے مت کرو۔ مجھے تو ویسے بھی مرنا پڑے گا۔ پولیس مجھے مار مار کر ادھ موا کر دے گی اور راول خان کبھی پسند نہیں کرے گا کہ میں پولیس کے ہاتھ بھی لگوں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ ہاتھ جوڑ کر میری طرف دیکھ رہا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ میں اسے معاف کر دوں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور پھر غرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اے..... سیدھے ہو جاؤ ورنہ مار مار کر یہیں ختم کر دوں گی اور کہہ دوں گی کہ یہ مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے آیا تھا اس لئے میں نے اسے ختم کر دیا.....''

''پلیز..... پلیز..... پلیز..... مت مارو..... مت مارو..... پلیز.....'' اس نے کہا اور میں نے کچھ ایسی آوازیں پیدا کیں جیسے میں اسے مار رہی ہوں پھر آہستہ آہستہ میں دروازے کی جانب بڑھی اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ ہوا کے جھونکے کی طرح باہر نکل گیا تھا۔ میں نے کوشش یہ کی تھی کہ دروازہ بند ہونے کی آواز نہ ہو۔ پھر میں مسہری کے پاس آئی۔ نیچے ڈکٹوفون نظر آ رہا تھا۔ خاصہ طاقتور قسم کا ٹرانسمیٹر تھا۔ میں نے کہا۔

''تم لوگ جو کوئی بھی ہو میری آواز تو سن رہے ہو گے۔ ظاہر ہے اسی کے لئے تم نے کوششیں کی ہوں گی۔ دیکھو میں تو یہاں ایک محبت بھرے مہمان کی طرح آئی تھی۔ نہ مجھے کسی سے کچھ لینا ہے نہ دینا ہے، تم نے جس طرح میری زندگی کے پیچھے دشمن لگا دیئے ہیں وہ تمہاری زیادتی ہے۔ مجھ سے کچھ چاہتے ہو تو مجھے بات کرنے کا موقع دو۔ ایک بے مقصد دشمنی کر رہے ہو تم۔ براہِ کرم ایک بار مجھ سے ملو مجھ سے مذاکرات کرو۔ ہو سکتا ہے میرے تمہارے درمیان دشمنی کا کوئی تصور ہی نہ رہے۔ میں یہاں کسی خاص مقصد سے نہیں آئی بس مجھے میرے ڈیڈی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی تھی بہت عرصے سے میں ان کی تلاش میں آئی ہوں۔ وہاں لندن میں مَیں اپنی آنٹی کے ساتھ رہتی ہوں اور ایک مطمئن زندگی گزار رہی ہوں۔ مجھے یہاں آنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم مجھ سے ملو تو سہی۔ مجھ سے میرے ڈیڈی کے بارے میں بات چیت کرو۔ میں واپس چلی جاؤں گی۔ یقین کرو تم میں سے کسی کو میں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ مجھے پتا ہے کہ اس ڈکٹوفون پر تم مجھے جواب نہیں دے سکتے مگر یہ جانتی ہوں کہ میری پوری بات سن رہے ہو گے۔ میں ابھی اسی ہوٹل میں مقیم ہوں لیکن پلیز مجھ پر کوئی اور وار کرنے سے پہلے مجھ سے ملاقات ضرور کر لو۔ تمہارا شکریہ ادا کروں گی۔ اب میں یہ ڈکٹوفون ضائع کر رہی ہوں۔'' میں نے کہا اور ڈکٹوفون کو اس کی جگہ سے کھول لیا۔ پھر اس کے بعد میں نے واش روم میں آ کر اسے بیسن میں رکھا اور پانی کا نل اس پر کھول دیا۔ کافی دیر تک وہ

پانی میں بھیگتا رہا اس کے بعد میں نے اسے اٹھایا اور واش روم ہی میں زمین پر رکھ کر اپنے مضبوط سینڈل کی ایڑھی سے اسے کچلنے لگی اور اس کے تمام کوائل اور بٹن وغیرہ توڑ دیئے۔ اس کے بعد میں نے پچھلی کھڑکی سے اسے زور سے باہر اچھال دیا اور وہ ایک عمارت کی چھت پر جا گرا۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں ایک بار پھر دوازے کی جانب متوجہ ہوئی۔ ہوٹل کی افراتفری کی وجہ سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا لیکن طبیعت پر ایک دم ایک بوجھ سا آ پڑا تھا۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اب کیا کرنا چاہئے ..... یہ تو واقعی بڑی مشکل صورتحال ہو گئی تھی۔ میں تو صرف اپنے باپ کی تلاش میں آئی تھی۔ نجانے یہ کون لوگ ہیں جو میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ایسا تو کوئی عمل میری ذات سے بھی منسوب نہیں ہے۔ بات صرف وہی تھوڑی سی جائیداد وغیرہ کی رہ جاتی ہے لیکن اس کے لئے اس قدر منصوبہ بندیاں اور پھر سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس بات کا یقین بھی نہیں تھا کہ یہ وہی خاندانی مسئلہ ہے۔ کوئی بھی بات ہو سکتی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

آخر کار فیصلہ کیا کہ تقدیر پر بھروسہ کیا جائے اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ پہلے تو دل میں یہ سوچا تھا کہ یہ کمرہ میرے لئے بالکل غیر محفوظ ہے جس طرح مجھ پر قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں اس کمرے میں بھی حملہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ اس کمرے میں نہ سویا جائے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب انسان پر بہت ساری مصیبتیں یکجا ہو جاتی ہیں تو پھر وہ کافی نڈر ہو جاتا ہے۔ میں لباس وغیرہ تبدیل کر کے اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ دماغ اتنا تھک گیا تھا کہ فوراً ہی پلکوں پر بوجھ آ پڑا۔ پھر یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ کیا سوچتے سوئی تھی لیکن گہری نیند سو گئی۔

صبح کو آنکھ کھل کر سب سے پہلا احساس یہی ہوا تھا کہ میں زندہ ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ اپنی زندگی پر حیرت ہوئی تھی اور ایک ہلکی سی خوشی کا احساس بھی۔ میں نے دل میں سوچا کہ زندگی ہوتی ہے تو انسان ہر طرح کے حالات میں جیتا ہے اور اگر میری زندگی ہے تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اس بات نے دل کو بڑا اعتماد دیا۔ بستر پر لیٹی دیر تک

سوچتی رہی کہ یہ میرے باپ کا وطن ہے صحیح معنوں میں تو میرے لئے سب سے بڑے تحفظ کی جگہ۔ دل کو ایک دکھ کا احساس ہوا کہ یہاں تحفظ کی بجائے مجھ پر اس طرح قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی آئی ہی تھی کہ میں نے اپنے احساسات کو جھٹک دیا۔ خواہ مخواہ جذباتی ہونے سے اپنے تحفظ کا احساس کم ہو جائے گا۔ مجھے تو بہرحال ان حالات سے جنگ کرنی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ میرا باپ گم ہو گیا تھا، مجھے اس کی تلاش کرنی تھی۔

دن کے کیا کام ہونے چاہئیں آج، قاتلانہ حملوں کے لئے اب بھی منتظر تھی لیکن اب زیادہ خوف نہیں تھا۔ سب سے پہلے مرزا طاہر بیگ سے ملنا ہے۔ مرزا طاہر بیگ کے بارے میں جو معلومات میرے پاس موجود تھیں ان میں ان کا ٹیلیفون نمبر بھی تھا۔

بہرحال ایک نڈر لڑکی کی طرح اپنی جگہ سے اٹھی۔ الماری سے لباس نکالا اور اسے لے کر باتھ روم میں داخل ہو گئی۔ ایک نگاہ دروازے کی جانب بھی اٹھائی تھی اور اسے اندر سے بند دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی کیونکہ میں نے خود اسے اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا۔ غسل خانے میں شاور کے نیچے نہاتے ہوئے میں نے سوچا کہ ڈکٹو فون پر میں نے جو بات کی ہے ہو سکتا ہے وہی میرے لئے کارآمد رہی ہو اور اس بات کے امکانات بھی ہیں اب مجھ سے مذاکرات کئے جائیں۔

غسل سے فارغ ہو کر باہر نکلی۔ روم سروس کو فون کر کے ہلکا ناشتہ طلب کیا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ سارے قدم غیر محتاط تھے کیونکہ اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا تھا وہ اتنا زیادہ تھا لیکن اب مجھ پر ایک بے حسی سی طاری ہو گئی تھی۔ دیکھتی ہوں حالات کا مقابلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ مکمل طور پر تنہا ہوں یہ تصور دل سے نکال دینا چاہئے کہ یہاں میرے پاس کوئی ہمدرد آ سکتا ہے۔

صوفے پر بیٹھ کر انتظار کرتی رہی۔ ویٹر ناشتے کے ساتھ صبح کے اخبارات بھی لایا تھا جو اس نے ادب سے ایک جانب سرکا دیئے۔ میں نے ویٹر کے چہرے پر گہری نگاہ ڈالی، سیدھا سادہ آدمی تھا۔ ناشتہ پیش کر کے وہ گردن خم کر کے چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس

نے سوال کیا تھا۔

''اور کوئی چیز میم؟''

''نہیں شکریہ۔''

پھر میں ناشتے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ ساتھ ہی اخبارات بھی اٹھا لئے تھے۔ میرے مطلب کی کوئی خبر نہیں تھی۔ سرسری نگاہ سے اخبارات کا جائزہ لیا۔ ناشتہ ختم کیا اور اس کے بعد گھڑی میں وقت دیکھ کر انتظار کرنے لگی۔ کمرے سے باہر نکلنا بالکل بے کار تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میرے کرم فرما مجھے بالکل ہی بھول گئے۔ کوئی عمل نہیں کیا گیا۔

دن کو تقریباً ساڑھے دس بجے میں نے مرزا طاہر بیگ کو فون کیا ادھر سے کسی خاتون نے فون ریسیو کیا تھا۔

''جی فرمایئے۔''

''مرزا طاہر بیگ صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا وہ آفس میں موجود ہیں؟''

''نہیں وہ تو دو بجے کے بعد کورٹ سے آتے ہیں۔ آپ ساڑھے تین بجے ان سے ملاقات کر سکتی ہیں۔''

''ساڑھے تین بجے۔''

''جی ہاں! وہ آ کر لنچ کریں گے اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کریں گے پھر کلائنٹس سے بات چیت کرتے ہیں بلکہ بہتر ہوگا کہ آپ چار بجے کے قریب آئیں۔ آپ پلیز اپنا نام بتا دیں۔ میں اپائنٹمنٹ بک میں لکھ دوں.....''

''میرا نام شرمین ہے.....شرمین حیات.....''

''ٹھیک ہے میں نے لکھ لیا پلیز.....''

چار بجے تک کا وقت گزارنا تھا۔ پہلے تو دل میں سوچا کہ کمرے میں ہی رہوں لیکن اب جب اتنا وقت اس طرح گزر گیا تھا اور میرے دشمنوں نے مجھے چانس دیا تھا تو پھر کیوں نہ باہر تھوڑا سا وقت گزارا جائے۔ یہ سوچ کر میں نے تیاریاں کیں اور کوئی بارہ بجے کے قریب ہوٹل کی نچلی منزل میں آ گئی۔ یہاں باقاعدہ پولیس موجود تھی۔ غالباً رات

کے حادثے کے بارے میں تحقیقات جاری تھی۔ میری طرف کسی نے کوئی توجہ نہیں دی اور میں باہر نکل آئی۔ لیکن باہر آنے کے بعد ایک اور احساس ہوا اس دوران مجھ پر قاتلانہ حملہ نہ ہونے کی وجہ کہیں پولیس تو نہیں ہے۔ باہر میرے لئے پھر سے وہی کارروائی شروع ہو جائے۔

ویسے بھی ہوٹل جس علاقے میں تھا وہ زیادہ بھرا پُرا نہیں تھا۔ لیکن تھوڑے سے فاصلے پر مجھے ٹیکسی مل گئی۔ یہ بھی ایک شریف صورت ڈرائیور ورنہ پہلا تجربہ کافی خطرناک تھا۔

''کہاں جائیں گی بیگم صاب؟''

''ڈرائیور میں انگلینڈ سے آئی ہوں، تنہا ہوں اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے یہاں کے تفریحی مقامات دکھا دو۔'' میں نے ڈرائیور کے کالے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شکل و صورت سے بالکل افریقن لگ رہا تھا۔ وہی نقوش تھے، ویسے ہی گھنگریالے بال، گہری آنکھیں۔ لیکن چہرے پر ایک قدرتی شرافت تھی۔

''بیگم صاب آپ ہمارے اوپر بھروسہ کریں۔ آپ جدھر بولے گا اُدھر لے جائے گا۔ آپ انگلینڈ سے آیا ہے.....؟'' اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا.....

''ہاں!.....''

''اپن کا نام قادر بخش ہے۔ آپ بالکل بے فکر ہو جاؤ۔''

''بھائی قادر بخش، میں انگلینڈ سے آئی ہوں، لیکن کچھ لوگ مجھ سے دشمنی پر آمادہ ہیں۔ نجانے وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ ابھی مجھے آئے ہوئے ایک ہی دن گزرا ہے لیکن مجھ پر کئی قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔''

''کون ہیں وہ لوگ؟'' قادر بخش نے کہا۔

''یہی تو نہیں جانتی.....''

''ابھی اگر ایسا بات ہے تو آپ بالکل فکر مت کرو قادر بخش آپ کا غلام ہے۔ ابھی اپن کا دل چاہتا ہے کہ آپ کو بہن بولے۔ پر بڑے لوگ کو بہن نہیں بولا جا سکتا وہ ناراض

ہو جاتا ہے.....''

''کیسی بات کرتے ہو قادر بخش، رشتے تو اس کائنات میں سب سے قیمتی چیز ہوتے ہیں۔ میرا دل تو بہت بڑا ہو جائے گا اگر تم مجھے بہن کہو۔ ویسے بھی میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔''

قادر بخش خاموش ہو گیا۔ اس کی یہ خاموشی مجھے پہلے تو عجیب سی لگی تھی لیکن پھر میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا تو وہ اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہا تھا۔

''ارے.....ارے قادر بخش تم رو رہے ہو؟''

''نہیں باجی صاب بس اپن کا بھی کوئی بہن نہیں ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے ہم دونوں بہن بھائی۔ آج پورا دن ساتھ رہیں گے۔''

''ٹھیک ہے بیگم صاب.....''

''پھر بیگم صاب؟.....''

''نہیں باجی صاب۔ اپن ابھی آپ کو سیر کراتا ہے۔''

''قادر بخش میں زیادہ وقت یہاں رہوں گی۔ تم زیادہ سے زیادہ میرا ساتھ دو، بے فکر رہو جتنے پیسوں کا معاملہ ہوگا.....''

''دیکھو باجی صاب! ابھی جب ایسا بول دیا تو پیسوں کا بات کر کے بھائی کے منہ پر جوتا مارتا ہے.....''

''ارے نہیں نہیں..... چلو ٹھیک ہے ساری باتیں بعد میں کر لیں گے۔'' مجھے ایک دلی خوشی کا احساس ہوا تھا۔ جو تنہائی میں نے محسوس کی تھی اس میں نجانے کیوں میرے دل کو ایک ڈھارس سی ہو گئی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ باہر نکلتے ہی میری زندگی کا پہلا سنگِ میل مجھے مل جائے گا۔ کسی ایک ساتھی کا مل جانا بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ خاص طور سے اس وقت جب انسان اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرتا ہو۔ قادر بخش مجھے نجانے کہاں کہاں لے گیا۔ دن کو دو بجے مجھے بھوک لگ رہی تھی میں نے قادر بخش سے کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ اس نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا.....

''کیوں..... خیریت..... کیا ہوا؟''

''باجی صاب، بھوک نہیں لگا آپ کو؟.....''

''بھوک ہی تو لگی ہے۔ چلو کسی اچھے سے ہوٹل میں چلتے ہیں ویسے تم اس طرح سے خاموش کیوں ہو گئے۔''

''نہیں کوئی بات نہیں۔'' قادر بخش مجھے کیفے گرانڈ لے گیا۔ اچھا خوبصورت سا ہوٹل تھا۔ اس نے ایک جگہ ٹیکسی روکی اور بولا۔

''باجی صاب ادھر کھانا بہت اچھا ملتا ہے۔''

''چلو پھر ٹھیک ہے گاڑی لاک کرو۔''

''جی۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''ہاں..... کیوں؟''

''اپن گاڑی میں بیٹھا ہے..... آپ آرام سے کھانا کھاؤ۔''

''کیسے بھائی ہو..... بہن کو کھانا نہیں کھلاؤ گے۔''

''آپ..... آپ کا مطلب ہے کہ اپن بھی ہوٹل چلے۔''

''پھر میں نہیں جاتی۔ اکیلے کھانا کھاؤں گی۔''

''پن باجی صاب.....''

''آؤ قادر بخش، فضول باتیں نہیں کرتے.....'' میں نے کہا اور وہ حیران حیران سا گاڑی سے اتر آیا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا مجھے یہ سب کچھ۔ میں ویسے بھی ذرا مختلف مزاج کی مالک تھی۔ چھوٹا بڑا میری نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس انداز میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور پھر قادر بخش اچھے خاصے مقامی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اچھے خاصے تن و توش کا مالک تھا۔ اسے بھائی کہتے ہوئے مجھے ذرا بھی کوئی دقت نہیں محسوس ہوتی تھی۔

وہ بہت ہی جھجکتا ہوا میرے ساتھ اندر داخل ہوا۔ ڈائننگ ہال نیم تاریک سا تھا۔ اس نے میرے لئے کرسی کھینچی اور پھر دوبارہ جھجک گیا۔

''بیٹھو قادر بخش..... پلیز بیٹھو.....''

''جی..... جی۔'' وہ بیٹھ گیا۔

ویٹر نے ہمارے سامنے مینیو لاکر رکھ دیا تھا۔ میں نے خود ہی اس میں سے کچھ چیزیں منتخب کیں اور قادر بخش سے کہا۔

''میری پسند کی چیزیں کھاؤ گے تم بھی.....''

''جی باجی صاب۔''

کھانا آ گیا اور ہم خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گئے۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ پتا نہیں کیوں ان شدت پسندوں نے مجھے معاف کر دیا تھا۔ غالباً ڈکٹوفون پر ہونے والی بات چیت جو جو میں نے کہا تھا ان سے اسے انہوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ میں اس بات کی منتظر تھی کہ کہیں بھی کسی وقت سے مجھ سے رابطہ قائم کیا جائے گا اور غالباً یہ بتایا جائے گا کہ میری زندگی ان لوگوں کے لئے کیوں نقصان دہ ہے۔ بہر حال مرزا طاہر بیگ سے ملنا اپنی جگہ بہت ضروری تھا میں نے قادر بخش سے کہا.....

''قادر بخش تمہاری فیملی کہاں رہتی ہے؟''

''اِدھر ہی باجی صاب۔ پر اپن کا کوئی فیملی نہیں ہے۔ ایک بھائی اور بھابھی ہے بس وہ اِدھر رہتا ہے۔ بھائی سبزی منڈی میں کام کرتا ہے اور اپن ٹیکسی چلاتا ہے۔ اپن کا اپنا ٹیکسی ہے۔ بھائی کے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں..... پیارے پیارے۔ ابھی آپ اس کو دیکھے گا تو حیران رہ جائے گا۔''

''دکھاؤ گے نہیں تم مجھے۔''

''ابھی آپ جیسا بولو باجی صاب آپ نے تو ہمارے کو بڑا عزت دے دیا.....''

''اس لئے کہ بہنیں ہمیشہ بھائیوں کی عزت کرتی ہیں۔''

''آپ کا شکریہ باجی صاب۔ کبھی کبھی انسان کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ میرا بات مانو قسم کھا کر بولتا ہوں کہ کبھی کبھی میں خواب دیکھتا تھا اور ایسا ہی سوچتا تھا کہ کوئی پیاری سی باجی میرے کو بھائی کہہ کر پکارے

گی۔ باجی صاب بس میں آپ کو بول نہیں سکتا۔'' قادر بخش کی آواز بھرا گئی۔ میں اس کے جذبات کو محسوس کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کچھ بھی ہو روشنی اور اندھیرے کا امتزاج زندگی کا ایک حصہ ہے۔ وہاں سے وہ سب کچھ مل جاتا ہے جہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ روشنی میں انسان بھٹکتا ہی رہ جاتا ہے یہ کتنا اچھا انسان مجھے مل گیا تھا۔ یہ تو میری بھرپور مدد کرے گا۔ میں نے بہت سے فیصلے دل ہی دل میں کر لئے تھے۔ میرے پاس اچھی خاصی رقم تھی، ٹریولنگ چیک تھے اور بھی بہت کچھ تھا۔ میں بڑی آسانی سے یہاں وقت گزار سکتی تھی۔ بہرحال چار بجے تک یہ سارے کام رہے۔ اس کے بعد میں نے قادر بخش کو مرزا طاہر بیگ کے آفس کا پتہ بتا دیا۔ قادر بخش پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اس علاقے میں پہنچ کر اس نے دو تین جگہ سے معلومات حاصل کی اور آخرکار مجھے اس بلڈنگ کے پاس پہنچا کر کھڑا کر دیا جس میں طاہر بیگ کا آفس تھا۔ میں نے قادر بخش سے کہا۔

''قادر بخش تم یہاں رکو گے۔ ہوسکتا ہے یہاں مجھے کچھ دیر لگ جائے۔''

''پرواہ مت کرو باجی صاب، اپن ادھر ہے۔''

میں بلڈنگ میں داخل ہوگئی۔ خوبصورت بلڈنگ تھی لفٹ نے مجھے تیسری منزل پر پہنچا دیا اور میں نے مرزا طاہر بیگ کے نام کی تختی لگی دیکھ لی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور اندر داخل ہوگئی۔ کافی بڑا آفس تھا۔ تین افراد وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے ہی ایک کیبن تھا جس میں ایک بھاری بھرکم شخصیت بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ شیشے لگے ہوئے تھے اس نے بھی مجھے دیکھ لیا اور شاید انٹرکام پر اس لڑکی سے رابطہ قائم کیا جو ایک طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ چونکہ میں نے انٹرکام کی آواز سنی تھی۔ لڑکی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی اور پھر اس نے مجھے کیبن میں پہنچا دیا۔

''آیئے..... بیٹھیے پلیز..... کون ہیں آپ؟''

''سر میرا نام شرمین حیات ہے، میرے والد کا نام حیات علی ہے۔ میں انگلینڈ سے آئی ہوں۔''

''ارے بیٹے شرمین..... تم حیات علی کی بیٹی ہو۔''

''جی انکل.....'' میں نے جواب دیا۔

''میں ہی مرزا طاہر بیگ ہوں۔ بیٹے کمال ہے تم اس طرح بغیر کسی اطلاع کے آ گئیں۔''

میں نے غور سے مرزا طاہر بیگ کو دیکھا۔ اس کا چہرہ مجھے بڑا عجیب سا لگا تھا۔ لیکن بہرحال بعض اوقات پیشے کے تاثرات چہرے پر اُبھر آتے ہیں۔ اس نے ایک بار پھر انٹر کام پر پیغام دیا اور کوئی مشروب بھیجنے کو کہا۔

''بیٹا کب اور کیسے آئیں آپ یہ بتایئے۔''

''دیکھئے انکل یہاں میرا آپ کے سوا اور کوئی شناسا نہیں ہے میں اپنے ڈیڈی کی تلاش میں آئی ہوں۔ یقیناً یہ بات آپ کے علم میں بھی ہوگی کہ حسین نگر میں میرا پورا خاندان موجود ہے لیکن ان لوگوں نے کبھی مجھ سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ ڈیڈی بھی ان سے زیادہ خوش نہیں تھے اب تین مہینے ہوگئے ڈیڈی نے نا تو انگلینڈ کا رخ کیا نا ہی اپنی کوئی خبر دی جبکہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔''

''وہ تین مہینے سے وہاں نہیں ہیں؟''۔ مرزا طاہر بیگ نے شدید حیرانی سے سوال کیا۔

''نہیں..... یہیں آئے تھے۔''

''اوہ..... میرے خدا۔ وہ تھوڑی سی لاپرواہ فطرت کے مالک ہیں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ میرا ان سے چھ چھ مہینے رابطہ نہیں رہتا۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں میں بھی ایک مصروف آدمی ہوں۔ ہاں جب بھی انہوں نے کبھی مجھ سے رابطہ کیا۔ میں نے سارے کام چھوڑ کر ان پر توجہ دی۔ یہ بات میرے لئے بڑی حیرت کا باعث ہے۔ اوہ میرے خدا..... اوہ میرے خدا..... اچانک اتنی طویل گمشدگی اور وہ بھی اس طرح کہ نہ تمہیں ان کے بارے میں معلوم ہے نہ مجھے.....''

''انکل میں ان کے لئے سخت پریشان ہوں اور یہی پریشانی مجھے یہاں لائی ہے۔ لیکن میں آپ سے یہ عرض کر دوں کہ یہاں آتے ہی میرا استقبال شروع ہوگیا ہے.....''

''استقبال..... یہی میں پوچھنے والا تھا۔تم نے اپنے چچا وغیرہ کو بھی اس بارے میں اطلاع دی تھی.....''

''کسی کو اطلاع نہیں دی۔''

''تو پھر تمہارا استقبال کس نے کیا؟''

''پیشہ ور قاتلوں نے جو مجھے ہر قیمت پر قتل کر دینا چاہتے ہیں۔''

''کیا؟'' مرزا طاہر بیگ کا منہ حیرت سے کھل گیا اور میں نے بھرائی ہوئی آواز میں خود پر ہونے والے حملوں کے بارے میں مرزا طاہر بیگ کو تفصیل بتائی اور وہ افسوس بھرے انداز میں میری صورت دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا.....

''تمہیں فوراً پولیس سے رابطہ کرنا چاہئے۔''

''آپ بھی ایسی بیگانگی کی بات کر رہے ہیں انکل۔ میں پہلی بار لندن سے باہر آئی ہوں اور لندن میں بھی میں نے ایک سادہ سی زندگی گزاری ہے۔ میں ایک مکمل طور پر پاکستانی لڑکی ہوں، میری ماں بیشک غیر ملکی تھی لیکن میرے باپ نے ہمیشہ مجھے اپنے وطن کے اقدار کے بارے میں بتایا ہے اور میں نے اپنے آپ کو اسی رنگ میں ڈھالا ہے۔ میں جس قدر خوفزدہ ہوگئی ہوں میں آپ کو بتا نہیں سکتی اور یہ خوف کی انتہا ہی ہے کہ میں اتنی نڈر ہو کر آپ کے پاس آ گئی ہوں۔''

''بیٹا تم نے مجھے بڑی تشویش کا شکار کر دیا۔ یہ تو میرے اوپر پے در پے حملے ہوئے ہیں..... اوہ میرے خدا۔ اب میں سمجھا کہ وہ گمنام ٹیلیفون اوہ..... اوہ.....'' مرزا طاہر بیگ نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک چپڑاسی ٹرے میں مشروب کے گلاس لیکر اندر آ گیا۔ اس نے بڑی نفاست سے ایک گلاس میرے سامنے رکھا اور دوسرا مرزا طاہر بیگ کے سامنے۔ مرزا طاہر بیگ کے چہرے پر پریشانی نظر آ رہی تھی۔ پھر انہوں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا آپ کو تکلیف کرنا پڑے گی۔ یہ تو بڑی سنگین صورتحال ہے۔ آپ ایسا کرو رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ آٹھ بجے تک میرے پاس پہنچ جاؤ.....''

''ان حالات میں بھی انکل آپ مجھے تنہا چھوڑ رہے ہیں.....''

''نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ کون سے ہوٹل میں قیام ہے تمہارا۔''

''آپ یہ بتایئے کہ.....''

''ہوٹل کا نام بتاؤ اور روم نمبر بتاؤ.....'' مرزا طاہر بیگ نے میری بات کاٹ کر کہا اور میں نے انہیں اپنے ہوٹل کے کمرے وغیرہ کا نمبر بتا دیا۔

''اور اسی ہوٹل میں تم پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا ہے؟''

''سو فیصدی وہ حملہ مجھ پر ہی ہوا تھا انکل۔ لیکن تقدیر تھی کہ میں بچ گئی اور ایک دوسرا شخص اس کا شکار ہو گیا۔''

''پولیس نے تم سے اس بارے میں کوئی سوال تو نہیں کیا؟''

''نہیں..... کسی کو یہ خیال ہی نہیں آیا کہ حملہ کسی اور پر ہوا تھا۔'' مرزا طاہر بیگ سوچ میں ڈوب گیا پھر میری طرف رُخ کر کے بولا۔

''پلیز.....'' اشارہ مشروف کی جانب تھا اس نے اپنا گلاس بھی اٹھا لیا تھا۔ میں نے مشروب کے سِپ لئے۔ مرزا طاہر بیگ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے کہا.....

''میری کچھ میٹنگیں ہیں اور بہت ضروری ہیں ورنہ شاید میں تمہیں اپنے ساتھ ہی لے جاتا۔ مگر خیر کوئی حرج نہیں ہے۔ تمہیں تھوڑی سی تکلیف کرنا پڑے گی۔ میں تمہیں تمہارے ہوٹل سے بلوا لوں گا لیکن نہیں یہ خطرناک رہے گا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں پتہ دے دوں تو کیا تم میرے گھر آ سکتی ہو۔''

میں سوچ میں ڈوب گئی۔ میں نے گہری نگاہوں سے مرزا طاہر بیگ کو دیکھا۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں مجھے زیادہ تجربات نہیں تھے، کون کتنا گہرا ہے اور کس کے دل میں کیا چھپا ہوا ہے یہ جاننا تو بڑے تجربے کی بات ہوتی ہے۔ لیکن میں کیا کرتی جن حالات کا شکار ہو گئی تھی ان میں اپنے آپ پر بھروسہ تو کرنا ہی تھا۔ میں نے کہا.....

''آپ کو علم ہے کہ میں یہاں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

''میں تمہیں پتہ لکھ کر دیئے دیتا ہوں۔ دیکھو میں کوشش کر کے تمہیں تمہارے ہوٹل سے بھی پک کر لیتا لیکن ہوٹل مشکوک ہے کیونکہ وہاں پر قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ تم رات کو ساڑھے آٹھ بجے تک میرے پاس آ جاؤ۔ رات کا کھانا ساتھ ہی کھائیں گے اور میں دیکھوں گا کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ پہلا کام تو تمہیں یہ کرنا ہوگا کہ وہ ہوٹل چھوڑ دو لیکن اتنی جلدی بھی نہیں ہے میں اور بھی کئی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ میں فوری طور پر اپنے کچھ دوستوں سے رابطے قائم کر کے تمہارے ہوٹل پر پہرہ لگوائے دیتا ہوں۔ جب تم اپنے ہوٹل سے چلو گی تو کچھ لوگ تمہارا تعاقب کریں گے۔ بے فکر رہنا یہ میرے اپنے آدمی ہوں گے جو صرف یہ دیکھیں گے کہ کوئی اور تو تمہارے پیچھے نہیں ہے اور اگر راستے میں تم پر کوئی حملہ وغیرہ ہوا تو بالکل بے فکر رہنا یہ لوگ ان حملہ آوروں کو سنبھال لیں گے، پتا تو چلنا چاہئے کہ آخر وہ کون لوگ ہیں.....''

''آپ جس طرح پسند کریں انکل، میں تو عجیب و غریب احساس کا شکار ہو گئی ہوں۔ وہاں لندن میں بے چاری آنٹی کیتھرائن ہیں جو خود اپنے مسائل کا شکار رہتی ہیں۔ ڈیڈی نے کبھی مجھے کسی مشکل میں نہیں گرفتار ہونے دیا۔ مالی طور پر بھی میں مطمئن تھی اور ویسے بھی ڈیڈی نے اپنے تعلقات سے کام لے کر میرے گرد ایک محفوظ حصار قائم کر دیا تھا۔ انکل بس آپ یوں سمجھ لیں کہ میں کافی پریشانی کا شکار ہوں.....''

''میں جانتا ہوں بیٹے ان حالات میں تو پریشانی ایک فطری چیز ہے۔ تم تو اپنے آپ کو بہت حد تک سنبھال چکی ہو۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو پتہ نہیں کس قدر خوف کا شکار ہو جاتا۔ بہرحال تم بے فکر رہو جو کچھ ہوگا بہتر ہی ہوگا۔''

میں خاموش ہو گئی۔ نجانے کیوں دل کے کسی حصے میں ایک اور احساس ابھر رہا تھا۔ مرزا طاہر بیگ نے مجھے وہ حیثیت نہیں دی تھی جس کی میں توقع رکھتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرے ڈیڈی کے مفادات کے نگراں ہیں، میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات سے پریشان ہو جائیں گے اور فوراً میری مدد کو اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن ان تمام باتوں کو جاننے کے باوجود کہ مجھ پر پے در پے قاتلانہ حملے ہوئے ہیں انہوں نے مجھے

ایک بار پھر تنہا چھوڑ دیا تھا اور ساڑھے آٹھ بجے خود ہی ملاقات کے لئے آنے کا حکم دیا تھا۔ بات کچھ عجیب سی تھی لیکن بہرحال ہر شخص کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ تاہم میں نے دل میں بڑے دکھ کا احساس کیا تھا اور اس کے بعد میں ان سے رخصت ہو کر نیچے آ گئی تھی۔

قادر بخش بڑے احترام کے ساتھ میرا منتظر تھا۔ بس یہ ایک شخص مجھے ایسا ملا تھا جو میرے لئے بڑی تقویت کا باعث بن گیا تھا میں ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور قادر بخش نے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔ پھر وہ بولا۔

''کدھر جائے گا باجی صاب؟''

''بس قادر بخش میرے ہوٹل ہی لے چلو۔ اب کون سی جگہ ہے جہاں میں جاؤں گی.....''

''ٹھیک ہے باجی صاب۔'' قادر بخش مجھے میرے ہوٹل لے آیا میں نے اس سے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ.....''

''باجی صاب.....''

''آ جاؤ قادر بخش۔'' میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ اس نے ٹیکسی لاک کی اور میرے پیچھے پیچھے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ اس کے لئے یہ بڑی عجیب سی بات تھی کہ کوئی گاہک اسے اپنے ساتھ آنے کا کہے۔ ڈرتا ڈرتا وہ میرے ساتھ میرے کمرے میں داخل ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔

''ماں کی قسم پہلی بار ہم نے کسی ہوٹل کا کمرہ دیکھا ہے، ورنہ ہمارا کام تو گیٹ کے باہر باہر سے ہی ہوتا ہے۔''

''بیٹھو قادر اس وقت تم میرے مہمان ہو۔''

''باجی صاب آپ نے ہمیں بڑا عزت دیا ہے۔ مولا آپ کو عزت دے گا۔ ابھی ہم آپ سے پوچھتا ہے کہ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔''

''کیا کھاؤ گے پیو گے.....''

''نہیں باجی صاب، ہم اس قابل نہیں ہے کہ اس طرح کھائے پیئے۔''

''ایسی باتیں مت کرو قادر بخش، بھائی بنے ہو، بہن کہتے ہو تو ایسی بات مت کرو۔''

وہ خاموش ہو گیا میں نے اس کے لئے کچھ چیزیں منگوائیں اور خود اس کے ساتھ بیٹھ کر کھاتی پیتی رہی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''تمہارے بھائی بھاوج ہیں۔ بچے ہیں ان کے.....''

''ہاں.....دو بچے ہیں، بہت پیارے.....''

''کس وقت گھر پہنچ جاتے ہو۔''

''سات بجے کے بعد اپن ٹیکسی نہیں چلاتا کیونکہ اپنا چونا مونا اپن کا انتظار کرتا ہے۔''

''اچھا.....''

''اپن آج کوئی بات نہیں ہے، آپ میرے کو بولو اگر کدھر جانا ہے تو اپن اُدھر جائے گا۔''

میں نے سوچا کہ اگر میں قادر بخش کو بتاتی ہوں کہ ساڑھے آٹھ بجے مجھے وہیں جانا ہے تو وہ کبھی واپس نہیں جائے گا۔ ٹیکسیاں دوسری مل جائیں گی۔ بہر حال بعد میں میں نے کچھ رقم نکال کر اسے دی تو وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

''باجی صاب آپ نے ہمیں بھائی بولا۔''

''دیکھو قادر بخش میں بھی ایک جذباتی لڑکی ہوں اگر تم نے یہ سب کچھ کیا تو میں صبح ہی صبح تمہیں بتائے بغیر یہ ہوٹل چھوڑ دوں گی اور پھر نہیں بتاؤں گی کہ کہاں ہوں۔ تمہاری محبت اور تمہارا سہارا میرے لئے بہت کافی ہے۔ لیکن یہ دوسرے معاملات ہیں، تمہیں یہ پیسے رکھنا ہوں گے ورنہ میرے دل پر بوجھ رہے گا۔''

قادر بخش نے عجیب سے نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر میرے دیئے ہوئے پیسے مجھ سے لے کر جیب میں رکھ لیئے.....

''کل کس ٹیم آنا ہے؟''

''قادر بخش دس بجے کے قریب آنا۔ آرام سے سو کر اٹھوں گی'' میں نے کہا اور قادر بخش گردن ہلا کر اٹھ گیا۔ پھر اس نے مجھے سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

حقیقت یہی ہے کہ بعض جگہ بعض اوقات انسان بڑی محبت اور عقیدت سے آتا ہے لیکن پھر لوگوں کے بے اعتنائی اور برے حالات اسے بری طرح دلبرداشتہ کر دیتے ہیں لیکن ایک آدھ ہی کردار سامنے آتا ہے تو سارے دکھ دور ہو جاتے ہیں جب اس وقت قادر بخش جو میرے اعتماد کے لئے بہت بڑا سہارا بن گیا تھا ورنہ سچی بات یہ ہے کہ یہاں تو آ کر دکھ ہی دکھ اٹھانے پڑے تھے۔

بہر حال مرزا طاہر بیگ کے بارے میں سوچتی رہی، ہوسکتا ہے صورتحال اس سے مختلف ہو۔ لیکن بہر حال بھگتنا تو تھا۔ اب اگر واپس جانے کی کوشش بھی کرتی تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہاں جا کر بھی ادھوری رہتی۔ دل چاہا کہ آنٹی کیتھرائن سے بات کروں اور میں نے اس کے لئے کوشش شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد آنٹی کیتھرائن سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

''ہاں شرمین بہت دیر کے بعد تم نے رابطہ قائم کیا۔ میں تو بُری طرح بے چین تھی، کہو کیا ہو رہا ہے کچھ پتا چلا ڈیڈی کا.....''

''نہیں آنٹی ابھی تک کچھ بھی نہیں ہوا.....''

''ان کے وکیل سے ملیں؟''

''ہاں! رات کو ساڑھے آٹھ بجے ہماری میٹنگ ہے۔''

''ملیں تھیں ان سے؟''

''ہاں ملی تھی.....''

''انہوں نے کچھ بتایا نہیں حیات حسین کے بارے میں؟''

''آنٹی انہیں بھی کچھ معلوم نہیں۔''

''نہیں معلوم؟''

''نہیں.....''

''یہ تو بڑے تشویش کی بات ہے۔''

''ہاں آنٹی ہے تو سہی۔ مگر کیا کیا جاسکتا ہے۔''

''حسین نگر کب جارہی ہو؟''

''آنٹی ابھی یہاں تھوڑا سا وقت لگے گا کیونکہ میں دیکھوں گی کہ مرزا طاہر بیگ اس سلسلے میں کیا کرسکتے ہیں۔ آخر وہ ڈیڈی کے ایڈووکیٹ ہیں۔ انہیں ڈیڈی کے بارے میں معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔''

''کچھ بتایا انہوں نے؟''

''صرف اتنا کہ تین مہینے پہلے ڈیڈی ان سے ملے تھے، ان کا کہنا ہے کہ ڈیڈی بھی اسی لاپرواہی کے ساتھ ان سے ملتے تھے.....''

''میں کوئی خوش نہیں ہوئی۔ میرا تو خیال تھا کہ تم مجھے بہت جلدی کوئی اچھی رپورٹ دوگی.....''

''دینا تو چاہتی تھی.....''

''مایوس ہوگئی ہو۔''

''بالکل نہیں ابھی میں نے کیا ہی کیا ہے۔''

''پلیز مجھ سے رابطہ کرتی رہا کرو۔ تم یہاں سے گئی ہو اور پہلی بار گئی ہو اور تنہا گئی ہو، میں بڑی بدنصیب ہوں کہ تمہارا ساتھ نہیں دے سکی۔ یہاں جن معاملات میں گھری ہوئی ہوں تمہیں خود اس کے بارے میں اندازہ ہے.....''

''مجھے معلوم ہے آنٹی.....''

''مگر پھر بھی میرا دل اُداس ہے۔''

''میں پہلی بار جو آپ سے جدا ہوئی ہوں.....''

''ہاں! شاید تم اس بات پہ یقین نہ کرو کہ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے دل کا ایک ٹکڑا کم ہوگیا ہو.....''

''آنٹی میں جانتی ہوں.....''

''مجھ سے دن میں کم از کم تین بار بات کیا کرو.....''

''ویسے کرنسی تمہارے پاس کافی ہے کہو تو اور بندوبست کردوں؟''

''نہیں آنٹی ضرورت نہیں ہے.....''

''حسین نگر بھی جاؤ تو احتیاط سے جانا۔ اگر حیات صاحب مل جاتے تو مجھے کوئی فکر نہیں ہوتی لیکن اب تم بتا رہی ہو کہ ان کے بارے میں پتا نہیں ہے ویسے ایک بات بتاؤ.....''

''جی آنٹی.....''

''کیا تم نے حسین نگر میں اپنے آنے کے بارے میں بتا دیا ہے۔''

''آپ کو معلوم ہے آنٹی بالکل نہیں.....''

''نہیں میرا مطلب کچھ اور ہے.....''

''کیا؟''

''میرا مطلب یہ ہے کہ یہاں آکر یعنی وہاں پہنچ کر تم نے ان لوگوں سے رابطہ کیا ہے.....''

''نہیں آنٹی.....''

''میں بھی یہی کہنے والی تھی، وہاں اچانک پہنچو، لوگوں کا ردعمل معلوم ہو جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ حیات بھائی بیمار ہوں اور وہاں اپنے اہل خاندان کے ساتھ ہوں۔ اس بات کے امکانات تو ہیں۔''

''ہاں آنٹی بہت سے امکانات ہیں۔'' میں نے آنٹی کیتھرائن کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔ میں جانتی تھی کہ اگر میں نے ایک لفظ بھی اپنے یہاں پر استقبال کے بارے میں بتا دیا تو آنٹی کیتھرائن بالکل ہی بے سکون ہو جائیں گی.....

''اچھا اب ایک اہم بات سنو.....''

''جی آنٹی.....''

☆.....☆.....☆

.....

''وہاں ایک فرم ہے آرک کیمیکل کے نام سے۔ اس فرم میں پروڈکشن انجینئر کی حیثیت سے میری ایک دوست کے شوہر ہیں۔ تم انہیں انکل جون کہہ کر مخاطب کر سکتی ہو۔ آرک کیمیکل میں پروڈکشن انجینئر کیا سمجھیں اگر کوئی مشکل ہو تو تم ان سے ضرور رابطہ قائم کر لینا۔ میں نے تمہارے جانے کے بعد یہ نگاہ دوڑائی کہ کوئی ایسا شخص تو پاکستان میں نہیں ہے جس سے میرے تعلقات ہوں تو مجھے جوزیفائن یاد آئیں جس کا شوہر پاکستان میں جاب کرتا ہے۔ میں نے جوزیفائن سے ملاقات کر کے تفصیلات معلوم کیں تو پتہ چلا کہ جون پیٹر وہاں آرک کیمیکل نامی ایک فرم میں پروڈکشن انجینئر ہے۔ اگر تمہیں ضرورت پیش آئے تو جوزیفائن کے حوالے سے ان سے مل لینا.....''

''ضرورت نہیں پیش آئے گی آنٹی۔ یہاں سارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے آپ بالکل بے فکر رہیں پھر بھی۔''

''ہاں میں یہی کہنا چاہتی ہوں کہ اگر ضرورت پیش آ جائے تو تکلیف نہ کرنا جوزیفائن میری بہت اچھی دوست ہے میں اس سے جون پیٹر کو ٹیلیفون کرا دوں گی.....''

''اگر ضرورت ہوئی تو میں آپ کو فون کروں گی۔ اس کے بعد ہی آپ یہ کام کریں چونکہ میں آپ کو ایک بات بتاؤں یہاں کا ماحول بہت مختلف ہے۔ ہم جو کچھ بھی کریں گے اپنے طور پر کریں گے۔''

''او کے.....او کے.....تم اس کی بالکل فکر مت کرو۔''

''ٹھیک ہے آنٹی اب ٹیلیفون بند کر رہی ہوں۔''

''دل تو نہیں چاہتا کہ تم ٹیلیفون بند کرو لیکن بہرحال مجبوری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔'' اور اس کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کر دیا لیکن پھر بھی احتیاط کے طور پر میں نے آرک کیمیکل اور انکل جون کا نام لکھ لیا تھا تاکہ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو میں ان سے ملاقات کر لوں..... اس کام سے فارغ ہو کر ایک بار پھر میں عجیب احساسات کا شکار ہو گئی۔ میرے لئے یہ ایک غمناک تصور تھا کہ کوئی ہر قیمت پر میری زندگی لینے کے درپے تھا۔

سوچنے کے انداز میں ذرا سی تبدیلی ہوتی ہے۔ لندن میں میرے بہت سے دوست تھے جو میرے لئے بہت کچھ کرنے کو تیار ہو جاتے، لیکن یہاں ان حالات میں بڑی تنہائی کا احساس ہو رہا تھا آنٹی کیتھرائن سے باتیں کرنے کے بعد احساس اور شدید ہو گیا تھا۔

پونے آٹھ بجے میں نے مرزا طاہر بیگ کے پاس جانے کی تیاری شروع کر دی، دل میں خوف اور وسوسے تو تھے کیونکہ انسان کچھ بھی بن جائے خوف اس کی فطرت کا حصہ ہوتا ہے۔ آٹھ بج کر دس منٹ پر تیار ہوئی اور باہر نکل آئی۔ ہوٹل سے کافی حد تک پیدل چلتی رہی ٹیکسی کرنا چاہتی تھی لیکن اس طرح کہ کسی گڑبڑ کا امکان نہ رہے۔ اس کے علاوہ یہ خوف بھی تھا کہ کسی طرف سے کوئی گولی آئے گی اور میں سڑک پر گری پڑی ہوں گی۔

پھر مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی رکی اور اس سے کچھ سواریاں اتریں تو میں تیزی سے اس طرف بڑھ گئی۔ سواریاں بھی پے کر کے آگے بڑھ گئیں تو میں ٹیکسی کے قریب پہنچ گئی۔

''خالی ہے؟'' میں نے پوچھا تو ڈرائیور مسکرا دیا۔ ماحول تھا اس لئے میں نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ لیا۔ اچھا گڈلکنگ نوجوان تھا۔

''میں نے پوچھا خالی ہے؟''

''آپ بیٹھئے میڈم۔ وہ بولا۔ بعد میں پچھلا دروازہ کھولا کر بیٹھ گئی۔ اس نے گردن ہلائی اور بولا۔ ''جی کہاں جائیں گی؟''

''پتہ نوٹ کرو۔''

''جی بتایئے ..... وہ بولا اور میں نے اسے مرزا طاہر بیگ کی رہائش گاہ کا پتہ بتا دیا۔ اس نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھ لیا۔''

''ڈرائیور.....''

''جی میڈم.....'' وہ ادب سے بولا۔

''ایک بات پوچھوں۔''

''جی.....؟''

''تم مسکرائے کیوں تھے۔''

''پلیز.....آپ کوئی خیال نہ کیجئے۔''

''بتاؤ گے نہیں؟''

''آپ بُرا تو نہیں مانیں گی؟''

''نہیں مانوں گی۔''

''آپ کے سامنے میری ٹیکسی سے سواری اتری تھی۔ وہ خالی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے دیکھ بھی لیا تھا کہ ٹیکسی خالی ہے۔ پھر بھی آپ نے پوچھا کہ ٹیکسی خالی ہے مجھے اس سوال پر ہنسی آئی تھی۔''

''بس.....؟'' میں نے کہا۔

''جی۔ ویسے آپ نے مجھے سرپرائز بھی دیا تھا۔'' وہ بولا۔

''کیسے.....؟'' میں نے پوچھا۔

''میڈم چہرے سے آپ فارنر معلوم ہوتی ہیں، کسی باہر کے ملک کی۔ میں تو آپ سے انگریزی بولنے کی توقع کر رہا تھا۔ آپ نے بڑی صاف لہجے میں مجھ سے پوچھا کہ کیا

ٹیکسی خالی ہے، معافی چاہتا ہوں بے تکی بکواس کر رہا ہوں لیکن آپ نے کہا ہے اس لئے بتا رہا ہوں۔''

میں خاموش ہوگئی۔ اب جن حالات سے گزر رہی تھی ان میں ایک بے اطمینانی کی فضا تھی۔ ہر شخص ہر چہرہ مجھے مشکوک لگنے لگا تھا۔ بہرحال اس شخص نے مجھے مرزا طاہر بیگ کی کوٹھی پر پہنچا دیا۔ اچھی خوبصورت کوٹھی تھی اور دروازے پر چوکیدار نظر آ رہا تھا۔ ٹیکسی کا بل پے کرنے کے بعد میں گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور اپنا بل لے کر خاموشی سے واپس پلٹ گیا تھا۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیدار نے میری صورت دیکھی اور بولا.....

''جی.....کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

''مرزا طاہر بیگ صاحب سے، انہوں نے مجھے وقت دیا تھا۔''

''آپ شرمین صاحب ہیں؟''

''جی میں شرمین صاحب ہوں۔'' میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''اندر چلی جایئے۔ صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

اس نے اشارہ کیا اور میں اندر کی جانب چل پڑی۔ ایک دوش طے کرنے کے بعد صدر دروازے پر پہنچی۔ دروازے کو دھکیل کر دیکھا تو وہ کھل گیا، دوسری طرف ڈرائنگ روم تھا جو اس وقت خوبصورت روشن تھا۔ میں ڈرائنگ روم میں نگاہیں دوڑانے لگی۔ یہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ اندرونی دو دروازے بھی نظر آ رہے تھے جن پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ میں ایک لمحے تک تو انتظار کرتی رہی پھر یہ سوچ کر ایک صوفے کی جانب بڑھ گئی کہ مرزا صاحب آتے ہوں گے۔ میں صوفے پر بیٹھ کر اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگی۔ دو منٹ، چار منٹ، چھ منٹ، دس منٹ مجھے یہ وقفہ بہت طویل محسوس ہوا وہ بھی اس عالم میں کہ مرزا سے میری ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

دفعتاً ہی میری نگاہ ایک جانب اُٹھ گئی اور دوسرے لمحے میرے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ ایک بڑے اور خوبصورت صوفے کے ایک حصے میں دو پاؤں نظر

آرہے تھے۔ ان میں جوتے نہیں تھے۔ لیکن وہ پاؤں جس طرح نظر آرہے تھے انہیں دیکھ کر میرے ہوش وحواس رخصت ہونے لگے۔ کوئی بھی ہوتا اس طرح صوفے کے پیچھے نہیں لیٹ سکتا تھا۔ نا ہی یہ چھپنے کا انداز تھا۔

لرزتے قدموں سے میں کھڑی ہوئی اور ایک ایک قدم میں آگے بڑھی۔ پھر میں صوفے کے پیچھے پہنچ گئی لیکن یہاں میں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر میرے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی تھی۔ مرزا طاہر بیگ ہی تھے لیکن ان کی گردن کٹی ہوئی تھی اور قرب وجوار میں دور دور تک خون پھیلا ہوا تھا جو اس کٹی ہوئی گردن سے اُچھلا تھا۔

میں بری طرح چیختی ہوئی باہر کی جانب بھاگی، لیکن میری پہلی چیخ ہی شاید چوکیدار نے سن لی تھی اور وہ دوڑا اس طرف چلا آیا تھا۔ مجھے بھاگتے دیکھ کر وہ بولا۔

''کیا ہوا بیگم صاب کیا بات ہے، کیا ہوگیا؟''

لیکن میں نے اس کی بات نہیں سنی اور چیختی ہوئی باہر کی جانب بھاگی چوکیدار کے بارے میں مجھے نہیں پتا تھا کہ بعد میں اس نے کیا کیا لیکن میں بے تحاشہ چیختی ہوئی گیٹ سے باہر آگئی تھی۔ پھر میں سڑک پر دوڑنے لگی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنی دور تک دوڑتی رہی ہوں۔ پھر ایک جگہ پہنچ کر میں رُکی، میرا سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا اور میرے پورے وجود پر دہشت چھائی ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں..... اوہ میرے خدا کتنا بھیانک منظر تھا وہ مرزا طاہر بیگ کو کس بے دردی سے ذبح کردیا گیا تھا۔ خدا کی پناہ..... خدا کی پناہ..... خدا کی پناہ۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک آٹو رکشہ نظر آیا تو میں نے اسے اشارہ کردیا اور پھر آٹو رکشہ میں بیٹھ کر اسے لرزتی آواز میں اپنے ہوٹل کا پتہ بتادیا۔ آٹو رکشہ چل پڑا۔ مجھے چکر آرہا تھا، دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح زمین پر لیٹ جاؤں، سو جاؤں، آنکھیں بند کرلوں، میری وحشت عروج پر تھی۔

بہرحال رکشہ نے مجھے ہوٹل پہنچایا اور کس طرح لشتم پشتم میں ہوٹل پہنچی مجھے خود اندازہ نہیں تھا۔ کمرے کا تالا کھول کر میں اندر داخل ہوئی تو اندر کا منظر بھی دیکھنے کے

قابل تھا، میرا سامان بکھرا ہوا تھا، سوٹ کیس ایک طرف پڑا ہوا تھا، کسی نے میرے کمرے کی تلاشی لی تھی۔ میں وحشت بھرے انداز میں اپنے سامان کو دیکھا، میرا پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات اور تمام قیمتی چیزیں غائب تھیں۔ بس کچھ کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ مرگئی میں مرگئی..... میرا اختتام ہوگیا، اور اب نہیں جانتی تھی کہ کیا ہوگا۔ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ ہوٹل کے کمرے سے نکل بھاگوں اپنے آپ کو کہیں اور روپوش کرلو لیکن پیروں میں ہمت نہیں تھی..... کچھ بھی نہیں جانتی تھی میں یہاں کے ماحول کے بارے میں یہاں سے کہاں جاؤں گی کچھ نہیں پتا تھا۔ ایک مرزا طاہر بیگ کا خیال تھا لیکن یہ سہارا بھی چھن چکا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں یا کیا نہ کروں۔

بدن پر ایسی کمزوری طاری ہوگئی کہ بیڈ تک نہ جاسکی اور کمرے کے فرش پر ہی لیٹ گئی، کیا چیز ہوتا ہے انسان بھی، شاید یہ بھی کوئی ایسا ہی لمحہ تھا جس میں نڈھال ہوگئی تھی اور نجانے کس طرح مجھ پر ایک غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور یہ بھی نہیں جانتی کہ کتنا وقت گزرا۔ میں غشی کی کیفیت میں تھی کہ دروازے پر دو تین بار دستک سنائی دی اور میں وحشت زدہ انداز میں اٹھ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ پھر میں نے سامنے کا منظر دیکھا ملک الموت تھا جو میری روح قبض کرنے آیا تھا لیکن پولیس کی وردی میں تھا، پیچھے کچھ اور بھی پولیس والے تھے اور ساتھ ہی وہ چوکیدار بھی جو مرزا طاہر بیگ کا چوکیدار تھا۔ پولیس انسپکٹر نے اسے بازو سے پکڑ کر سامنے کیا۔ چوکیدار نے مجھے دیکھا اور بولا۔

''ٹھیک ہے صاب یہی بیگم صاب تھی.....''

''ہوں۔ اٹھیے، آپ فرش پر کیوں بیٹھی ہیں۔ اٹھیے پلیز۔''

میں کس طرح اُٹھی یہ میں نہیں جانتی لیکن اُٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئی..... میرا دماغ ہوا میں اُڑ رہا تھا۔

''میڈم..... آپ نے مرزا طاہر بیگ کو قتل کیا ہے، ہم آپ کو قتل کے الزام میں گرفتار کرتے ہیں۔''

میرے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے پولیس آفیسر کو

دیکھتی رہی۔ پولیس آفیسر نے اپنے ماتحت کی طرح رُخ کرتے ہوئے کہا۔

''میں ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال رہا ہوں آپ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ یہاں کا زائچہ بنائیے اور تمام چیزیں اپنے قبضے میں لے لیجئے۔'' ایک دو افراد اور پیچھے آ گئے تھے۔ یہ ہوٹل کے منتظمین میں سے تھے۔

''جی چیمہ صاحب یہ خاتون قتل کر کے آئی ہیں، ایک نامور ایڈووکیٹ کا۔ آپ ان کا رجسٹر وغیرہ لے کر پولیس ہیڈ آفس پہنچ جایئے یا پھر اپنے کسی ایسے ذمہ دار آدمی کو بھیج دیجئے جو ان کے بارے میں ہمیں تفصیل بتا سکے۔ آیئے بی بی آیئے۔'' اور میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

میں ایک بیمار اور لاچار عورت کی حیثیت سے اپنے ساتھ ہونیوالے اس سلوک کو دیکھ رہی تھی۔ زبان پر تو اس وقت تالا پڑ گیا تھا۔ مجھے کوریڈور اور کوریڈور سے لفٹ میں لایا گیا۔ لوگ اپنے اپنے کمروں سے گردنیں نکال کر مجھے دیکھ رہے تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ آخر تقدیر میرے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کیوں کر رہی ہے۔ گناہ تو خیر ہر انسان سے زندگی میں ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے واقف نہیں ہوتا اور حساب شروع ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا، میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

راستہ طے ہوا، گاڑی پولیس ہیڈ کوارٹر میں آ کر رکی۔ مجھے لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ لاک اپ میں داخل کرتے ہوئے میری ہتھکڑیاں کھول دی گئی تھیں۔ شکر تھا کہ اس لاک اپ میں مَیں تنہا ہی تھی۔ میں نے کبھی کبھی فلموں میں انگلینڈ کے پولیس اسٹیشن دیکھے تھے۔ قیدیوں کو دیکھا تھا جو لاک اپ میں بند ہوا کرتے تھے لیکن یہ جگہ یہ تو بڑی خوفناک جگہ تھی، کھردری گندی زمین، بغیر پلاستر کی دیواریں، انتہائی بھیانک ماحول، میں گھٹنوں میں منہ دے کر رونے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ ہوسکتا ہے کبھی غرور کی کوئی بات منہ سے نکل گئی ہو اور غرور تو اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہے۔ میں یاد کرنے لگی اور روتی رہی۔

کئی گھنٹے گزر گئے۔ رات کا نجانے کون سا پہر شروع ہو گیا تھا، ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا۔ میں نے تھک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر زمین پر لیٹ گئی۔ ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیا تھا۔ سوچوں میں ڈوب گئی کہ آخر یہ سب کیا ہے۔ ان لوگوں نے ایک دم مجھ پر حملے بند کر دیئے تھے لیکن پھر مرزا طاہر بیگ کو اس طرح قتل کیوں کر دیا گیا۔ آہ کیا بھیانک منظر تھا۔ قتل کرنے والے کون تھے اور کیا انہیں یہ بات معلوم تھی کہ میں مرزا طاہر بیگ سے ملنے کے لئے اس کے گھر پر آ رہی ہوں۔ مرزا طاہر بیگ مجھ پر آخر کون سا انکشاف کرنا چاہتا تھا۔

یہ ساری باتیں ذہن میں آ رہی تھیں پھر ڈیڈی یاد آئے میں اپنے باپ کی آگ میں جلتی ہوئی یہاں تک پہنچی تھی لیکن میرے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک شروع ہو گیا تھا۔

میں ساری رات اسی طرح جاگتی رہی، پولیس ہیڈ کوارٹر میں شاید مسجد بھی تھی کیونکہ مجھے اذان کی آواز سنائی دی۔ مدھم مدھم اُجالا شروع ہونے لگا تھا۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گئی، سر میں شدید درد ہو رہا تھا پھر صبح ہو گئی، لاک اپ کے باہر ایک وردی پوش آدمی نظر آیا غالباً کوئی عہدیدار تھا، سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک سنتری کو بلا کر کچھ کہا اور تھوڑی دیر کے بعد سنتری ہاتھوں میں ایک ٹرے لے کر آ گیا۔ اس ٹرے میں چائے کے برتن کچھ سلائس اور انڈے کے آملیٹ تھے۔ اس چھوٹے افسر نے چائے کی ٹرے اندر رکھتے ہوئے انگلش میں کہا۔

''یہ چائے پی لیجئے میڈم اور گھبرایئے نہیں جو کچھ ہو گا بہتر ہی ہو گا۔ چائے لے لیجئے پلیز۔''

حقیقت یہی تھی کہ میں اس وقت چائے کی طلب محسوس کر رہی تھی۔ صبر تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ حالات میرے لئے جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے قبول کرنا پڑے گا۔ چنانچہ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور برتن اپنی جانب سرکا لئے۔

سوچوں کے سوا میرے پاس تھا ہی کیا۔ چائے جتنی بھی آئی تھی سب کی سب پی گئی۔ زندہ رہنے کیلئے کچھ کھانا بھی ضروری تھا۔ سلائس لئے اور آملیٹ کے ساتھ زہر مار کر لئے۔ دیکھنا یہ تھا کہ آگے کیا صورتحال رہتی ہے۔ پھر اس وقت دن کے تقریباً ساڑھے

گیارہ بجے تھے جب مجھے لاک اپ سے نکال کر پولیس کے آفس میں پہنچایا گیا اور میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت جو شخص میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا وہ ایک بھاری بھرکم اور خطرناک سی صورت کا آدمی تھا۔ پولیس کی وردی میں بہت جچ رہا تھا، اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ ابھی مجھے کمرے میں داخل ہوئے دو منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ سلک شلوار قمیض اور ویسٹ کوٹ میں ملبوس ایک بھاری بھرکم اور پر رُعب شخصیت اندر داخل ہوئی۔ پولیس آفیسر نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا تھا۔

''آیئے راؤ حیات اللہ صاحب، آپ کی آمد میرے لئے اس وقت باعث حیرت ہے۔''

''بیٹھو چندجی بیٹھو، ہم تو دنیا میں بھی آئے تھے تو سب کو حیرت ہوئی تھی، یہ کون سی نئی بات ہے۔''

''حکم کریں جناب!'' پولیس آفیسر نے نیازمندی سے کہا۔

''اوہ..... میاں..... چھری تلے دم تو لینے دو۔ کام جاری رکھو اپنا۔'' راؤ حیات اللہ نے کہا اور میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے چونکتے ہوئے محسوس کیا تھا، لیکن ہوسکتا ہے یہ صرف میرا احساس ہی ہو کیونکہ اس کے چونکنے کی کوئی وجہ تو نہیں تھی۔ البتہ راؤ حیات اللہ مجھے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

''اوہ میاں جی میں نے تم سے کہا نہ اپنا کام جاری رکھو، میں تو آرام سے تم سے بات کروں گا۔''

''جی راؤ صاحب'' پولیس آفیسر نے کہا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''جی بی بی آپ اپنے بارے میں کچھ تفصیلات بتائیں گی۔''

''جی میرا نام شرمین حیات ہے اور میں لندن سے آئی ہوں۔''

''لو جی ان بی بی سے ہمارا ایک رشتہ تو قائم ہو ہی گیا۔ ان کا نام بھی شرمین حیات ہے اور ہم بھی حیات اللہ ہیں۔ سوری سوری سوری بیچ میں ٹانگ اڑانے کی عادت پڑ گئی ہے یار۔ معاف کر دینا۔''

''ہاں بی بی تو آپ شرمین حیات ہیں اور لندن سے آئی ہیں کیوں آئی ہیں؟''

''دیکھئے میرے عزیز و اقارب یہاں پنجاب میں رہتے ہیں، میرے والد حیات حسین لندن میں سیٹل تھے، وہیں انہوں نے میری والدہ سے شادی کی۔ میری والدہ برٹش تھیں، انہوں نے میرے والد صاحب کے ساتھ مل کر اپنا مذہب بھی تبدیل کر لیا تھا، یہاں حسین نگر میں ہماری زمینیں اور جائیدادیں بھی ہیں۔ والد صاحب لندن آتے جاتے رہتے تھے۔ تین مہینے سے وہ غائب ہیں میں ان کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے یہاں آئی ہوں۔ مجھے یہاں سے حسین نگر جانا تھا لیکن یہاں میرے ساتھ کچھ عجیب و غریب حالات پیش آئے۔ میرے والد صاحب کا تعلق مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ سے تھا وہی یہاں پاکستان میں ان کے مفادات کی نگرانی کرتے تھے۔ میں نے اپنے والد صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے مرزا طاہر بیگ سے ان کے آفس میں رابطہ قائم کیا تو انہوں نے بھی میرے والد سے لاعلمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ والد صاحب کافی عرصے سے ان سے بھی نہیں ملے ہیں۔ مرزا طاہر بیگ نے تھوڑی سی تفصیلی بات چیت کرنے کے لئے مجھے اپنے گھر طلب کیا اور میں ان کے گھر ملنے چلی گئی۔ چوکیدار نے مجھے اندر پہنچایا لیکن وہاں ڈرائنگ روم میں مجھے مرزا طاہر بیگ کی لاش نظر آئی جن کی گردن کاٹ دی گئی تھی۔ پھر کچھ دیر کے بعد پولیس آ گئی اور مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ آپ لندن سے میرے بارے میں تحقیق کر سکتے ہیں۔ انسپکٹر صاحب میں نے تو بڑی پرامن زندگی گزاری ہے یہاں آتے ہی میرے ساتھ جو وحشیانہ سلوک شروع ہو گیا میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ پتا نہیں وہ کون لوگ ہیں جو قدم قدم پر مجھے قتل کرنے کے درپے ہیں۔ مجھ پر کئی قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں اور..... اور اب مجھے خود قاتل بنا دیا گیا ہے۔ میری آواز بھرا گئی۔ اس دوران راؤ حیات اللہ بالکل خاموش بیٹھا رہا تھا۔ میں نے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ انسپکٹر سوچ میں ڈوب گیا تھا.....

''آپ کے سامان میں آپ کا پاسپورٹ وغیرہ بھی نہیں ملا۔''

''آپ نے دیکھا ہوگا سامان میرا بکھرا پڑا ہوا تھا۔ یقیناً کسی نے میرے سامان کی

تلاشی لی تھی۔ میں بہت زیادہ..... بہت زیادہ۔'' میری آواز بند ہوگئی۔ اچانک ہی راؤ حیات اللہ بول پڑا۔

''ہاں چند جی یار اس وقت تک ہمارا ایک کام کردو، وہ ہمارا ایک بندہ ہے تمہارے پاس۔''

''کون راؤ صاحب۔'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''اوہ یار برکت ہے اس کا نام۔''

''ہاں..... مگر وہ تو''

''نہیں..... نہیں..... نہیں یہ تو اور وہ تو۔ کیا تم ہم سے بھی یہ بات کروگے۔''

''راؤ صاحب..... وہ جوئے میں پکڑا گیا ہے۔''

''یار کھیل تو کھیل ہی ہوتا ہے، تم کرکٹ میں کسی کو کیوں نہیں پکڑتے، فٹبال میں کیوں نہیں پکڑتے، ہاکی میں کیوں نہیں پکڑتے۔ اوہ یار بچے تو کھیلتے کودتے ہی ہیں۔ نکالو اسے یار اس کی بیوی ہسپتال میں ہے اسے جانا ہے۔''

''راؤ صاحب.....''

''انسپکٹر.....'' اچانک ہی راؤ حیات اللہ کا لہجہ بدل گیا تو انسپکٹر نے سامنے رکھی گھنٹی بجائی اور دو وردی حاضر ہوگئے.....

''ایس آئی جمیل سے کہو کہ برکت اللہ کو چھوڑ دے۔ اس سے کہیں کہ وہ.....''

''ادھر ہی بلا لو..... اِدھر ہی بلا لو۔'' راؤ حیات اللہ نے کہا۔ میں ساری باتیں سن رہی تھی۔ مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ راؤ حیات اللہ کوئی حیثیت والا آدمی ہے۔ اس وقت تک خاموشی رہی جب تک ایس آئی ایک اوباش سی شکل کے آدمی کو لے کر انسپکٹر کے پاس نہ آ گیا۔ آنے والے نے راؤ حیات اللہ کو دیکھ کر بڑے ادب سے سلام کیا تھا۔

''تو جا برکت تیری بیوی ہسپتال چلی گئی ہے۔ ہسپتال کا تو پتا ہے نا تجھے.....''

''ہاں جی وہ خیر تو ہے۔''

''ابے وہ بھی میں بتاؤں تجھے کہ خیر ہے یا نہیں ہے۔ بے ایمان کہیں کا، دیکھ رہا ہے یہاں زنانیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ پیسے رکھ لے اور پھوٹ اِدھر سے۔'' راؤ حیات اللہ

نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا اور برکت ہنستا ہوا واپسی کے لئے مُڑ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ پولیس اسٹیشن نہیں ہے بلکہ راؤ حیات اللہ کا گھر ہے اور یہاں سب ان کے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔

پولیس آفیسر بے بسی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''آفیسر اگر آپ میرے ساتھ تھوڑی سی مہربانی کریں تو براہِ کرم میرے سفارتخانے کو میرے بارے میں اطلاع دے دیں۔ میں آپ کی بڑی شکر گزار رہوں گی۔''

''ہاں۔ ہاں..... ارے بھائی مائی باپ کا معاملہ ہے، انگریزوں کے دیس سے آئی ہیں یہ ان کے لئے تو کچھ کرنا ہی ہوگا۔ کیا سمجھے۔ ویسے بی بی آپ آئی تو لندن سے ہو مگر کیا اردو بول رہی ہو۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔''

''میں بہت پریشان ہوں راؤ صاحب۔ آپ یقین کیجئے جس وقت سے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے لگتا ہے میرے اردگرد عذاب ہی عذاب پھیل گیا ہے۔''

''ارے نہیں نہیں..... نہیں نہیں..... مجال ہے عذاب کی کہ وہ تمہارے پاس ہی قدم رکھ دے..... اوہ یار افسر صاحب کتنی پیاری بچی ہے تم نے اسے قاتل بنا دیا۔ ہاں اتنی بات تو ہم مانتے ہیں نا وہ کیا کہتے ہیں نا کہ

یارب نگاہِ ناز پر لائسنس کیوں نہیں
یہ بھی تو قتل کرتی ہیں شمشیر کی طرح

راؤ حیات اللہ نے کہا اور خود منہ پھاڑ کر ہنسنے لگے..... پھر بولے۔

''دیکھو ایک بات سنو اس نے کوئی قتل واقعی کر دیا ہے؟''

''راؤ صاحب آپ کو ابھی پوری تفصیل معلوم ہو چکی ہے، ہم نے اس چوکیدار کی اطلاع پر انہیں پکڑا ہے۔ یہ تو قتل کر کے نکل گئیں تھیں اپنے ہوٹل۔ ہوٹل سے پکڑا ہے ہم نے انہیں۔''

''اوہ میاں میری بات تو سن، سامان نہیں ملا ہے اس کا اکیلی بچی ہے، یہاں کوئی پُرسان حال نہیں ہے تم ایسا کرو انسپکٹر صاحب کہ اسے بھی ہمارے نام میں لکھ دو، کیا سمجھے۔''

''آپ کیسی باتیں کرتے ہیں راؤ حیات اللہ۔ ایک قتل کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا

ہے انہیں۔''

''اوہ میاں ایک بات ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ جو چاہو کر سکتے ہو، ہاں ایک کام ہم بھی کر سکتے ہیں یار تمہیں پتا ہے ہم تو خدمت خلق کرتے ہی رہتے ہیں اب دیکھو تھوڑی سی خدمت تمہاری کر دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر راؤ صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چیک بک نکالی۔ پولیس آفیسر کسی قدر پریشان نگاہوں سے راؤ صاحب کو دیکھتا رہا۔ راؤ صاحب نے چیک بک پر کچھ لکھا اور ایک چیک پھاڑ کر پولیس آفیسر کو دیتے ہوئے کہا.....

''اسے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا دینا۔ ویسے تو بیرر ہے، کہو تو کراس کر دیں۔''

''راؤ صاحب اصل میں.....''

''میاں چیک تو دیکھ لو.....'' انہوں نے چیک انسپکٹر کے سامنے کرتے ہوئے کہا اور انسپکٹر کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔''

''دس لاکھ.....مم.....مم.....میرا مطلب ہے۔ دس.....دس.....''

''بس .....بس'' راؤ صاحب نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ انسپکٹر نے داہنہ رخسار کھجانا شروع کر دیا۔ پھر بولا۔

''لیکن راؤ صاحب۔''

''اب بھی لیکن کی بات ہے چند اسوچ لو راؤ حیات اللہ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہو۔ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ دوبارہ نہیں کہتے چیک واپس لے لیں۔'' انسپکٹر ہنسنے لگا پھر بولا۔

''نہیں راؤ صاحب، آپ سے دشمنی لے کر کیا جہنم میں جانا ہے۔''

''ہوئی نا بات، ہوئی نا بات۔ کیا سمجھے۔ چلو ٹھیک ہے اب ایسا کرتے ہیں کہ انہیں یہاں سے اور بی بی تم دیکھو ہر فرعون کے لئے موسیٰ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ ہم فرعون انہیں کہہ رہے ہیں جو تمہاری زندگی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، موسیٰ اپنے آپ کو کہہ رہے ہیں کہ تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تمہیں تمہارے سفارتخانے تک لے جاتے ہیں، لیکن ہوسکتا ہے تمہارے دشمن تمہیں تمہارے سفارتخانے تک نہ پہنچنے دینا چاہتے ہوں اب تم دیکھو نا تمہارے کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ بھی غائب ہو چکے ہیں ہم ذرا طریقے سے کام کر دیں

گے اگر تم تیار ہو تو ورنہ ہم نے تمہیں پولیس سے تو چھڑا ہی لیا ہے باہر لے جا کر چھوڑ دیتے ہیں تمہیں اس دنیا میں بھٹکنے کے لئے تمہاری مرضی کی بات ہے۔ چلو گی ہمارے ساتھ.....''

ایک لمحے میں فیصلہ کرنا تھا۔ بہت حیران کن بات تھی، راؤ حیات اللہ نے میرے سلسلے میں پولیس آفیسر کو دس لاکھ روپے کی رشوت دی تھی اور مجھے قتل کے الزام سے بری کرالیا تھا اور وہ بھی لمحوں کے لمحوں میں، اب میں یہ تو نہیں جانتی تھی کہ پولیس اس سلسلے میں مجھے کیسے نکال لے گی لیکن بہرحال راؤ حیات اللہ کی قوت کو میں دیکھ چکی تھی۔ یہ شخص کافی صاحب اختیار معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال اگر اس کے دل میں میرے لئے ہمدردی آ گئی ہے تو یہ میری مدد ہے اللہ کی طرف سے۔ میں نے گردن جھکا دی تو راؤ حیات اللہ نے کہا۔

''چلو اٹھو آؤ چلتے ہیں۔'' میں نے انسپکٹر کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔

''جایئے بی بی..... ذرا احتیاط رکھئے۔ اب آپ کسی اور چکر میں نہ پھنس جایئے۔ کیا سمجھیں۔''

''اماں..... پھر بول رہے ہو۔ یار ہم لے جا رہے ہیں کوئی سڑک چھاپ نہیں لے جا رہا انہیں۔ مجال ہے کوئی انہیں کسی چکر میں پھنسا کر دکھا دے۔''

''جی جی راؤ صاحب جی۔'' پولیس آفیسر نے کہا اور راؤ حیات اللہ مجھے لے کر باہر آ گیا۔ باہر ایک بہت شاندار لینڈ کروزر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی ڈرائیور بھی موجود تھا۔ ڈرائیور نے جلدی سے پچھلے دروازے کھول دیئے اور میں راؤ حیات اللہ کے ساتھ پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے لینڈ کروزر کی اسٹیئرنگ سنبھال لی اور لینڈ کروزر اسٹارٹ ہو کر باہر نکل آئی۔

میرے سامنے میرے وطن کی سڑکیں تھیں۔ ہاں یہ میرا وطن ہی تو تھا۔ باپ کا آنگن ہی تو بیٹیوں کا جولنا ہوتا ہے۔ یہ میرے باپ کا آنگ ہی تو تھا لیکن.....اس سے آگے صرف سوالیہ نشان تھا۔ آنکھوں میں نمی آ گئی۔ سڑکیں طے ہو رہی تھیں۔ راؤ حیات اللہ مجھ سے بالکل بے نیاز ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اس کی طرف سے کوئی توجہ نہیں تھی میری طرف۔ لینڈ کروزر مختلف راستے طے کرتی ہوئی آخر کار ایک بہت ہی خوبصورت کوٹھی کے

سامنے رک گئی۔ چوکیدار نے فوراً گیٹ کھولا اور لینڈ کروزر اندر داخل ہوگئی۔ پولیس آفس میں تو راؤ حیات اللہ کی شان دیکھی ہی تھی کہ پولیس آفیسر نے اس کے کہنے پر ایک اتنا بڑا خطرہ مول لے لیا، یہ بھی دیکھا تھا کہ میں نے کہ راؤ حیات اللہ نے پولیس آفیسر کو دس لاکھ روپے کا چیک پیش کیا تھا میری رہائی کے لئے اور یہ بھی بڑی رقم تھی۔

یہ شخص پتا نہیں کس طرح کا انسان ہے، اب اتنی بھی معصوم نہیں تھی کہ دنیا میں ہونے والے واقعات سے لاعلم ہوں اور یہ نہ محسوس کرسکوں کہ میں ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی ہوں۔ راؤ حیات اللہ نے آخر دس لاکھ روپے کیوں خرچ کردیئے تھے میرے اوپر..... بہرحال یہ فوری طور پر سوچنے کی بات نہیں تھی۔

لینڈ کروزر رکی تو دو ملازم قریب آگئے اور انہوں نے دونوں طرف کے دروازے کھول دیئے اور راؤ حیات اللہ نے نرم لہجے میں مجھ سے کہا۔

''آؤ بے بی اندر چلو۔''

میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ اندر کا ماحول بھی بڑا صاف شفاف تھا۔ ہر شے سے اظہار ہوتا تھا کہ راؤ حیات اللہ بے حد دولت مند آدمی ہے۔ میں اس کے ساتھ چلی ہوئی ایک انتہائی خوبصورت کمرے میں آگئی۔

''میں تمہیں ڈرائنگ روم میں بھی لے جاسکتا تھا، لیکن تم ذہنی طور پر جس قدر تھکی ہوئی ہو اس کا یہ حل ضروری ہے کہ تم خوب آرام کرو۔ لاک اپ میں بھی رات گزاری ہے تم نے۔ بے فکر رہو راؤ حیات اللہ کی پناہ میں آنے کے بعد تم دنیا کی ہر مشکل سے محفوظ ہو۔ تمہارا سامان پولیس کی تحویل میں ہے لیکن بے فکر رہو میں تمہارے لئے ابھی کپڑے بھجواتا ہوں، نہانا دھونا اور اس کے بعد آرام کرنے لیٹ جانا۔ کچھ کھاؤ پیو گی تو بتا دو۔''

''نہیں شکریہ لیکن راؤ صاحب.....''

''دیکھو یہ لفظ لیکن جو ہے نا بس اس نے دنیا کا کباڑہ کیا ہوا ہے۔ سیدھے سچے راستے پر چلتے اچانک ہی یہ لیکن کی جھاڑیاں بیچ میں آجاتی ہیں۔ بی بی آرام کرو جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو فائدے میں رہو گی۔''

وہ واپسی کے لئے مڑا اور میں اُسے دیکھتی رہ گئی۔ دروازے پر رُک کر اس نے میری طرف رُخ کیا اور بولا۔

''اور ہاں ایک بات سُن لو بدتمیزی ضرور ہے یہ الفاظ منہ سے ادا کرنا لیکن میں جانتا ہوں کہ ان الفاظ کی ادائیگی کے بعد تمہیں کافی سکون ملے گا اور الفاظ یہ ہیں کہ یہاں نہ تو تمہیں کوئی روحانی اور نہ ہی جسمانی تکلیف ہوگی۔ تمہاری عزت آبرو اسی طرح محفوظ رہے گی جیسے تمہارے اپنے گھر کی چار دیواری میں۔''

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سب سے زیادہ ڈھارس مجھے اس کے ان الفاظ سے ہی ہوئی تھی۔ حالانکہ آسان بات نہیں تھی۔ میری عزت آبرو کی طرف نگاہ اٹھانے کی۔ دو چار افراد کو تو میں اس طرح ڈھیر کرسکتی تھی کہ زندگی بھر یاد رکھیں لیکن بہرحال اس شخص نے یہ الفاظ کہہ کر مجھے کافی اطمینان دلایا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ دروازہ ابھی باہر سے بند نہیں ہوا ہے گویا مجھے یہاں کوئی قید وغیرہ نصیب نہیں ہوئی تھی۔

دل تو یہ ہی چاہ رہا تھا کہ آرام دہ بستر پر لیٹ جاؤں لیکن فوراً ہی یہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ نہانے کو بھی شدت سے دل چاہ رہا تھا میں سوچ رہی تھی کہ غسل خانے میں جاکر نہاؤں اور یہ ہی لباس پہن لوں جو میرے بدن پر ہے۔ ہوٹل میں میرا جو سامان تھا وہ تو لُٹ ہی چکا تھا۔ کپڑے وغیرہ اور کچھ ضروری چیزیں میرا پاسپورٹ اور میرے دوسرے کاغذات، کرنسی ساری چیزیں کسی کے ہتھے چڑھ گئیں۔ آخر وہ کون لوگ ہیں جو مجھ سے چوہے بلی کا کھیل کھیل رہے ہیں۔

ابھی انہی سوچوں میں گم تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور پھر کوئی ایکس کیوزمی کہتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ یہ ایک لڑکی تھی جس نے اپنے ہاتھوں میں کچھ ہینگر لٹکائے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے غور سے دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی۔

''میں نے آپ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا پھر جب راؤ صاحب نے مجھ سے آپ کے لباس کے لئے فرمائش کی تو مجھے آپ کے بدن کی پیمائش کا بھی اندازہ ہوگیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ میں اس بارے میں بڑی ایکسپرٹ ہوں، اصل میں مجھے خود بھی کپڑوں کا

بہت شوق ہے اور میں ان پر خاص توجہ دیتی ہوں۔ میرا نام نینا ہے، ہاؤس کیپر ہوں اور یہاں اس کوٹھی میں راؤ صاحب کے مہمانوں کو پروٹوکول دیتی ہوں۔ آپ پلیز ان میں سے کوئی لباس منتخب کر لیجئے اور پھر میری نگاہ کا تماشہ دیکھئے۔''

''کوئی بھی دے دو۔ جب تم اتنے یقین سے کہہ رہی ہو کہ یہ میرے جسم پر موزوں ہوں گے تو پھر تکلیف کیوں کر رہی ہو۔''

نینا نے مجھ سے جو کچھ بھی کہا تھا وہ بڑی شائستہ انگلش میں کہا تھا لیکن میں نے اتنی ہی شائستہ اردو میں اسے جواب دیا تھا۔ نینا آنکھیں اور منہ پھاڑ کر رہ گئی اور پھر کچھ لمحوں بعد سنبھل کر بولی.....

''مائی گاڈ..... مائی گاڈ..... مائی گاڈ..... مجھے تو یوں لگا تھا جیسے آپ ٹسلاً انگریز ہوں۔ مقامی ہیں آپ۔''

''لاؤ نینا مجھے لباس دے دو، پھر کبھی بات کر لینا۔''

''او کے..... او کے..... او کے..... اچھا اتنا تو بتا دیجئے مجھے پلیز کہ ابھی غسل کے بعد کچھ کھائیں گی پئیں گی.....''

''نہیں نینا میں سونا چاہتی ہوں اور اگر تم اجازت دو تو دروازہ اندر سے بند کر لوں۔''

''آپ یہاں گھر کے مالکوں کی مہمان ہیں آپ کو مکمل اختیار حاصل ہے جو دل چاہے کریں۔ میں یہ کپڑے آپ کی الماری میں ٹانگ دوں۔ شام تک مزید کپڑے آ جائیں گے۔ جوتے وغیرہ کا سائز البتہ لینا پڑے گا، ان کی خریداری بعد میں ہو جائے گی۔ آپ یہ لباس لے لیجئے۔ سادہ اور آرام دہ ہے۔ باقی میں ٹانگ کر باہر نکل جاؤں گی۔ آپ جب نہا کر باہر نکلیں تو دروازہ اندر سے بند کر لیجئے۔''

میں اس کا دیا ہوا لباس لیکر باتھ روم میں داخل ہوگئی۔ بہت ہی شاندار باتھ روم تھا۔ سارے کا سارا فینسی فٹنگ سے آراستہ۔ میں نے بال کھولے اور پھر نہانے میں مصروف ہوگئی۔ ہر چیز موجود تھی، بہترین غسل کیا اور یوں لگا جیسے طبیعت پر چھایا ہوا بوجھ اتر گیا ہو۔ غسل کے دوران میں نے صرف غسل کے بارے میں سوچا تھا۔ سوچ سوچ کر

دماغ خراب کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں لباس پہن کر سو جانا چاہتی تھی چنانچہ نہا کر فارغ ہوئی، ہلکے سے بال سنوارے ان میں بینڈ ڈالا جو مجھے یہیں سے ملا تھا۔ باہر نکلی نینا جا چکی تھی۔ میں نے دروازہ بند کیا اور پھر بستر پر لیٹ گئی۔ سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ آرام کرنا چاہتی تھی چنانچہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

مارشل آرٹس میں بہت سی خوبیاں ہیں، ان میں انسان کو اپنی ذات کو کنٹرول کرنے کی خاص تربیت دی جاتی ہے۔ دُکھتے ہوئے ذہن کو پرسکون کرنے کے لئے یہ ضرور تھا کہ میں اپنے اعصاب کو پرسکون ہونے کی ہدایت کرتی۔ تب ہی مجھے سکون کی نیند آ سکتی تھی ورنہ سوچیں تو دماغ کا کباڑہ کر دیتیں۔ میں نے اپنی قوتِ ارادی کو خود پر مسلط کیا اور نیند کو تلاش کرنے لگی جو صرف چند منٹوں میں مجھ تک پہنچ گئی اور میں گہری نیند سو گئی پھر اس وقت جاگی جب یقیناً باہر اندھیرا ہو چکا ہوگا کیونکہ کمرے میں بھی اندھیرا تھا۔ دیر تک سوچتی رہی پھر اٹھی یہ نہیں معلوم تھا کہ روشنیوں کے سوئچ کس طرف ہیں لیکن باتھ روم کا سوچ دیکھ چکی تھی۔ پہلے باتھ روم میں گئی دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ کمرے کا دروازہ معمول کے مطابق اندر سے بند تھا کیونکہ اسے میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے بند کیا تھا اور اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی دروازہ بھی نہیں تھا جس سے کسی کے اندر آ جانے کی توقع ہو۔

چنانچہ منہ ہاتھ وغیرہ دھویا۔ باہر نکلی، باتھ روم کی روشنی میں سوئچ بورڈ تلاش کیا اور پھر کمرہ روشن کر دیا۔ دیوار گیر گھڑی سات بجا رہی تھی اور یقیناً یہ شام کے سات تھے۔ بہرحال جتنا سوئی تھی عام حالات میں اتنا نہیں سوتی تھی لیکن جو اعصابی دباؤ مجھ پر تھا اس نے مجھے اتنی دیر سُلا دیا تھا شدید بھوک لگ رہی تھی دروازے پر پہنچی دروازہ کھولا، باہر جھانکا تو سامنے سے ایک شخص گزر رہا تھا۔

''سنو!'' میں نے اُس سے کہا اور وہ مودبانہ انداز میں میرے پاس آ گیا۔

''نینا سے کہو میں بھوکی ہوں۔''

''جی میڈم.....'' وہ گردن جھکا کر بولا اور تقریباً دوڑتا ہوا آگے چلا گیا۔ میں واپس آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ یہ سب کچھ ہو تو بہت اچھا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ شخص راؤ

حیات اللہ میرے لئے آسان ہو جائے حالانکہ آنٹی کیتھرائن نے انکل جون کے بارے میں بھی بتایا تھا لیکن سانس لینے کا موقع تو ملے، اس کے بعد ہی جون پون سے رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا۔ ایک جھلاہٹ سی دل میں آ گئی۔ کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ آخر اور کیوں ہو رہا ہے۔ کچھ پتا تو چلے کہ میرے دشمن کون ہیں۔ دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ بات اگر سمجھ میں نہ آئے تو اور زیادہ سنگین ہو جاتی ہے۔ کم از کم مجھے پتا تو چل جاتا کہ میں کس کے اعتاب کا شکار ہوں کون مجھ سے کیا چاہتا ہے کم بخت میرا پاسپورٹ، کاغذات اور کرنسی بھی لے گئے تھے اور اب سچی بات ہے کہ میری کیفیت بھکاریوں جیسی تھی۔ اس شخص نے مجھ پر دس لاکھ آخر کیوں خرچ کئے۔ اس دنیا میں یہ بات تو طے ہے کہ کوئی بھی بے مقصد کسی کیلئے کچھ نہیں کرتا اس کم بخت کا مقصد کیا ہے۔ پھر خود بخود دل کو احساس ہوا کہ ایک ایسے آدمی کو جو ناگہانی طور پر میرا مددگار بن گیا ہے، میں برے الفاظ میں یاد کر رہی ہوں۔ ارے باپ رے مجھے ایڈووکیٹ مرزا طاہر بیگ کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی کہ اس کی گردن کاٹ دی گئی ہے۔ میرے لئے تو بچنا مشکل ہو جاتا۔ چوکیدار نے جس طرح مجھے مرزا طاہر بیگ کے پاس بھیجا تھا اس سے اس بات کی پوری پوری تصدیق ہو جاتی تھی کہ اسے مرزا طاہر بیگ کے قتل کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے جن لوگوں نے گھر کے اندر داخل ہو کر مرزا طاہر بیگ کو قتل کیا وہ یقیناً گیٹ سے اندر نہیں داخل ہوئے ہوں گے بلکہ انہوں نے کوئی اور ہی راستہ اختیار کیا ہوگا مگر اب کیا میری بچت ہو سکتی ہے ایک قاتل کی حیثیت سے تو میں منظر عام پر آ چکی تھی اور ظاہر ہے یہ پتا نہیں چل سکتا تھا کہ اصل قاتل کون ہے۔ کیا مرزا طاہر بیگ کو صرف میری وجہ سے قتل کیا گیا۔ اُف میرے خدا وہ لوگ آخر کیا چاہتے ہیں۔

انہی سوچوں میں گم تھی کہ نینا اندر داخل ہوئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں ٹرے پکڑی ہوئی تھی۔ اس ٹرے میں کافی کے برتنوں کے علاوہ کچھ پلیٹیں بھی سجی ہوئی تھیں جن میں بہت کچھ موجود تھا۔ مسکراتی ہوئی میرے سامنے آئی اور بولی۔

''آپ پر یہ لباس کتنا اچھا لگ رہا ہے لیکن ایک شکایت ہے مجھے آپ سے۔''

میں نے سوالیہ نگاہوں سے نینا کو دیکھا تو وہ بولی۔

''وہ یہ کہ ابھی تک مجھے آپ کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ میڈم کہنا اجنبی اجنبی لگتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں آپ کو آپ کے نام سے پکاروں۔''

''سوری نینا حالانکہ تم نے مجھے اپنا نام بتایا تھا مگر اس وقت میں ذہنی طور پر اس قدر منتشر تھی کہ میں تمہیں اپنا نام نہیں بتا سکی میرا نام شرمین ہے.....شرمین حیات.....''

''او..... ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ راؤ حیات اللہ کی کوئی عزیز ہیں۔ بڑا خوبصورت نام ہے آپ کا۔ آپ یقین کریں آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ پلیز میں کافی بناتی ہوں آپ کے لئے آپ اس میں سے کچھ لیجئے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' میں نے کہا اور پلیٹوں کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اب تک یہاں میرے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اب اس کا ازالہ ہو رہا تھا۔ واسطہ کسی سے بھی نہیں پڑا تھا بس ایک عذاب کی سی کیفیت تھی۔ لیکن یہاں راؤ حیات اللہ کی کوٹھی میں میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک ہوا تھا۔ راؤ صاحب سے تو دوسری ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔ نینا اور گھر کے کچھ دوسرے ملازم جن کے بارے میں مجھے کوئی تفصیلات نہیں معلوم ہوئی تھیں کیونکہ ان سے میرا کبھی براہ راست کوئی واسطہ نہیں رہتا تھا۔ لیکن سب کے سب میری خدمت پر معمور تھے۔ میرے لئے کپڑوں کا ایک ڈھیر آ گیا تھا اور یہ دیکھ کر میں دنگ رہ گئی تھی کہ یہ انتہائی قیمتی کپڑے تھے اور ان میں سے بیشتر باہر کے ممالک سے منگوائے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ میں نے نینا سے پوچھا بھی کہ یہ کپڑے کہاں سے آئے۔

''ظاہر ہے راؤ صاحب نے آپ کے لئے مہیا کئے ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن ان کی فٹنگ اور جتنے قیمتی یہ ہیں۔ ان سے مجھے ایک پریشانی کا سا احساس ہوتا ہے۔ آخر راؤ صاحب میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہیں۔''

''سوال تو سوال ہی رہے گا میڈم، ظاہر ہے اس کا جواب راؤ صاحب ہی آپ کو دے سکتے ہیں۔''

''اور اگر تم سے سب کچھ پوچھوں تو؟''

''اتنا ہی بتا سکوں گی جتنے کی اجازت ہے۔''

''تو کچھ سوالات کروں'' میں نے کہا اور نینا کسی قدر نروس نظر آنے لگی۔

''کر لیجیے لیکن براہِ کرم ایک بات ذہن میں رکھئے میں محتاط رہنا چاہتی ہوں۔ مالکوں کا نمک کھاتی ہوں جو بات مالک خود آپ کو نہ بتانا چاہیں گے وہ میں نہیں بتا سکوں گی۔''

''چلو میں سوالات کئے لیتی ہوں تم جواب دو یا نہ دو منع کر دینا کہ اس بات کا میں جواب نہیں دے سکتی۔''

''آپ بُرا تو نہیں مانیں گی شرمین؟''

''نہیں وعدہ برا نہیں مانوں گی..... پہلا سوال میں تم سے یہ کرتی ہوں کہ کیا راؤ صاحب عورت پرست ہیں۔''

''جن معنوں میں تم سوچ رہی ہو ایسا نہیں ہے۔''

''کیا مطلب معنوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔''

''مس شرمین اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ راؤ صاحب تمہیں تمہارے حُسن سے متاثر ہو کر یہاں لائے ہیں اور تم پر کسی طرح کی نیت رکھتے ہیں تو پلیز ایسا مت سوچو وہ اس طرح کے آدمی نہیں ہیں۔ کم از کم میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''نمبر دو یہاں اس کوٹھی میں ان کے اہل خاندان نظر نہیں آتے؟''

''وہ یہاں ہیں ہی نہیں۔ یہاں سے کافی فاصلے پر ان کا گاؤں ہے یوں سمجھو کہ ان کی آبائی سرزمین ہے وہ راؤ صاحب بھی وہیں پیدا ہوئے ان کے اہل خاندان وہیں رہتے ہیں۔''

''کیا نام ہے اس گاؤں کا؟''

''یہ نہیں بتا سکتی۔'' نینا مسکرا کر بولی.....

☆.....☆.....☆

.....

''اچھا چلو ٹھیک ہے۔ پھر تم اتنا تو بتا سکتی ہو کہ آخر راؤ صاحب نے میرے ساتھ یہ احسان کیوں کیا ہے۔''

''میں نے کہا نہ اس کا جواب تو راؤ صاحب ہی دیتے ہیں یا دے سکتے ہیں۔''

''مجھے چھوڑ کر جانے کے بعد وہ کوٹھی آئے ہیں۔''

''صرف پرسوں رات تمہاری خیریت پوچھی تھی۔ اپنے کچھ کام کئے تھے اور چلے گئے تھے۔''

''اپنے گھر.....''

''یہ میں کیسے بتا سکتی ہوں۔'' نینا نے کہا۔

میرے تمام سوالات تشنہ رہ گئے تھے۔ نینا کسی بات کا ٹھوس جواب دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ میں سمجھ بھی گئی کہ ظاہر ہے گھر کی ملازمہ ہے بے چاری کیا کہہ سکتی ہے لیکن اس دن نینا نے صبح ہی صبح مجھ سے کہا۔

''شرمین راؤ صاحب تمہیں ناشتے کے کمرے میں طلب کر رہے ہیں۔''

''آئے ہیں.....''

''ہاں۔ تھوڑی دیر پہلے آئے تھے۔ تمہاری خیریت پوچھی پھر کہنے لگے کہ لاؤ شرمین کو تیار کر کے لے آؤ ناشتہ ساتھ ہی کریں گے۔''

''میں ایک دومنٹ میں تیار ہوتی ہوں۔'' میں نے کہا اور واش روم میں جا کر اپنے آپ کو سنوارا۔ اچھا سا لباس تبدیل کیا اور ناشتے کے کمرے میں آ گئی۔

راؤ حسبِ معمول شگفتہ چہرے کے ساتھ میرے استقبال کے لئے تیار تھا۔

''واہ..... افسردہ، پریشان حال، اُلجھے بالوں والی لیکن انتہائی خوبصورت لڑکی اس وقت تو بہت اچھی لگ رہی ہے۔ آؤ شرمین بیٹھو۔''

''شکریہ راؤ صاحب.....'' میں نے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''بھئی بہت خوشی ہوئی تمہیں دیکھ کر۔ کم از کم یہ سوچ کر کہ یہاں تم نے اپنے آپ کو غیر محفوظ نہیں محسوس کیا۔ اس کا اظہار تمہارے چہرے سے ہوتا ہے۔''

''شاید کچھ نیکیاں بھی کی ہوں گی میں نے زندگی میں جن کے صلے میں راؤ صاحب مجھے آپ کا سہارا مل گیا۔ ورنہ آپ خود سوچ لیجئے کہ جو حالات آپ کے سامنے ہیں ان میں میری کیا درگت بنتی۔ اگر پولیس والے مجھے میرے سفارتخانے تک نہ پہنچاتے تو میں ان کا کیا بگاڑ لیتی۔''

''چلو جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہے تمہیں۔''

''نہیں راؤ صاحب۔ آپ نے اتنے احسانات کر دیئے ہیں میرے اوپر کہ میری گردن جھک گئی ہے۔''

''ادھر باقاعدہ ایک ہنگامہ کھڑا ہوا ہے۔'' راؤ صاحب نے ناشتے کی پلیٹیں میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کدھر؟''

''میرا مطلب ہے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں، اخبارات میں۔ اصل میں مرزا طاہر بیگ بار ایسوسی ایشن کے جوائنٹ سیکریٹری بھی تھے اور ان کا اپنا ایک مقام ہے۔ وکیلوں نے باقاعدہ پولیس پر دباؤ ڈالا ہے کہ مرزا طاہر بیگ کے قاتل یا قاتلوں کو گرفتار کیا جائے۔ یہ دیکھو یہ تین دن کے اخبارات ہیں۔ وکیلوں نے ایک دن عدالتوں کا بائیکاٹ کیا ہے۔ وہ

ہر قیمت پر اس لڑکی کی گرفتاری چاہتے ہیں جس نے مرزا طاہر بیگ کو قتل کیا ہے۔''

میرے ہاتھ لرز گئے تو راؤ حیات اللہ نے کہا۔

''نہیں..... اگر تم نروس ہوئیں تو یوں سمجھ لو کہ یہ میری توہین ہے۔ میرے ہاتھ اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ میں ایک لڑکی کی حفاظت نہ کر سکوں۔ یہ اخبار دیکھو اس میں پوری تفصیل ہے اور ناشتہ ساتھ ساتھ کرتی رہو اگر تم نے ناشتے سے ہاتھ روکا تو پھر مجھے دکھ بھی ہوگا اور غصہ بھی آئے گا۔''

میں نے اخبار پر نگاہیں جما دیں۔ تفصیل کچھ یوں تھی کہ مرزا طاہر بیگ کو ان کے گھر میں بڑی بے دردی سے ذبح کر دیا گیا۔ اس سے پہلے ایک لڑکی ان کی کوٹھی پر ان سے ملنے آئی تھی اور چوکیدار نے اسے اندر بھجوا دیا تھا پھر وہ لڑکی بھاگتی ہوئی دیکھی گئی اور چوکیدار نے اس کے بارے میں رپورٹ دے دی لیکن پولیس اس لڑکی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کر سکی کہ وہ کون تھی، کہاں سے آئی تھی اور اس نے کیوں مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کو قتل کیا۔ خیال یہی کیا جا رہا ہے کہ وہ کوئی ایسی مجرمہ تھی جس کے خلاف مرزا طاہر بیگ کوئی کیس لڑ رہا تھا اور اس کیس میں اس لڑکی کو شکست ہو جانے کا خطرہ تھا۔ مرزا طاہر بیگ جتنے کیس لڑ رہے تھے ان کے بارے میں بھی ان کے ماتحتوں سے رپورٹیں طلب کر لی گئیں ہیں تاکہ مجرموں کو تلاش کیا جائے۔ جو سب سے بڑی بات ہے وہ یہ ہے کہ اس چوکیدار کو غائب کر دیا گیا ہے جس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ میں نے حیرت بھری نگاہوں سے راؤ حیات اللہ کو دیکھا اور بولی۔

''گویا پولیس نے بالکل اس بات کو گول کر دیا ہے کہ مجھے گرفتار کیا گیا تھا.....''

''گول کرنا ہی تھا کیونکہ میں نے انہیں دس لاکھ روپے دیئے تھے۔''

''اور چوکیدار کہاں گیا؟''

''اسے اغواء کرانے کے لئے بھی اچھی خاصی رقم خرچ کرنی پڑی ہے۔'' راؤ حیات اللہ نے کہا اور میں اچھل پڑی۔

''اغواء''

''ہاں۔''

''مم.....مم.....مطلب کہ آپ نے؟''

''تو اور کیا۔ کیا اسے موقع دیتا کہ وہ تمہیں پہچان لے۔''

''مم.....مگر وہ ہے کہاں؟.....''

''بس ہے۔ میرے پاس اس طرح کا بندوبست ہے کہ میں کسی کو کافی عرصے کے لئے مہمان رکھ سکوں۔''

''راؤ صاحب کتنے احسانات کریں گے آپ مجھ پر، اخبارات اس قاتل لڑکی کو تلاش کررہے ہیں جسے آپ نے اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ اس کے بارے میں پولیس یا اخبارات کے پاس کوئی رپورٹ نہیں ہے کہ وہ کون تھی اور کہاں سے آئی۔ آپ نے اس چوکیدار کو غائب کردیا جس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ راؤ صاحب میں تو محفوظ ہوگئی مگر میرا پاسپورٹ اور سامان جن لوگوں کے قبضے میں پہنچ چکا ہے وہ اس سے کوئی ایسا کام نہ لے لیں۔''

''ہر طرف نگاہ ہے میری۔ میں نے اپنی ایک عزیزہ کی گمشدگی کی کہانی پولیس کو اور اخبارات کو دے دی ہے جو باہر سے آئی تھی، مجھے تلاش کررہی تھی، ایک ہوٹل میں اس نے اپنا قیام کیا تھا اور اس ہوٹل سے اس کا ساز وسامان چوری ہوگیا وہ خود بھی غائب ہوگئی میں نے اس سلسلے میں پولیس سے کافی لے دے مچا رکھی ہے۔''

میں راؤ حیات اللہ کے الفاظ پر غور کرتی رہی۔ راؤ حیات اللہ بڑے پراطمینان انداز میں ناشتے میں مصروف تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے ان واقعات کی ذرہ برابر پرواہ نہ ہو۔ ناشتہ میں بھی کررہی تھی لیکن میرے دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے میں سوچ رہی تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہورہا ہے میں تو اچھا خاصہ ایک اسکینڈل بن گئی ہوں۔ راؤ نے کہا۔

''بھئی دیکھو نا اب ہم نے یہ سب کچھ کیا اور اس طرح سے یوں سمجھ لو کہ تاش کی گڈی ہم نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور اب ہم جس طرف چاہیں واقعات کا رخ موڑ سکتے ہیں۔ مجھے پہلی بار راؤ حیات اللہ کے الفاظ میں ایک دھمکی کا سا احساس ہوا تھا۔ پھر

بھی میں نے کہا۔

مگر راؤ صاحب آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اتنی بڑی رقم خرچ کردی آپ نے میرے اوپر اور ہر طرح کا رسک لے رہے ہیں۔ بتائیں گے راؤ صاحب کیوں؟''

''دیکھو بے بی دنیا میں کوئی بے غرض نہیں ہوتا ہمیں تم سے ایک کام ہے، جو ہم آرام سے تم سے لینا چاہتے ہیں۔ تم ہمارا کام کردینا ہم تمہیں حسین نگر پہنچا دیں گے اور ہر طرح سے تمہاری مدد بھی کریں گے۔''

''کیا کام ہے راؤ صاحب آپ کو مجھ سے۔''

''نہیں، یہ غلط سوال ہے جلدی میں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوسکتا.....''

''راؤ صاحب میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں یہاں اپنے ڈیڈی کی تلاش میں آئی ہوں جس طرح وہ گم ہوگئے ہیں اس نے مجھے بے کل کر رکھا ہے۔ دیکھئے باپ باپ ہوتا ہے پتا نہیں میرے ڈیڈی کس حال میں ہوں.....''

''سنو میری بات سنو، جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ تم میرا کام کردو میں تمہارا کام کردوں گا۔ تمہارے والد کو تلاش کرنا میری ذمہ داری ہے اور تم جانتی ہو کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔''

میں راؤ حیات اللہ کو دیکھنے لگی اور سوچنے لگی کہ پتا نہیں یہ شخص مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔ الٰہی پھر کہیں کسی اور بڑی مصیبت میں تو نہیں پھنسنے والی ہوں۔

''ایک کام ہے، کام خاصہ مشکل اور لمبا ہے لیکن تم خود سوچو کہ جب زندگی ہی نہ رہے تو پھر مصروفیات کیا معنی رکھتی ہیں۔ تمہارے بارے میں تھوڑی بہت تفصیل مجھے معلوم ہوچکی ہے اور جو کچھ تم نے بتایا ہے تم یہ سمجھ لو کہ تمہارا معاملہ بہت ہی مشکل ہوگیا ہے اور یہاں کی پولیس تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ اگر تم اس کے چنگل میں پوری طرح پھنس جاؤ تو تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ بڑے بے درد ہوتے ہیں یہ لوگ، نجانے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیں گے۔ کچھ بھی نہیں کر پاؤ گی۔ جیسا کہ میں نے تم سے کہا بے بی تمہارے سامنے کی بات ہے کہ دس لاکھ تو میں نے تمہارے اوپر کیش خرچ کئے ہیں۔ اس کے علاوہ

مزید بہت سے اخراجات بھی ہوئے ہیں، چوکیدار وغیرہ کو اغواء کرانے کے سلسلے میں اور دوسرے اور بھی معاملات میں اور پھر اس کے بعد آنے والے وقت میں بھی بہت کچھ ہوگا۔ میں تمہیں ایک پیشکش کروں۔''

''جی سر.....''

''نہیں.....نہیں یہ سرور کیا معنی رکھتا ہے۔ ایسا مت کہنا آئندہ میں سر نہیں ہوں، تمہیں ایک مقام دیا ہے میں نے پھر یہ سرور کیا معنی رکھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تم مجھے راؤ صاحب کہہ سکتی ہو، کیا سمجھیں۔ تو میرے کہنے کا مطلب ہے کہ کام تم سے بے شک میں لے رہا ہوں لیکن اس کے نتیجے میں تمہیں بہت کچھ دوں گا میں اتنا کچھ کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ ہاں ایک پیشکش جو تمہیں میں کر رہا تھا وہ یہ ہے کہ بے شک میں نے تم پر جو کچھ بھی خرچ کیا ہے سمجھ لو وہ دوستی اور محبت کے حساب میں ہے، ویسے بھی تم بہت پیاری بچی ہو، تمہیں دیکھ کر کوئی بھی تم سے محبت کر سکتا ہے میرا مطلب ہے بزرگوں کی مانند حالانکہ وقت اتنا برا چل رہا ہے کہ عزت آبرو کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ لوگ اپنی مطلب براری کے لئے ہر طرح کے الفاظ استعمال کر لیا کرتے ہیں، لیکن خیر چھوڑو میں تمہیں آزادی دیئے دیتا ہوں پاسپورٹ، کاغذات وغیرہ کے لئے میں نے ایک راستہ نکال لیا ہے لیکن وہ تب جب تم مجھ سے منسلک رہو۔ ہاں اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ باہر نکل کر تم حسین نگر پہنچ جاؤ اور اپنے خاندان سے جا ملو تو یقین کرو نہ تو میں تمہاری نشاندہی کسی سے کروں گا نہ تم سے اور کوئی لالچ رکھوں گا تم جا سکتی ہو ہاں لیکن فرشتہ مت سمجھو مجھے اتنا تو کر سکتا ہوں میں کہ تمہیں دس بیس ہزار روپے اور دے دوں تا کہ تم حسین نگر تک آسانی سے پہنچ جاؤ۔ لیکن راستے وغیرہ کی کوئی ضمانت نہیں لی جا سکتی۔ میں تمہیں صرف اتنا بتا دوں کہ تم ایک خوبصورت لڑکی ہو اور یہاں قدم قدم پر تمہیں بھیڑیئے نظر آئیں گے جو تمہیں چیر پھاڑ کر پھینک دینے کے لئے دانت تیز کر رہے ہوں گے۔ پھر پولیس، اب میں تمہیں اور کیا بتاؤں تم سمجھو گی کہ میں تمہیں خوفزدہ کر رہا ہوں۔''

''نہیں راؤ صاحب، آپ میرے والد کے ہم نام ہیں ہو سکتا ہے خدا نے آپ

کے دل میں میرے لئے ہمدردی اسی لئے ڈال دی ہو۔''

''جو کچھ بھی سمجھو میں اپنے آپ کو اتنا فرشتہ صفت نہیں سمجھتا میرے ذہن میں اور کوئی کھوٹ نہیں ہے تمہارے لئے عزت آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، تمہارے ہاتھ یا پاؤں کے ناخن تک کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ ہاں لیکن میرا کام پوری طرح خطرے سے بھرپور ہے اور خطرہ بھی صرف اتنا ہے کہ تمہارے اپنے انداز میں کوئی لغزش نہ ہونے پائے۔

راؤ حیات اللہ کا ایک ایک لفظ میرے دل میں خنجر کی طرح اتر رہا تھا۔ آخر ایسا کون سا کام لینا چاہتا ہے وہ مجھ سے۔ بہت دیر تک راؤ حیات اللہ مجھ سے باتیں کرتا رہا اور پھر اس نے مجھے میرے کمرے تک پہنچا دیا لیکن احساسات کا طوفان میرے دماغ پر یلغار کئے ہوئے تھا۔ آہ کیا ہونا ہے میرے ساتھ، کیا ہوگا۔ اس سے پہلے راؤ حیات اللہ کی بے حد احسان مند تھی اور حیران بھی تھی کہ اس نے اتنی بڑی رقم خرچ کر کے مجھے بچایا ہے اور نینا کہتی ہے کہ راؤ حیات اللہ عورت پرست آدمی نہیں ہے۔ پھر وہ کونسا ایسا کام ہے جو وہ مجھ سے لینا چاہتا ہے۔ ایک بے چینی سی دل و دماغ میں پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن وہ اخبارات بھی نگاہوں کے سامنے ہی تھے جن میں میرے بارے میں تفصیل درج تھی۔ ایک چھوٹی سی بات میری زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ بس ایک اطلاع کہ میں ہوں وہ جس پر مرزا طاہر بیگ کے قتل کا الزام ہے۔ بڑا مشکل ہوگا ثابت کرنا کہ میں قاتل نہیں ہوں۔ پوری طرح غور کیا تو حالات کو مکمل طور پر اپنے خلاف پایا۔ میں انگلینڈ سے یہاں پہنچی، ایئرپورٹ سے میرے ساتھ زیادتی شروع ہوئی۔ قتل کرنے کے بہت سے طریقے آزمائے گئے۔ کچھ تقدیر کچھ حالات جنہوں نے مجھے بچایا۔ مرزا طاہر بیگ سے شام کی ملاقات کا ذکر دوسری جگہوں پر بھی ہو سکتا تھا اس کے اسٹاف کے لوگ بھی تھے جنہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ بچت کی ایک ہی شکل ہے کہ اس طاقتور آدمی کا سہارا حاصل کروں جو مجھ سے کوئی ایسا ہی کام لینا چاہتا ہے جس کے لئے اس نے لاکھوں روپے خرچ کر دیئے ہیں۔

نینا آ گئی۔ یہ لڑکی مجھے چہرے سے ایک ہمدرد لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے اندر کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے کوئی شاطرانہ رنگ دیا جا سکے۔ نینا مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''بہت پریشان ہو شرمین۔''

''ہاں نینا تم خود سوچو اپنے تمام حالات تمہیں بتا چکی ہوں اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں۔''

نینا سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔

''راؤ صاحب نے تمہیں اپنے کام کے بارے میں تو بتایا ہوگا۔''

''بس اتنا کہ وہ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں۔''

''شرمین تم نے یہ اخبارات دیکھے۔''

''ہاں تم نے دیکھے ہیں۔''

''ہاں میں دیکھ چکی ہوں۔''

''یہ اخبارات میرے لئے پھانسی کا پھندہ ہیں۔''

''اخبارات نہیں بلکہ وہ حالات جو تمہارا تعاقب کر رہے ہیں۔''

''یہی سمجھ لو۔''

''ایسی صورت میں صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے۔ راؤ حیات اللہ بڑے پُراعتماد لہجے میں یہ بات کہتے ہیں کہ وہ تمہارا بال بیکا نہیں ہونے دیں گے تم ان کا سہارا حاصل کرو۔''

''آہ ایک بات کہتے ہوئے میرا دل ڈرتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کیا؟''

''کیا مجھے کوئی اور مجرمانہ عمل کرنا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے قتل سے بڑھ کر اور کوئی مجرمانہ عمل نہیں ہو سکتا اگر تم قاتلہ کی حیثیت سے منظرِ عام پر آئیں تو تمہاری اس خوبصورت گردن میں پھانسی کا پھندا پڑ جائے گا۔ ایک سزا سے بچنے کے لئے اگر ایک اور جرم کرنا پڑ رہا ہے تو میرا خیال تو یہ ہے کہ راؤ

حیات اللہ پر بھروسہ کرو۔''

''نینا میں مظلوم اور بے سہارا ہوں کیا تم میری کچھ مدد نہیں کر سکو گی۔''

''میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤ، میرا بھی ایک چھوٹا سا گھر چھوٹا سا خاندان ہے، دو چھوٹے چھوٹے بھائی جن میں سے ایک کی عمر نو سال اور دوسرے کی گیارہ سال ہے، ماں باپ، باپ معذور ہیں، ماں محلے پڑوس کی سلائی کڑھائی کر کے زندگی گزار رہی تھیں لیکن اب راؤ صاحب کی عنایات سے وہ سب آرام دہ زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک بات میں نے تم سے پہلے بھی کہی تھی کہ راؤ صاحب عورت پرست نہیں ہیں یہاں کسی لڑکی کی عزت آبرو کو کوئی خطرہ نہیں ہے نا ہی اس کوٹھی میں راؤ صاحب کے کچھ ایسے افراد موجود ہیں جو کسی طرح کسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکیں۔ ایک ماحول ہے یہاں کا جو بُرا نہیں ہے۔ میں بھی یہاں بالکل محفوظ ہوں اور مجھے کوئی ایسی ذہنی تکلیف نہیں پہنچی۔ راؤ صاحب رحم دل بھی ہیں میرے لئے انہوں نے اتنا کچھ کیا ہے کہ میرے حالات بدل گئے ہیں ان کے خلاف تو میں ایک لفظ کہہ بھی نہیں کہہ سکتی کیونکہ خلاف کوئی بات بھی نہیں ہے باقی جہاں تک ان کے مشاغل کا معاملہ ہے تو یقین کرو مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔ وہ کیا کرتے ہیں ان کا ذریعہ آمدنی کیا ہے، یہاں اس حویلی یا اس کوٹھی میں آج تک کوئی ایسی مجرمانہ کارروائی نہیں ہوئی۔ یہ تمام باتیں ذہن میں رکھ کر میں یہ بات تو کہہ سکتی ہوں کہ راؤ صاحب جو کام بھی تم سے لیں گے وہ بے شک کچھ بھی ہو لیکن اس میں تمہارے لئے خطرات کچھ بھی نہیں ہوں گے کیونکہ وہ ہر طرح کا خطرہ خود مول لے لیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے اللہ مالک ہے، جب میری تقدیر میں یہی سب کچھ لکھا ہوا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''سنو.....ایک بات بتاؤں جو کچھ بھی کرو خلوصِ دل سے کرو۔ راؤ صاحب تمہاری واقعی مدد کریں گے۔ تم خود سوچو زندگی سب سے قیمتی چیز ہے جیسا کہ تم نے بتایا اگر تم اپنے والد کی تلاش میں بھی آئی ہو تو یہ اسی وقت ممکن ہے جب تم زندہ سلامت رہو، اگر تم ہی

مشکل میں پڑ گئیں تو نہ اپنے والد کے لئے کچھ کرسکو گی نہ اپنے لئے۔ راؤ صاحب سے اس بات کا اعتراف کرلو کہ جو کچھ وہ کہیں گے تم وہی کرو گی۔''

نینا کا مشورہ بالکل درست تھا۔ رات کے کھانے پر پھر میری راؤ صاحب سے ملاقات ہوئی بہت خوش مزاج انسان تھا یہ شخص ہنستا بولتا ہی رہتا تھا۔ مجھ سے ملا تو بولا۔

''خوبصورت لڑکی میں جانتا ہوں کہ ان دنوں تم کس طرح کے حالات سے گزر رہی ہوگی لیکن ایک ماہر بیوٹیشن کی حیثیت سے میں تمہیں یہ بات بتاؤں کہ تردد چہروں پر جھریاں لے آتا ہے۔ اپنے آپ کو فکروں سے بے نیاز کردو میرے ساتھ میرے کارکن کی حیثیت سے کام کرنے کا خلوص دل سے وعدہ کرلو تمہاری ساری مشکلات میں لے لیتا ہوں اور میں تمہیں ایک بات بتاؤں جواب میں میں بھی تمہیں بہت کچھ دوں گا۔''

''راؤ صاحب میں تیار ہوں۔''

میں نے کہا اور راؤ حیات اللہ ایک دم چونک کر گردن اٹھا کر مجھے دیکھنے لگا۔ بہت دیر تک وہ میری آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آنکھیں کائنات کا سب سے بڑا سچ ہوتی ہیں، یہ جھوٹ نہیں بول پاتیں۔ انسان اپنے عضلات، اپنے بدن، اپنے وجود کی ہر جنبش کو قابو میں کرسکتا ہے لیکن آنکھیں ان کے بارے میں صرف ایک ہی بات کہی جاسکتی ہے کہ شاید یہ کائنات کا سب سے بڑا سچ ہی ہیں اور کائنات کا سب سے بڑا سچ ذات باری ہے یعنی اس کا عکس خیر چھوڑو میں بلاوجہ اپنی باتوں میں الجھاؤ پیدا کررہا ہوں۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے تمہاری آنکھوں میں سچ نظر آیا ہے کیا تم اس بات کا وعدہ کرتی ہو کہ جو کچھ میں کہوں گا خلوص دل سے وہ کرو گی۔''

''جی راؤ صاحب۔''

''سوچ لو۔''

''سوچ کر ہی یہ بات کہہ رہی ہوں۔''

''تمہیں اپنی شخصیت بدلنا ہوگی۔''

''آپ جو حکم دیں گے میں وہی کروں گی۔''

''ہوں..... یہ تو نہیں کہ جب میں تمہیں اپنے دل کی بات بتادوں تو تم اس سے گریز کرو۔''

''جب میری زندگی ہی داؤ پر لگ گئی ہے راؤ صاحب تو زندگی بچانے کے لئے انسان سب کچھ کرتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ شرمین تمہیں ایک خاندان میں داخل ہونا ہوگا ایک بالکل ہی بدلی ہوئی حیثیت سے، ایک پوری کہانی تشکیل پائے گی، تم اس خاندان میں داخل ہوکر اپنا ایک مقام بناؤ گی خاص طور سے اس خاندان میں ایک لڑکا ہے جو اس خاندان کا چشم و چراغ ہے یوں سمجھ لو اربوں پتی ہے وہ لڑکا میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اپنے شکنجے میں لو پھر میں تمہاری شادی اس سے کردوں گا جب اس لڑکے سے تمہاری شادی ہوجائے گی تو پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ مزید تمہیں کیا کرنا ہے۔ شرمین اس پورے ڈرامے کی ڈیوریشن چھ ماہ سے ایک سال تک ہوسکتی ہے۔ تمہیں ایک سال تک صبر کرنا ہوگا ایک سال کے بعد میں اس ڈرامے کا ڈراپ سین کردوں گا اور تمہیں آزادی حاصل ہوجائے گی تم شرمین کی حیثیت سے اگر حسین نگر پہنچنا چاہتی ہو تو حسین نگر چلی جاؤ گی اس دوران میں تمہارے والد کو بھی تلاش کروں گا اور اگر وہ حیات ہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں لاکر تمہارے سامنے کھڑا کردوں گا۔ ہاں لیکن اس انداز میں کہ میرے پروگرام میں میرے مشغلے میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے۔ بہرحال میں نے مختصر الفاظ میں تمہیں اپنا مقصد سمجھا دیا ہے۔ کتنی دیر میں فیصلہ کرلو گی اس بات کا مجھے جواب دینا۔ بہرحال یہ تو ایک سودا ہے جو تمہیں کرنا ہے ایک جرم تو تمہارے سر پر مسلط ہی ہوچکا ہے مگر یہ دوسری بات کوئی بڑا جرم نہیں ہوگی۔ میرے پاس جو منصوبہ ہے وہ اتنا عمدہ ہے کہ تم مکھن میں سے بال کی طرح نکل جاؤ گی۔ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ کیا سمجھیں اب دیکھ لو اور سوچ لو۔ میں تمہیں وقت دیتا ہوں۔''

میں حیرت سے منہ کھولے راؤ صاحب کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ

تو بہت خوفناک بات ہے اور پھر اتنا عرصہ میرے خدا..... میرے خدا، اتنا عرصہ لگ جائے گا مجھے۔ اپنے وطن سے تو میں کٹی ہی ہوئی تھی، لندن سے بھی کٹ جاؤں گی، آنٹی کیتھرائن سوچیں گی کہ میں مرکھپ گئی ہوں لیکن ایک دلاسہ دل کو تقویت دے رہا تھا وہ یہ کہ راؤ حیات اللہ نے میرے والد کی تلاش کا وعدہ کیا تھا۔ اگر میرے ڈیڈی مجھے مل جاتے ہیں تو پھر کوئی مشکل نہیں رہے گی۔ میں نے پھر بھی راؤ حیات اللہ سے کہا۔

''راؤ صاحب ایک بات بتایئے۔''

''ہاں پوچھو، جس قدر سوال چاہو کرسکتی ہو۔''

''اگر آپ کی کوششوں سے میرے والد مجھے مل گئے تو میں ان کے سامنے کیسے آسکوں گی۔''

''نہیں تم ان کے سامنے اس وقت تک نہیں آسکو گی جب تک کہ میرا کام مکمل نہیں ہو جائے گا۔ ہاں میں انہیں اپنے ساتھ رکھ لوں گا بلکہ ان کی بھرپور حفاظت کروں گا۔ تمہارے بارے میں بھی انہیں بتا دوں گا کہ تم ایک ایسے مسئلے میں الجھ گئی ہو۔ ہوسکا تو تمہاری ان سے فون پر بات بھی کرا دوں گا، تم انہیں تسلی دے دینا۔ دیکھو شرمین یہ سب کچھ تو کرنا ہوگا۔ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے تو پھر تمہارے فیصلے کا کب تک انتظار کروں۔''

''نہیں راؤ صاحب آپ انتظار نہ کریں میں تیار ہوں۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا.....

راؤ حیات اللہ کی آنکھوں میں خوشی کے تاثرات نظر آئے تھے اس کی آنکھوں میں کچھ اور محبت کے تاثرات پیدا ہوگئے تھے پھر اس نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو شرمین اب میں تمہیں بیٹی کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا اور بہرحال ہم پاکستانی یا مسلمان جو کچھ بھی تم کہہ لو منہ سے ادا ہونے والے الفاظ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ کسی کو اگر بیٹی کہہ دیا جاتا ہے تو سمجھو بہت سی ذمہ داریاں مول لے لی جاتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانا بھی پڑتا ہے کیا سمجھیں۔''

''ٹھیک ہے راؤ صاحب۔ میں بھی اس رشتے کو قبول کرتی ہوں لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک سوال بھی میرے ذہن میں پیدا ہوا ہے۔''

''ہاں کہو، اب چونکہ ہمارے درمیان ایک اور رابطہ ہوا ہے اس لئے جو کچھ تمہارے دل میں ہے مجھے بتاؤ۔''

''راؤ صاحب آپ نے مجھ سے ایک رشتہ بھی قائم کرلیا ہے اس کے باوجود آپ مجھے کچھ شرطوں کے ساتھ قبول کررہے ہیں۔''

''بیٹے انسان بڑی کمزور چیز ہے، اپنی ضرورتوں اور اپنی خواہشات کا کھلونا بننا اس کی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ میں خود بھی ایک خودغرض انسان ہوں، رشتے ناتوں کا احترام اپنی جگہ اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل اپنی جگہ۔ جس خاندان میں شامل ہونے کی میں نے تم سے بات کی ہے اس سے میرا ایک الگ کا رشتہ جو بعد میں ہی تمہیں پتا چلے گا، لیکن یہ میری اہم ضرورت ہے تم نہیں سمجھتیں اس کے پس پردہ کیا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی موٹی کہانی نہیں ہے بلکہ ماضی سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ میں ایک بوڑھا انسان ہوں، بہت سے جرائم کئے ہیں، میں نے اور کرتا رہتا ہوں لیکن میں نے کسی انسان کو قتل نہیں کیا البتہ اس طرح اسے ضرور مار دیا ہے کہ پھر وہ جینے کی تمنا ہی کھو بیٹھے۔ بیٹا اس کا بھی ایک پس منظر تھا، میں کسی خاص واقعے کا ذکر نہیں کررہا، بس تمہیں بتا رہا ہوں کہ صورتحال کیا ہے۔ براہ کرم مجھ سے زیادہ تفصیل نہ پوچھنا میں تمہیں تفصیل بتا بھی نہیں سکوں گا۔ میرے کہنے کا مقصد صرف اتنا سا ہے کہ میں تمہیں اس خاندان میں ایک خاص حیثیت سے شامل کرنا چاہتا ہوں اور بعد میں میرے تم سے رابطے رہیں گے جس گھر میں میں تمہیں بھیجنا چاہتا ہوں وہاں میرے کچھ آدمی پہلے سے موجود ہیں جو وہاں تمہارے نگران ہوں گے اور ویسے بھی تمہیں وہاں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

''جی راؤ صاحب.....''

''اگر تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں بیٹی کہنے کے باوجود تم سے کوئی ایسا مجرمانہ کام کرانا چاہتا ہوں یا فوری طور پر تمہاری مدد کرکے تمہیں حسین نگر یا تمہارے گھر بھیج دوں تو تم

یقین کرو وہ سچائی نہیں ہوگی، مجھے بہرحال تمہاری ضرورت ہے اور اس سلسلے میں اگر تم یہ سوچتی ہو کہ میں اس خاندان کو تمہارے ذریعے کوئی بڑا نقصان پہنچانا چاہتا ہوں تو اس خیال کو بھی دل سے نکال دو، بس ہے ایک کہانی جو وقت تمہیں سمجھا دے گا۔ میں زیادہ وضاحتیں نہیں کرنا چاہتا کیونکہ یہ میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ تمہیں دیکھتے ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ تم میرے لئے وہ کام کرسکتی ہو جو کوئی اور نہیں کرسکتا کیا اب بھی تمہیں کوئی سوال کرنا ہے۔''

''نہیں راؤ صاحب۔ میں تو آپ سے پوری طرح سے یہ بات کہہ چکی ہوں کہ میں آپ کی ہر ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بس یہ سوال تو ایسے ہی درمیان میں آ گیا تھا۔''

''ٹھیک ہے اب اس کے بعد مجھے کچھ وقت دو تا کہ میں تمہیں سمجھاؤں۔''

''جی۔'' میں نے کہا۔

میرے ذہن میں تجسس کا طوفان تھا، یہ بات تو میرے علم میں اب اچھی طرح آ چکی تھی کہ راؤ حیات اللہ سے پوری طرح تعاون کئے بغیر اب میری زندگی ہی مشکل ہے، واقعی با آسانی پھانسی کے پھندے تک پہنچ سکتی ہوں۔ صرف راؤ حیات اللہ ہی ہے جو مجھے بہت سے اُلٹ پھیر کر کے کسی بھی مشکل سے بچا سکتا ہے۔ نینا سے بھی اس سلسلے میں کوئی بات کرنا فضول تھا، نینا سے جب بھی میں اس بارے میں بات کرتی تھی تو وہ ایک ہی لفظ کہتی تھی کہ اس پر جو پابندیاں ہیں وہ اسے زبان نہیں کھولنے دیں گی۔ وہ یہ بھی کہتی تھی کہ وہ خود بھی یہاں مطمئن ہے اور ایک مطمئن لڑکی بھلا کسی کے لئے کیوں اپنے سر مصیبتیں مول لے گی۔ اپنے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کرنے لگی کہ انسان پر جب مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو پھر اسے وقت سے سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے۔ مجھے ایسا کرنا ہوگا ورنہ میں اس ہولناک ویرانے میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔

راؤ صاحب نے دو دن تک کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور یہ دو دن میں نے بڑے تجسس کے عالم میں گزارے۔ آخر کار راؤ صاحب نے مجھ سے ملاقات کی اور بولے۔

''میں نے تمام انتظامات کر لئے ہیں، اس دوران میں انتظامات میں ہی مصروف تھا۔''

میں سوالیہ نگاہوں سے راؤ صاحب کو دیکھتی رہی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے راؤ صاحب آج اپنے مقصد کے بارے میں پوری تفصیل بتا دیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ تھوڑے سے توقف کے بعد انہوں نے کہا۔

''سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ڈیئر شرمین کہ میں تم سے کسی مسئلے میں جھوٹ نہیں بولوں گا اور جو کچھ بھی میں کہوں گا اسے بھی تم جھوٹ مت سمجھنا، بنیادی وجہ یہ ہے کہ میرے اپنے کام بہرطور ہر طرح ہو جاتے ہیں اور میں انہیں کر ہی لیتا ہوں۔ میں تمہیں ایک خاندان میں بھیجنا چاہتا ہوں یہ الفاظ میں نے تم سے پہلے بھی کہے ہیں اس خاندان میں تمہیں ایک اجنبی کردار کی حیثیت سے شامل ہونا ہے، یوں سمجھ لو کہ تمہاری پوری شخصیت ہی بدل جائے گی اور یہ بہت ضروری ہے۔ اس خاندان کے بارے میں تمہیں مختصر تفصیل بتا دوں۔ بے پناہ دولت مند لوگ ہیں، ایک خاص علاقے میں ان کی سینکڑوں ایکڑ بلکہ ہزاروں ایکڑ زمینیں پھیلی ہوئی ہیں، باغات اور دوسری ایسی جائیدادیں۔ دولت کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ خزانوں کے ڈھیروں پر بیٹھے ہوئے ہیں لیکن تم اس بات پر یقین کر لو شرمین کہ میں ان کی دولت کا خواہش مند نہیں ہوں۔ ایک ایسا مسئلہ درپیش ہے مجھے جس کا تعلق خالص دولت سے نہیں ہے جو صاحب اس سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اس خاندان کے سربراہ ہیں۔ ان کا نام آصف علی ہے، سر آصف علی خان کہلاتے ہیں، اکلوتے بیٹے کے باپ ہیں اور بیٹے کا نام شہ نام ہے۔ شہ نام ان کے لئے زندگی اور موت کا نشان ہے بس یوں سمجھ لو کہ شہ نام سر آصف علی خان کی زندگی ہے۔ آصف علی بہت ہی مغرور اور بد دماغ انسان ہے، اصولوں کے نام پر وہ پتھر کی ایک چٹان ہے اور بہرحال ان کے اپنے ہاں کے کچھ حالات زندگی ہیں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو شہ نام کو بچپن ہی میں ایک لڑکی سے منسوب کر دیا گیا تھا اس لڑکی کے باپ کا نام ہاشم ولی ہے۔ ہاشم ولی کا

کوسٹاریکا کے دارالحکومت سان جوس میں اپنا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ ہاشم ولی کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیٹی نیزا کنول اب کوسٹاریکا سے پاکستان پہنچی ہے۔ نیزا کنول اربوں ڈالر کی دولت کی مالک ہے اور یوں سمجھ لو کہ کسی بھی طرح مالی طور پر وہ آصف علی خان سے کم نہیں ہے اور اب اس بے پناہ دولت کی مالک ہے۔ ہاشم ولی کی یہ بیٹی کسی کام سے پاکستان آئی ہے لیکن وہ بھٹک گئی ہے اور اس کے پاس آصف علی خان سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ بہرحال شرمین نیزا کنول تم ہو اور اب تمہیں میری ہدایت کے مطابق اس خاندان میں شامل ہونا ہے۔ وہ لڑکا شہ نام جس طرح کا بھی ہے تمہیں خود ہی اسے دیکھنا ہوگا اور سارے معاملات سنبھل کر حل کرنا ہوں گے۔ میں نے تمہیں چھ مہینے سے ایک سال تک کا جو ٹائم دیا تھا وہ یہی ہے کہ تمہیں شہ نام سے شادی کرنی ہے۔ وہاں کے حالات اپنے حق میں کرنے ہیں اور اب میں تم سے کچھ بری باتیں کرنا چاہتا ہوں جو پہلے بھی کر چکا ہوں دیکھو تم اپنے باپ کی تلاش میں آئی ہو، حُسین نگر اور وہاں کے رہنے والوں کے بارے میں تم نے جو تفصیلات بتائی ہیں میرے اپنے ذہن میں پوری طرح یہ بات ہے کہ تمہارے والد کو انہوں نے کسی طرح کوئی نقصان پہنچایا ہے، زمینوں اور جائیدادوں کا کھیل ایسا ہی ہوتا ہے۔ سب سے پہلے میں تمہیں یہ معلومات فراہم کروں گا کہ تمہارے والد زندہ ہیں یا نہیں اور یقین کرو میں اپنے وسائل سے کام لے کر ہی یہ ایک بات معلوم کرلوں گا لیکن تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا یہ ہوسکتا ہے کہ اگر تم میری ضروریات پوری کردو اور میرے مزاج کے مطابق آصف علی خان کے خاندان میں اپنا کوئی مقام بنا لو تو میں تمہارے والد کو ہر طرح کے لوگوں سے بچا کر اپنی تحویل میں لے لوں اور کسی مناسب موقع پر تمہاری ان سے ملاقات بھی کرا دوں، لیکن اس طرح کہ تم انہیں دیکھ سکو ان سے بات نہ کرسکو اور اس وقت جب میرا کام مکمل ہو جائے میں تم دونوں باپ بیٹی کو ایک دوسرے سے ملا دوں۔ وقت کا کوئی تعین نہیں، چند دن، چند ہفتے، چند مہینے یا زیادہ سے زیادہ ایک سال بس، جو کچھ ہونا ہے اسی دوران ہونا ہے۔ حسین نگر کے لوگوں کے بارے میں تمہیں یہ بتا دوں کہ جس طرح تمہارے والد چاہیں گے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا

جائے گا گویا تمہیں ان پر مکمل فوقیت حاصل ہوگی۔ کیا سمجھیں۔ یہ تو ہے اس کا ایک پوزیٹو پہلو ہے نیگیٹو یہ ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا اور تمہیں باآسانی مرزا طاہر بیگ کے قتل کے الزام میں سزائے موت ہو جائے گی گویا تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا اور پھر یہ سمجھ لو کہ چونکہ تم میرے مقصد کے لئے کام نہیں کرو گی اور میں جو زندگی میں ایک بہت بڑے مسئلے سے دوچار ہوں تمہیں اپنے دشمنوں میں تصور کروں گا۔ ان دشمنوں میں جنہوں نے مجھے نقصان پہنچایا ہے اور میں جنہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ نیزا کنول ولد ہاشم ولی کیا تم میرے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہو۔''

میرے پاس اب سوچنے کے لئے اور کوئی بات نہیں رہ گئی تھی۔ مجھے بھی صاف ستھرے لہجے میں بات کرنی تھی چنانچہ میں نے کہا۔

''آپ مجھے صرف ایک بات بتایئے جناب راؤ صاحب کیا مجھے وہاں کوئی ایسا اور دوسرا جرم کرنا ہوگا جس کی سزا موت کی سزا کے برابر ہوگی۔''

''نہیں۔ اس جرم میں تمہیں موت کی سزا نہیں مل سکے گی، سوائے اس کے کہ تم نے غلط نام سے اور غلط مقاصد کے تحت ہی خاندان میں شامل ہوئی ہو۔ وہاں تمہاری ہاتھوں نہ تو کوئی قتل ہوگا نہ تم وہاں سے کوئی راز چراؤ گی بس ایک ایسا عمل ہے جو تمہیں اس حیثیت سے سرانجام دینا ہوگا اس کے پیچھے کیا ہے یہ تمہیں نہیں بتایا جاسکتا لیکن یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ اس کے پیچھے دولت نہیں ہے یعنی میں تمہارے ذریعے شہ نام پر قبضہ اور شہ نام کے ذریعے آصف علی خان پر قبضہ نہیں جمانا چاہتا، نہ اس کی دولت کا خواہش مند ہوں باقی اور جو کچھ ہے ہوسکتا ہے کسی مناسب وقت میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں ابھی نہیں۔''

میں نے کہا۔

''میں اس کے جواب میں یہی کہنا چاہتی ہوں کہ میں بھی ایک ٹھوس طبیعت کی لڑکی ہوں۔ وقت نے مجھے دو کوڑی کا بنا دیا ہے وہ الگ بات ہے، میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر آپ سے یہ بات کہہ دی تھی کہ میں آپ کی ہر ہدایت کی تکمیل کے لئے تیار

ہوں، سوائے اس کے کہ میری عزت آبرو محفوظ رہے اور اگر یہ نہ ہوسکا تو راؤ صاحب میرے لئے خودکشی بہت آسان ہے۔ ہر شخص کم از کم ایک کام ضرور کرسکتا ہے وہ یہ کہ اپنی زندگی کا خاتمہ کرلے۔''

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ہم اچھے ہیں یا برے ہیں لیکن پاکستانی ہیں اور ہمارے ہاں رشتوں کے تقدس کا احترام کیا جاتا ہے۔ ہم جو رشتہ طے کرلیتے ہیں اس کی بے حرمتی نہیں کرتے۔''

''ٹھیک ہے مجھے آپ کی ہدایت کے مطابق کام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آج سے میں نیزا کنول ہوں۔'' میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ راؤ حیات اللہ کے چہرے پر ایک سکون سا پھیل گیا ہے۔

راؤ حیات اللہ مجھ سے تھوڑی دیر تک بات چیت کرتا رہا، وہ بتا رہا تھا کہ کس طرح مجھے آصف علی خان کے خاندان میں شامل ہونا ہے۔ اس خاندان کے بارے میں مزید کچھ تفصیل بھی اس نے بتائی اور بتائی تھی۔ پھر وہ چلا گیا یہ بتا گیا تھا کہ کس طرح سے پروگرام کو آگے بڑھانا ہے۔ اس کے جانے کے بعد میں پھر خیالات میں ڈوب گئی۔ انسان کے پاس اگر اور کچھ نہیں رہتا تو کم از کم خیالات کا سرمایہ ضرور رہ جاتا ہے اور یہی سرمایہ اسے رواں دواں رکھتا ہے، ورنہ بعض اوقات حالات اس طرح خوفناک شکل اختیار کرلیتے ہیں کہ جینا مشکل ہوجائے۔

پھر راؤ کے اشارے پر مجھے ایک شاندار فائیو سٹار ہوٹل میں منتقل کردیا گیا اور تمام لوگ مجھ سے دور چلے گئے۔ میں سوچ رہی تھی کہ راؤ حیات اللہ کی خواہش کے مطابق بھرپور عمل کرکے ہی میں اپنی مشکلات پر قابو پاسکتی ہوں ورنہ دوسری شکل میں میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں رہا تھا جس سے میں اپنے مسائل سے نمٹ سکتی۔ کبھی کبھی تو خود پر ہنسی آنے لگتی تھی۔ میں نے کیا زندگی گزاری ہے۔ کم بخت کالی زبان والی فرمانہ زامن نے کیا بدترین پیشگوئی کی تھی۔ واقعی زندگی کا بائیسواں سال شروع ہوتے ہی مجھ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے، ورنہ اس سے پہلے میرے والد نے میری ماں کی

موت کے بعد مجھے پھولوں کی طرح رکھا تھا، تعلیم حاصل کرتی تھی، مارشل آرٹس سیکھتی تھی۔ وہ میری ہر طرح معاونت کرتے تھے۔ کہاں ہو ڈیڈی کہاں ہو..... خدا کے لئے میرے سامنے آکر میرے سر پر ہاتھ رکھو۔ بڑی پیاسی ہوں میں، کوئی ہمدرد نہیں ہے، کس طرح لوگوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہوں۔ ڈیڈی ایسا کب تک ہوگا۔ کیا ان حالات میں جی سکوں گی ڈیڈی پلیز آپ کے بغیر تو میں بے دست و پا ہو کے رہ گئی ہوں۔ کہیں سے آیئے میرا بازو پکڑ لیجئے اور مجھ سے کہیئے کہ نہیں شرمین میں آ گیا ہوں۔ بے فکر ہو جا میری بچی، کوئی تیرا بال بیکا نہیں کرسکے گا۔ نجانے کس طرح آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے باہر سے لیڈی ویٹر آئی تھی اور پرادب انداز میں میرے سامنے جھک کر مجھ سے ضروریات کے بارے میں پوچھا تھا۔ مقامی لڑکی تھی، نازک نازک سے نقوش کی مالک سچی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک نہ پاکستان دیکھا تھا نہ پاکستان کے شہریوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ آتے ہی بھیڑیوں کے جال میں پھنس گئی تھی۔ یہ بھیڑیئے کون ہیں، کیا میرے عزیز و اقارب، کیا وہ جو میری پاکستان واپسی سے اس لئے خوفزدہ ہیں کہ کہیں میں ان کی جائیدادوں میں حصہ نہ بٹاؤں۔ میں تو اپنے باپ کی تلاش میں آئی ہوں۔ تھوکتی ہوں ایسی جائیدادوں پر جو مجھ سے میرا باپ چھین لیں، مجھے کچھ نہیں چاہئے تم لوگوں سے۔ ایک بار ایک بار بس مجھے میرے ڈیڈی واپس کردو میں انہیں ساتھ لے کر انگلینڈ چلی جاؤں گی۔ یہاں تو تم لوگوں نے زندگی بُری طرح مجھ پر تلخ کردی ہے بتایئے میں ایک قاتلہ کی حیثیت سے یہاں کی پولیس کو مطلوب ہوں جس کا دل چاہے گا مجھے بلیک میل کرلے گا.....

بہرحال خود کو سنبھالا اور تیاریاں کرنے لگی کہ آصف علی خان کے گھر فون کروں۔ آخرکار میں نے اپنے کام کا آغاز کردیا۔ اب مجھے ایک نئے کردار اور نئے نام کے ساتھ نجانے کتنے عرصے تک اداکاری کرنا ہوگی۔

میں نے فون ملایا اور انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے فون رسیو کرلیا گیا تھا، کوئی خاتون تھیں۔

''ہیلو..... کون بول رہا ہے؟''

''کیا یہ آصف علی خان کی رہائش گاہ ہے۔'' میں نے انگریزی میں پوچھا۔

''ہاں..... آپ کون ہیں۔''

''دیکھئے میرا نام نیزا کنول ہے، کوسٹاریکا سے آئی ہوں۔ آپ پلیز۔''

ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے چیختی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

''آپ نیزا کنول ہیں؟''

''جی آپ کون ہیں۔''

''مس کنول پلیز آپ بتائیے آپ کہاں ہیں۔ یہاں تو آپ کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دیئے گئے ہیں۔'' دوسری طرف سے جو کوئی بھی بول رہا تھا اس کی انگریزی بہت شاندار تھی۔''

''میں عجیب مصیبتوں کا شکار ہوگئی ہوں۔ آپ پلیز میری بات آصف علی خان سے کرادیں.....''

''میں ابھی آپ کی بات کراتی ہوں، میں ریحانہ بول رہی ہوں یہاں ہاؤس کیپر ہوں۔''

''پلیز ریحانہ صاحبہ میں آپ کا احسان مانوں گی جلدی سے میری بات کرا دیجئے۔''

چند ہی لمحوں کے بعد دوسری طرف سے ایک خوبصورت مردانہ آواز سنائی دی۔

''ہیلو.....''

''کون، آصف علی خان صاحب۔''

''نیزا بیٹی بول رہی ہے۔''

''جی انکل میں نیزا ہی ہوں۔ ہاشم ولی کی بیٹی سان جوس سے آئی ہوں.....''

''بیٹا آپ کہاں غائب ہو، کہاں چلی گئی تھیں؟''

''بس انکل تھوڑی سی سیاحت کر رہی تھی۔''

''بیٹے آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ہم لوگ آپ کے لئے کس قدر پریشان ہیں۔''

''انکل میں آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں۔''

''بیٹا ہم تو دن رات تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کہاں ہو اس وقت؟''

''ایک ہوٹل کے کمرے میں ہوں۔'' میں نے ہوٹل کا نام بتایا۔

''ہم لوگ آ رہے ہیں.....''

''شکریہ انکل۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ جس طرح ان لوگوں نے میرے بارے میں بے تابی کا اظہار کیا تھا اس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ نیزا کنول ان کے لئے خاصی اہمیت کی حامل ہے۔

بہرحال اور بھی بہت سے معاملات تھے۔ یہ بات مجھے راؤ حیات اللہ نے بتادی تھی کہ وہ لوگ نیزا کنول کی صورت سے آشنا نہیں ہیں۔ اس لئے اس سلسلے میں کوئی دقت نہیں پیش آئے گی۔ ایک عجیب سی صورتحال تھی جو صحیح معنوں میں میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی تھی۔ راؤ حیات اللہ بظاہر ایک نارمل سا آدمی تھا۔ نینا مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکی تھی کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ پولیس سے جس طرح اس کے تعلقات تھے اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ صاحبِ حیثیت ضرور ہے لیکن شاید اچھے معنوں میں نہیں۔

بہرحال پیچ در پیچ واقعات تھے جو میری زندگی سے لپٹ گئے تھے اور اب ایک نئے ماحول سے آشنا ہونے جا رہی تھی۔ اچانک ہی میں نے اپنے اندر کچھ تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ میں نے سوچا کہ جب یہ سب کچھ ہو ہی رہا ہے تو پھر اپنے آپ کو ایک مصیبت زدہ لڑکی کیوں سمجھوں۔ یہ تو کرنا ہے اور کرنا ہے تو پھر اس انداز میں کیا جائے کہ کوئی کمی واقع نہ رہے۔ بس اس چیز نے مجھے کافی تقویت دی۔ اور اب میں ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھی۔ مجھے آصف علی خان کی آمد کا انتظار تھا جو مجھے یہاں سے لے کر جائیں گے اور میں نے سوچ لیا تھا کہ ان لوگوں سے مجھے کس طرح پیش آنا ہے۔

زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کوریڈور میں شور سنائی دیا تھا اور پھر میرے دروازے پر

دستک ہوئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سب سے پہلے ہوٹل کا سپروائزر اندر داخل ہوا، باہر سے طرح طرح کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن چونکہ فائیو سٹار ہوٹل تھا اس کے کچھ اپنے بھی اصول تھے۔ سپروائزر نے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا.....

''میڈم..... آصف علی خان صاحب بہت سے افراد کے ساتھ آئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ آپ ان کی بہت قریبی عزیزہ ہیں۔ کیا آپ ان سے ملنا پسند کریں گی؟''

ابھی سپروائزر کے یہ الفاظ ادا ہی ہوئے تھے کہ ایک بھاری بھرکم شخص جو بڑی اچھی شخصیت کا مالک تھا دروازے سے اندر داخل ہوا پھر اس کے پیچھے کوئی دس بارہ افراد اندر گھس آئے۔ سپروائزر ہکا بکا ہو کر انہیں دیکھنے لگا میں نے اس کی مشکل حل کرنے کیلئے کہا۔

''نہیں سپروائزر ٹھیک ہے یہ میرے عزیز ہیں پلیز کوئی بات نہیں ہے۔''

سُپروائزر نے بُری سی نگاہوں سے ان سب کو دیکھا اور گردن خم کر کے پیچھے ہٹ گیا۔ آگے آنے والی جو شخصیت تھی اس نے بُرا ماننے والے انداز میں کہا۔

''بہت زیادہ مہذب بننے کی کوشش مت کرو۔ میں نے تم سے کہا تھا وہ میری عزیز ہے، دو منٹ میں تمہارا ہوٹل خرید کر پھینک دوں گا۔ کیا سمجھے۔''

سپروائزر نے کوئی جواب نہیں دیا تو بھاری بھرکم شخص آگے بڑھا اور اس انداز میں بڑھا جیسے مجھ سے لپٹ جائے گا میں نے گردن خم کر کے سر آگے بڑھا دیا تھا اس نے میرے سر کو دونوں ہاتھوں میں لے کر کتنی ہی بار چوما اور پھر اسے سینے سے لگا کر بولا۔

''ہاشم ولی کی بیٹی تم نہیں جانتی تم میرے لئے کیا حیثیت رکھتی ہو، چلو سپروائزر صاحب ان کا سامان پیک کر کے میرے آدمی کے حوالے کر دینا وہی تمہارا بل بھی ادا کر دے گا۔ آؤ بیٹا چلتے ہیں۔''

''جی وہ۔''

☆.....☆.....☆

.....

''ہاں..... ہاں بولو..... کیا وہ۔'' بھاری بھرکم شخص نے کہا۔ پھر بولا۔

''ارے او ہو اچھا میں سمجھا۔ بیٹا میں ہی آصف علی خان ہوں۔''

ہاشم ولی میری زندگی تھا۔ بس تقدیر کو وہ وقت گوارہ نہیں تھا جب ہم دونوں دوبارہ ملتے مگر ہمارے دل ہمیشہ ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ فاصلے کتنے ہی ہوں، دلوں کا کھیل ہی مختلف ہوتا ہے۔ آؤ چلو۔''

اور اس کے بعد یہ قافلہ مجھے لے کر چل پڑا۔ میرے دل کو ایک عجیب سا احساس تھا راؤ حیات اللہ نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس خاندان کے ساتھ مجھے کیا سلوک کرنا ہے۔ بس یہی کہا گیا تھا مجھ سے کہ میں اس میں داخل ہو کر اپنا ایک مقام بناؤں۔ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔ سارے کے سارے مخلص اور ابھی اس کوٹھی میں یہ لوگ مجھے لے کر گئے تھے اسے کوٹھی کے بجائے ایک روایتی حویلی کہنا زیادہ مناسب تھا۔ وہ حویلی ہی تھی۔ اس طرح کی قدیم ترین عمارتیں ذرا مختلف طرز تعمیر کے ساتھ یورپ میں بھی بہت ہوتی ہیں اور ان کی بڑی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ اس عمارت کا طرز تعمیر دیکھ کر مجھے لندن کی کئی قدیم عمارتیں یاد آ گئی تھیں۔ بڑی شان و شوکت تھی یہاں کی۔ ملازمین کی فوج کی فوج موجود تھی اندر کا ماحول بھی بے حد شاندار تھا۔ خواتین قدیم طرز کے لباس پہنے ہوئے تھیں۔ لیکن کچھ خواتین باقی جدید بھی تھیں۔ یہاں آنے کے بعد میرا تمام لوگوں سے

تعارف کرایا گیا اور سب مجھ سے بڑے پیار سے ملے۔ میں ایک ایک کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ راؤ حیات اللہ نے کام تو معمولی سا ہی میرے سپرد کیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرا دل کٹ رہا تھا۔ اب مجھے اس مخلص خاندان کو بے وقوف بنانا ہوگا۔ پتا نہیں راؤ کیا چاہتا ہے۔ ویسے اس کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے اندر کوئی انتقامی جذبہ ہی پل رہا ہے۔ ورنہ بہرحال سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

میری رہائش گاہ بھی شاندار ہی تھی۔ یہاں ایک ایک شخص نے مجھ سے بڑی محبت کا اظہار کیا تھا اور میں نے خصوصاً ان لوگوں سے اُردو میں بات نہیں کی تھی اور میں نے سوچا بھی یہی تھا کہ انہیں یہی باور کراؤں کہ میں اُردو نہیں جانتی، اب تک میں نے ان سے انگریزی میں ہی بات کی تھی۔

رات کو ڈنر پر پورا گھر موجود تھا۔ آصف علی خان نے صرف ایک سوال کیا تھا۔

''وہ دوپہر کو بھی نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہے۔ کسی کو کوئی علم ہے اس کے بارے میں؟''

''نہیں..... بھلا وہ کسی کو اپنا پروگرام بتا کر جاتے ہیں۔''

ایک لڑکی نے جواب دیا تھا۔ پتا نہیں کس کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ بہرحال ڈنر پر کئی افراد موجود تھے۔ ان لوگوں سے میرا تعارف ہو چکا تھا اور مجھے یہ پتا چلا تھا کہ آصف علی خان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹیاں ملک سے باہر ہیں۔ ایک بیٹا بھی ملک سے باہر ہے۔ ایک بیٹا اپنی بیوی کے ساتھ یہیں رہتا ہے۔ باقی پوتے پوتیاں وغیرہ بھی ہیں جس شخص کا انتظار کیا جا رہا تھا اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کون ہے۔ غرض یہ کہ ڈنر پر اچھا ماحول رہا لیکن دوسری صبح ناشتے پر ایک اور دلچسپ شخصیت سے ملاقات ہوئی۔ یہ ایک مجہول سا انسان تھا۔ لمبے لمبے بال، چھوٹا سا قد، دبلا پتلا جسم، عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان ہوگی، بال بکھرے ہوئے تھے۔ ناشتے پر اچانک ہی نمودار ہوا تھا۔ اس وقت بھی تمام لوگ تھے آتے ہی اس نے مجھے دیکھا اور بولا۔

''ارے واہ!''

جو نقش ہے بستی دھوکہ نظر آتا ہے
پردے پر مصور ہی تنہا نظر آتا ہے''

''عاشق..... عاشق.....''

''ارشاد..... ارشاد.....'' دبلے پتلے آدمی نے خان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے نا تعارف نا کچھ۔ آخر تم کہاں سے مرے''

''زمانۂ نمودیت سے تو ناواقف ہوں لیکن ان لمحات میں
نا جادو، نا افسوں گری چاہتا ہوں
فقط حسن سے دلبری چاہتا ہوں۔''

''اور اگر دلبری میں کر دو تو کیا ہرج ہے۔ بہتر ہے کہ ناشتہ کرو اور عزت سے ناشتہ کرو۔''

''کمال ہے..... کمال ہے..... کمال ہے۔
آنکھیں موند کنارے بیٹھو من کے رکھو بند کیواڑ
انشاء جی لو دھاگا لو اور لب سی لو خاموش رہو
بس جناب ٹھیک ہے ناشتہ کرتے ہیں''

''یار کبھی اپنا بھی کوئی شعر سنا دیا کرو عاشق جمال۔ بیٹے یہ ہمارے سالے ہیں۔ اب کون سے رشتے سے سالے ہیں۔ جب آدمی اپنے آپ کو سالا کہہ دے تو پھر بہت سی باتیں نظر انداز کرنا پڑتی ہیں۔ بہرحال بیگم کہتی ہیں کہ رشتے کے کوئی بھائی ہیں۔ بدنصیب صرف شاعری کرتے ہیں، کھاپی دوسروں کے ہاں لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں اکثر ان کا نزول ہوتا ہے۔''

یہ الفاظ خان آصف علی نے انگریزی میں مجھ سے کہے تھے۔

''کیا مطلب خاتون اُردو نہیں سمجھتیں؟'' ماموں عاشق جمال نے افسوس بھرے

لہجے میں کہا۔

''جی ہاں! یہ کوسٹاریکا سے آئی ہیں۔ سان جوس میں ان کا شہر ہے، اسپینش زبان بولتی ہیں لیکن انگریزی بھی جانتی ہیں۔ تعارف مکمل چنانچہ۔''

''بائے..... کیا کہوں بس!

یا رب میرے سکوت کو نغمہ سرائی دے
زخمِ ہنر کو حوصلۂ لب کشائی دے

بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اشعار تو اُردو میں ہی سناؤں گا۔ اتنی اچھی انگریزی نہیں ہے کہ ان اشعار کو انگریزی میں ترجمہ کر کے گوش گزار کروں۔''

''یار تو ناشتہ کر۔ کیوں فضول باتیں کر کے میرا دماغ خراب کر رہا ہے۔ چلو نیزا بیٹے ناشتہ کرو۔''

مجھے یہ کردار بہت دلچسپ لگا تھا۔ دل چاہا تھا کہ خوب ہنسوں اس پر۔ اب یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ اُردو سے ناواقفیت کا اظہار کر کے غلطی کی ورنہ اس قسم کے کردار تو آئیڈیل ہوا کرتے ہیں۔ وہ شخص جس کی رات کو ناموجودگی کا شکوہ کیا گیا تھا اس وقت بھی موجود نہیں تھا کیونکہ سارے لوگ جانے پہچانے تھے۔ لیکن دوپہر کو کچھ تبدیلی رونما ہوئی۔ ایک بھرے بھرے بدن کا نوجوان آدمی اچانک میرے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ چہرے ہی سے سرکش معلوم ہوتا تھا۔ شکل وصورت اچھی خاصی تھی لیکن یہ سرکشی اس کی شخصیت کو کسی قدر خراب کر دیتی تھی۔

''بہت تذکرے ہوئے ہیں اس معزز مہمان کے بارے میں جو یہاں آ کر گم ہو گیا تھا اور اس کے بعد اچانک ہی دستیاب ہو گیا۔ میرا نام نادر علی ہے۔ خان آصف علی کا پوتا ہوں۔ بن ماں باپ کا بچہ ہوں یا اگر ماں باپ ہیں بھی تو کم از کم میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ یہ ساری صورتحال ہے۔ آپ کے بارے میں بڑی تفصیلات سنی تھیں اور یہ بھی سنا تھا کہ آپ اردو نہیں جانتیں افسوس مجھے اسپینش نہیں آتی۔ آپ کی انگریزی کیسی ہے؟''

مجھے کچھ نہ کچھ تو بولنا ہی تھا۔ تعارف اس نے کرا دیا تھا۔ میں نے کہا۔

''میری انگریزی اچھی ہے..... جاہل نہیں ہوں۔ لیکن ایک بات بتایئے یہ گھر آپ کا ہے نا؟''

''کیا مطلب؟'' وہ بولا۔

''یہ حویلی کی کوٹھی آپ ہی کی ہے نا؟''

''جی میری ہے۔''

''کبھی کبھی مہمان بھی آتے ہوں گے یہاں؟''

''آتے ہیں..... بہت زیادہ ذہین بننے کی کوشش نہ کیجئے گا آپ واقعی بے حد خوبصورت ہیں اور کوئی بھی آپ کو دیکھ کر اپنے ہوش وحواس کھو سکتا ہے۔ لیکن شکر ہے میرے ہوش وحواس ابھی باقی ہیں اور میں بہت جلدی کسی سے اتنا متاثر نہیں ہوتا کہ وہ میری زندگی پر حاوی ہو جائے۔ مجھ سے جو سوال آپ کرنا چاہیں ذرا صاف اور آسان زبان میں کریں تو زیادہ اچھا ہوگا۔''

''کیا کسی لڑکی کے کمرے میں دستک دیئے بغیر گھس آنا چاہئے؟'' میں نے سوال کیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''آپ جس طرح میرے کمرے میں آئے اس سے یہ اظہار کرنا چاہتے ہیں آپ کہ یہ گھر آپ کا ہے اور آپ جہاں چاہیں جس انداز میں جا سکتے ہیں۔'' وہ سوچنے لگا پھر بولا۔

''ٹھیک کہتی ہیں آپ اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔ بس طبیعت میں بے صبری ہے۔ ڈانٹا گیا تھا کہ مہمان آئے ہیں اور میں گھر سے غائب ہوں۔ رات کو ڈنر پر بھی میرا انتظار کیا گیا اور صبح ناشتے پر بھی۔ میں نے سوچا کہ ذرا دیکھوں تو سہی کون مہمان ہے۔ سو کمرہ معلوم کر کے یہاں تک چلا آیا اور پھر واقعی غلط طریقے سے اندر داخل ہوا ہوں۔ چلیے معذرت کر لی اب بتائیں باہر چلا جاؤں یا رکوں کچھ دیر۔''

''نہیں معذرت کے بعد رکنے میں کوئی حرج نہیں ہے، تشریف رکھئے۔''

''شکریہ تو آپ کوسٹاریکا سے آئی ہیں؟''

''جی!''

''سان جوس میں رہتی ہیں؟''

''جی!''

''دادا ابو کے دوست کی بیٹی ہیں؟''

''جب آپ نے تعارف کرا دیا ہے اپنا اور مجھے بھی پتا چل گیا ہے کہ آپ آصف علی خان صاحب کے پوتے ہیں تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ جی ہاں۔''

''ہاں میں نے بہت سنا تھا نام ہاشم ولی صاحب کا انتقال ہو چکا ہے نا ان کا؟''

''ہاشم ولی صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور والدہ؟''

''وہ بھی نہیں ہیں۔''

''مجھے افسوس ہوا، چلئے آپ سے ملاقات ہوگئی۔ میں شام کی چائے پر آپ سے نہیں ملوں گا لیکن ڈنر پر موجود رہوں گا۔ آپ پلیز ذرا یہ بات کہہ دیجئے کہ میری آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔ او کے خدا حافظ''

وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔ میرے ذہن پر بس اتنا ہی سا تاثر پیدا ہوا تھا کہ اچھی شکل و صورت کا ایک بدتمیز سا آدمی ہے لیکن غلط نہیں ہے۔ جتنے دولت مند خاندان کا وہ چشم و چراغ ہے اس میں کسی بگڑے ہوئے رئیس زادے کا یہی حلیہ اور حال ہونا چاہئے تھا۔

بہرحال اگر کوئی ذہنی کوفت نہ ہوتی تو یہ ماحول کافی دلچسپ تھا۔ نئے نئے کردار نئے نئے لوگ مزے دار فضا تھی۔ حویلی بھی بہت ہی خوبصورت تھی۔ زمانہ قدیم کی تعمیر کی ہوئی، لیکن اس میں کافی تبدیلیاں کرا لی گئی تھیں۔ دو حصے تھے اس کے میری رہائش گاہ جس کمرے میں تھی وہاں سے حویلی کا وہ قدیم حصہ بھی نظر آتا تھا جو کافی بوسیدہ تھا اس کی دیواریں سرخی کے ساتھ پیلا رنگ اختیار کر گئی تھیں۔ لندن کے کچھ علاقوں میں ایسی قدیم

عمارتیں موجود تھیں جن کا طرز تعمیر بھی بہت پرانا ہوتا تھا۔ مجھے ایسی عمارتیں پسند تھیں۔ ان میں سے ایک عمارت فیسا ہاؤس تھی۔

فیسا ہاؤس کے بارے میں بڑی بڑی دلچسپ داستانیں مشہور تھیں۔ فیسا ہاؤس کی مالک ایک بوڑھی عورت تھی جو اس کے ایک حصے میں رہتی تھی۔ ایک بار ہم ایک پروگرام بنا کر وہاں گئے تھے اور وہاں سے عجیب سا تاثر لئے واپس لوٹے تھے۔ کافی دن تک وہ تاثر میرے ذہن پر قائم رہا تھا۔ حالانکہ میں مارشل آرٹس کی ماہر تھی اور ہم لوگ خاصے نڈر ہو جایا کرتے ہیں لیکن فیسا ہاؤس نے میرے ذہن پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا میں اکثر اپنی رہائش گاہ کی کھڑکی سے حویلی کے اس قدیم حصے کو دیکھتی رہتی تھی۔ اس طرف غالباً کوئی بھی کبھی نہیں جاتا تھا۔ لیکن میرے اپنے حساب سے وہ جگہ بہت حسین تھی۔

مجھے یہاں آئے ہوئے پانچ چھ دن ہو چکے تھے۔ اس دوران میں یہاں رہنے والے تمام لوگوں سے اچھی خاصی بے تکلف ہوگئی تھی۔ ابھی تک میں نے اپنی اُردو دانی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ یہ سوچ میرے ذہن پر ہمیشہ سوار رہتی تھی کہ آخر راؤ حیات اللہ نے مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے۔ ابھی تک تو کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس سے یہ اندازہ ہو کہ راؤ مجھ سے کوئی خاص کام چاہتا ہے۔ اس دوران ایک شخصیت باقاعدہ میرے اوپر مسلط رہی تھی اور یہ تھے جناب ماموں عاشق جمال۔ روزانہ نازل ہونے لگے تھے اور بڑی بے تکلفی سے مجھے چاروں طرف تلاش کرتے پھرتے تھے اور اس کے بعد مجھے الٹے سیدھے اشعار سنایا کرتے تھے۔ بے چارے کی انگلش اچھی نہیں تھی۔ اردو میں اشعار سناتے اور اس کے بعد انگلش میں ان کا الٹا سیدھا ترجمہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن کہنے لگے۔

''کبھی کتابوں میں پھول رکھنا
کبھی درختوں پر نام لکھنا
ہمیں بھی یاد آج تک وہ
نظر سے حرفِ سلام لکھنا''

شعر بہت خوبصورت تھا۔ لیکن انہوں نے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے وہ ریڑھ لگائی کہ قہقہے روکنا مشکل ہوگیا اور بھی کئی کردار تھے یہاں آصف علی خان بہت ہی عمدہ شخصیت کے مالک تھے۔ بڑی محبت کرنے والے اور میں سوچتی تھی کہ اگر اس شخص کو میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔ اس دوران راؤ حیات اللہ کی طرف سے بھی کوئی رابطہ نہیں قائم ہوا تھا۔

حویلی میں بہت سے ملازم بھی تھے اور میرے سلسلے میں سب کے سب مستعد رہا کرتے تھے۔ غالباً خان آصف علی صاحب نے میرے بارے میں مخصوص ہدایات کردی تھیں۔ ادھر نادر علی صاحب تھے، اپنی ذات میں نادر، بہت ہی بگڑا ہوا لڑکا تھا۔ کبھی اتنا خوش مزاج کہ اس کی باتوں پر لوگ خوب ہنسا کرتے تھے اور کبھی اتنا خشک کہ منہ دیکھنے کو دل نہ چاہے۔ میرے ذہن میں اس کے لئے کوئی خاص تاثر نہیں تھا، نہ میں ایسے کسی مقصد کے تحت یہاں آئی تھی مجھ سے کئی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ لیکن نا کبھی اس نے مجھ سے کسی خاص رغبت کا اظہار کیا تھا اور نہ میں نے اس سے۔

پھر ایک دن حویلی کی ایک ملازمہ میرے پاس آئی۔ صغیرہ نام تھا اس کا۔ بھاری بھرکم بدن کی مالک کوئی پینتیس سالہ عورت تھی۔ میں نے اسے بارہا اپنے کام کرتے ہوئے دیکھا تھا اور میرے دل میں اس کے لئے کوئی خاص تاثر پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس دن دوپہر کا وقت تھا اور میں اپنی آرام گاہ میں لیٹی آرام کر رہی تھی کہ وہ اندر داخل ہوگئی۔ اس نے اُردو میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے بی بی جی کہ آپ کو بہت اچھی اردو آتی ہے میں البتہ انگریزی نہیں جانتی۔''

میں نے حیرت سے اُسے دیکھا تو وہ بولی۔

''راؤ جی نے مجھے بتا دیا ہے کہ آپ بہت آرام سے اُردو بول سکتی ہیں۔ اگر آپ اُردو نہ بول رہی ہوتیں تو میرا کام مشکل ہو جاتا۔ میں آپ سے پہلی بات یہ کہتی ہوں کہ میں راؤ حیات اللہ کے لئے کام کرتی ہوں اور یہاں اس حویلی میں ان کی خاص آدمی ہوں۔''

اب مجھے اس کی جانب متوجہ ہونا پڑا تھا۔ اس کے یہ الفاظ حیثیت رکھتے تھے۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ بولی۔

''آپ مجھ سے بات کیجئے۔''

''ہاں بولو! کیا بات کرنی ہے مجھ سے۔ کیا تم نے باہر کے ماحول کا جائزہ لے لیا ہے؟''

''جی! شرمین بی بی۔'' اس نے کہا اور یہ آخری بات تھی۔ شرمین کے نام سے مجھے راؤ جانتا تھا۔ یہاں تو میں نیزا کنول تھی۔

''شرمین بی بی پہلی بات تو آپ سے یہ کہنی ہے کہ آپ بہت اچھی ہو، مجھے بھی آپ سے بڑی محبت ہوگئی ہے، اتنی پیاری شکل وصورت ہے آپ کی۔ اور پھر آپ جس طرح ہر ایک کے ساتھ نرمی سے پیش آتی ہو کسی کو نوکر نہیں سمجھتیں، جبکہ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ انسان کو انسان سمجھنا بڑا مشکل کام ہے سوائے خان صاحب کے سارے کے سارے لوگ مغرور ہیں۔ مگر آپ بڑی آدمی ہو جی، مجھے جو کچھ حکم ملا ہے وہی میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔ پہلی بات تو راؤ صاحب نے یہ کہی ہے کہ میں آپ سے کہہ دوں کہ یہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر آپ کہیں خان آصف علی کو اپنے بارے میں نا بتا دیں میرا مطلب ہے اپنے گھر بار اور اپنے خاندان کے بارے میں۔ حسین نگر کا کوئی تذکرہ یہاں نہیں ہونا چاہئے، باقی ساری باتیں اپنی جگہ ہیں۔''

''ہوں..... اور کچھ؟''

''راؤ صاحب یہ معلومات حاصل کر رہے تھے مجھ سے کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے جی کہ آپ سے کہہ دوں کہ اب آپ اصل کام شروع کر دیں۔''

''اصل کام؟''

''ہاں!''

''کون سا اصل کام؟''

''وہی آپ کو بتا رہی ہوں۔''

''بتاؤ۔'' میں نے کہا۔ وہ رازداری سے بولی۔

''بی بی اصل کام آپ کا یہاں یہ ہے کہ نادر میاں کو اپنی جانب متوجہ کریں۔ راؤ صاحب کا خیال تھا کہ آپ جتنی خوبصورت ہیں نادر میاں خود آپ کی جانب متوجہ ہوں گے، انہوں نے مجھ سے اس بارے میں سوال کیا تو میں نے انہیں ساری بات تفصیل سے بتا دی کہ ابھی تک کوئی ایسی بات دیکھنے میں نہیں آتی کہ نادر میاں آپ کی طرف متوجہ ہوں۔ بڑے سپاٹ طریقے سے وہ آپ سے اور آپ ان سے ملتی ہیں جبکہ راؤ صاحب کا آپ کو یہاں بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ آپ نادر میاں کو اپنے جال میں پھانسیں۔''

''راؤ صاحب کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ میں یہ سب کچھ کرنے کے لئے تو پاکستان نہیں آئی۔''

''یہ بات میں بالکل نہیں جانتی۔ اگر آپ مجھ پر ناراض بھی ہوں گی تو آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں تو بس بیچ کی ایک شخصیت ہوں اگر یہ بات کہنا چاہیں کہ آپ راؤ صاحب کی ہدایت پر کام نہیں کرنا چاہتیں تو میں راؤ صاحب کو اطلاع دے دوں۔''

مجھے نرم ہونا پڑا۔ یہ تو موت کی کہانی تھی۔ اگر میں یہ بات کہہ دیتی ہوں راؤ حیات اللہ سے کہ میں اس طرح کا کوئی کام نہیں کر سکتی تو پھر میرے سامنے موت کی زنجیر لٹک رہی تھی۔ واقعی اگر میں خان آصف علی کا سہارا لینے کی کوشش بھی کرتی تو میری بات کون سنتا۔ مجھے مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کے قتل کے الزام میں مجرم قرار دیا جا چکا تھا۔ اپنی صفائی کے لئے بھلا میں کیا کر سکتی تھی۔ کوئی ذریعہ نہ رہتا زندگی بچانے کا۔ ان تمام باتوں کو سوچنے کے بعد میں نے صغیرہ سے کہا۔

''لیکن تم خود سوچو صغیرہ راؤ صاحب سے بات بھی کرو کہ اگر کوئی شخص کسی کی جانب متوجہ ہی نہ ہو تو وہ کیا کرے۔''

''راؤ صاحب کا کہنا ہے کہ نادر علی ایک بگڑا ہوا آدمی ہے اس کے لچھن بھی زیادہ اچھے نہیں ہیں۔ اگر آپ تھوڑی سی کوشش کریں گی تو وہ آپ کی جانب متوجہ ہو جائے گا۔''

''اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہے؟''

''نہیں اس کی ابھی کوئی اطلاع نہیں ملی ہے مجھے۔''

''ٹھیک ہے راؤ صاحب سے کہہ دینا کہ میں آج سے اس کام کا آغاز کرتی ہوں۔'' میں نے بے چارگی سے کہا اور صغیرہ نے گردن ہلا دی اس کے بعد وہ خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔ لیکن میرے لئے تو سوچوں کے پہاڑ کے پہاڑ تھے۔ میں کر بھی کیا سکتی تھی۔ پتا نہیں یہ راؤ حیات اللہ آخر چاہتا کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں بری طرح اس کے چنگل میں پھنس گئی تھی جس قدر حیثیت والا تھا یہ شخص اس کا بھی مجھے اندازہ ہو چکا تھا۔

بہرحال لندن میں رہ کر بھی میرا ایک اپنا کردار تھا۔ باقی ساری تفریحات اپنی جگہ تھیں لیکن میرا کوئی ایسا بوائے فرینڈ نہیں تھا جس کے ساتھ میں بے تکلفی سے رنگ رلیاں مناتی ہوتی۔ کئی بار میری ساتھی لڑکیوں نے مجھ پر طنز بھی کئے تھے۔ یہ وہاں کا ماحول تھا لیکن مجھے جو تربیت ملی تھی وہ ذرا مختلف تھی اور میں ان تمام چیزوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اب پہلی بار یہ اُفتاد بھی مجھ پر پڑ رہی تھی۔ نادر علی حالانکہ ایک خوش شکل اور اچھی شخصیت کا مالک نوجوان تھا لیکن میرے ذہن میں اس کے لئے ابھی تک کوئی ایسا تاثر نہیں پیدا ہوا تھا۔

بہرحال اس رات ڈنر کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی آج میں نے بہت ہی خوبصورت لباس پہنا تھا اور اپنے آپ کو مزید پرکشش بنانے کی کوشش کی تھی۔ سب ہی کی نگاہوں میں میرے لئے تحسین کے جذبات تھے۔ نادر علی بھی آج کچھ عجیب ہی موڈ میں نظر آیا۔ ڈنر ٹیبل پر اس نے کئی چیزیں میری جانب بڑھائیں تھیں اور بعد میں ڈنر کے بعد جب میں باہر نکلی تھی تو اس نے کہا۔

''موسم کچھ ضرورت سے زیادہ ہی خوشگوار ہے آپ نے ہماری حویلی کی چھت دیکھی۔''

''ہاں دو بار جا چکی ہوں۔''

''آپ کو ایک بات بتاؤں میں، وہ جو قدیم طرز کا ایک گنبد بنا ہوا ہے نا، اگر میں

کبھی چاند کی چودھویں رات کو گھر پر ہوتا ہوں تو وہاں اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔ آپ یقین کریں وہ جگہ مجھے سبز پریوں کی کہانی سناتی ہے آپ کو پتا ہے آج چاند کی چودہ تاریخ ہے۔''

''مجھے چاند کی تاریخوں کے بارے میں معلومات نہیں ہوتیں۔''

''تو پھر آیئے آج میری طرف سے چاند کی دعوت۔''

میں آہستہ سے ہنس دی۔ اچھی دعوت تھی یہ۔ میں اپنے کمرے میں چلی گئی، میں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا کہ میں چاندنی رات اس کے ساتھ مناؤں گی اور وہ بھی مقررہ وقت پر پہنچ گیا۔

''آیئے چلتے ہیں اوپر۔''

حویلی کی چھت پر دو بار جا چکی تھی۔ بہت بلند چھت تھی اور وہاں سے منظر بہت اچھے نظر آتے تھے۔ لیکن رات میں میں کبھی وہاں نہیں گئی تھی، میں حویلی کی چھت پر پہنچ گئی، نادر آج ضرورت سے زیادہ ہی میری جانب متوجہ نظر آ رہا تھا۔

''مرزا غالب ایک رات ایک طوائف کے ساتھ چھت پر گئے تھے چاند کی چودہ تاریخ تھی۔ انہوں نے اپنی محبوبہ کو چودھویں کا نام دیا تھا۔ میرا خیال ہے آج وہ اعزاز آپ کو دے دیا جائے۔''

''اگر آپ سادگی سے یہ الفاظ کہہ رہے ہیں اور نمود نہیں کر رہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تو میں خاموش ہوئی جاتی ہوں۔ ورنہ آپ خود بتا چکے ہیں کہ مرزا غالب نے ایک طوائف کو چودھویں کا نام دیا تھا۔''

اسے جیسے ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوگیا وہ دانتوں تلے زبان دبا کر بولا۔

''سوری ..... سوری ..... واقعی آپ یقین کرلیں میرا مطلب صرف آپ کو چودھویں کا خطاب دینا تھا، طوائف وغیرہ کا سلسلہ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔''

''چلئے کوئی بات نہیں ہے، میں کسی جذبے کو نظر انداز نہیں کرتی۔''

''شکریہ۔ ویسے ایک بات بتایئے کوستاریکا میں کیا آپ کو کوئی ایسی محفل ملی ہوئی

ہے جہاں اس قسم کے کلاسکس ہوتے ہوں۔ آپ ایک ایسی غیر معروف جگہ رہ کر بھی مرزا غالب کو جانتی ہیں اور وہ بھی انگریزی میں۔''

''کیوں نہیں مرزا غالب انٹرنیشنل شخصیت ہیں۔ وہ انگریزی میں بھی ہیں، اسپینش میں بھی ہیں اور کئی دوسری زبانوں میں ان کی سوانح حیات موجود ہے۔ آپ انہیں اُردو ہی کی ملکیت کیوں سمجھتے ہیں۔''

''بڑی اچھی بات کہی آپ نے۔''

''ویسے مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ آپ کو بھی لٹریچر سے دلچسپی ہے۔''

''کیوں؟ آپ نے مجھے اتنا بدذوق کیوں سمجھ لیا۔'' نادر بولا۔

''نہیں بالکل نہیں بدذوق دل کی بات نہیں ہے اصل میں آپ کا مزاج ذرا مختلف قسم کا ہے۔ میں نے آپ کو گھر پر بہت کم دیکھا ہے۔ آپ لاابالی سی فطرت کے مالک ہیں۔ اس لئے میں نے یہ بات کہہ دی تھی۔''

''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ اصل میں میری تربیت کچھ اس انداز میں ہوئی ہے کہ میں گھر سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتا اور پھر معاف کیجئے گا، یہاں ایسے کردار بھی نہیں ہیں جن میں دلچسپی کا کوئی عنصر ہو۔ بس گزارے والی بات ہے۔''

''ٹھیک۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دوستوں کا حلقہ ادبی ہے؟''

''افسوس ایسی بات نہیں ہے، جو تھوڑی بہت شُد بُد ہے اس کا تعلق صرف میری اپنی ذات سے ہی ہے۔''

نادر آہستہ آہستہ کھلتا جا رہا تھا۔ بری شخصیت کا مالک نہیں تھا وہ اور پھر کمبخت راؤ حیات اللہ نے میری یہ ذمہ داری بھی لگا ڈالی تھی چنانچہ جس قدر ان معاملات سے میری واقفیت ہوسکتی تھی میں نے اسے استعمال کیا اور نادر نے یہ وقت بڑی خوشی سے میرے ساتھ گزارا۔ پھر اس کے بعد نادر کا رویہ تبدیل ہوتا چلا گیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ میرے ساتھ نظر آنے لگا تھا۔ ایک دن صغیرہ نے موبائل فون پر میری بات راؤ حیات سے بھی کرائی اور راؤ نے کہا۔

''ویری گڈ شرمین مجھے تم سے یہی اُمید تھی کہ تم اس سلسلے میں ضرور کوئی اچھی کارروائی کرو گی۔ صغیرہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اب نادر زیادہ تر تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔''

''راؤ صاحب میں تو اپنا کام کر رہی ہوں۔ لیکن۔''

''ہاں میں جانتا ہوں .....تم بالکل بالکل بے فکر رہو۔ میں نے ہر طرح سے کوششیں کر ڈالی ہیں۔ شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ اس وقت میرے پانچ آدمی صرف تمہارے والد کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک ایسے شخص کو جو ایک ماہر تجوری توڑنے والا ہے مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کے گھر لگایا ہے اور کہا ہے کہ وہ اس طرح کا ریکارڈ حاصل کرے جس سے تمہارے والد کے بارے میں کچھ تفصیلات معلوم ہوں۔ کیا سمجھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے حسین نگر بھی اپنے دو آدمیوں کو بھیجا ہے اور ایک طریقہ کار منتخب کیا ہے۔ حسین نگر میں مکمل تفتیش کی جائے گی اور کچھ ہی وقت کے بعد مجھے رپورٹ حاصل ہو جائے گی کہ وہاں کتنے افراد ہیں، کون کون ہے اور تمہارے والد کے بارے میں وہ کیا رائے رکھتے ہیں۔ کافی کام کیا ہے میں نے۔ معلومات کر رہا ہوں اور تفتیش بھی کر رہا ہوں۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ میں بہت جلد کسی ایک ایسی عورت کو حسین نگر میں تمہارے خاندان کے کسی فرد سے منسلک کر رہا ہوں جو وہاں تمہارے والد کے بارے میں تفصیلات معلوم کرے گی۔ تمہارے والد حیات حسین کب اور کہاں ہو سکتے تھے اس بارے میں مکمل تفصیلات بہت جلد میرے علم میں آ جائیں گی۔ تمہیں میری ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔''

''شکریہ''۔

''ہاں ایک بات اور جو میں تم سے خاص طور سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ تم خود نادر سے متاثر نہیں ہو گی میرا مطلب ہے کہ تمہاری نادر سے جو دوستی ہو گی وہ صرف میرے لئے ہو گی اور جب بھی میں تم سے کہوں کہ اب اس کے پاس سے ہٹ جاؤ تو تم اپنا دل اس سے نہیں لگا سکو گی۔''

''جی راؤ صاحب''۔ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں میں تمہاری ذات پر کوئی کیچڑ نہیں اچھالنا چاہتا۔ بالکل بے فکر رہو۔ میں نے تمہیں بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے کام کے لئے تیار کیا ہے۔ تمہاری شخصیت بھی میرے علم میں ہے۔ میں نے صرف تمہیں یہ بتایا کہ وہاں تمہیں صرف ایک کام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔''

''جی۔''

''اور میں بھی تمہیں بہت جلد ایک اچھی خبر دوں گا۔ یعنی تمہارے والد کے بارے میں تفصیل۔''

''راؤ صاحب آپ لوگوں کے درمیان رہ کر میں اپنی شخصیت کے بہت سے رُخ بھول گئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے والد کے دیس میں کوئی ایسا کام نہ کروں جو کسی شکل میں غلط ہو جائے۔ ایسی صورت میں بہتر یہی ہے کہ جن لوگوں سے میرا واسطہ پڑے میں ان سے مخلص رہوں اور وہ مجھ سے اسی میں سب کی بہتری ہے ورنہ اگر ہم ذرا بھی برائی پر اُتر آئیں تو پھر پاؤں کے نیچے دبی ہوئی چیونٹی خاصی تکلیف پہنچا دیتی ہے۔''

''او کے.....او کے ٹھیک ہے۔''

میں نے موبائل فون صغیرہ کو واپس کر دیا اور اس کے بعد بہت دیر تک راؤ کی باتوں پر غور کرتی رہی۔ کیا عجیب کہانی تھی میری بھی لیکن تھی الجھی ہوئی ہی۔ وہ وقت جب ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا تھا اچھا گزر گیا تھا لیکن اس کے بعد کمبخت پیشین گو نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ بالکل درست ہی نکلی تھی۔ فرمانہ ذامن کو خدا غارت کرے۔ کالی زبان والی نے ایسی فضول بات کی تھی کہ بس سب کچھ ختم ہی ہو کر رہ گیا تھا۔ اپنے دیس میں بھٹک رہی تھی اور اس طرح بے یار و مددگار تھی کہ اگر غور کرتی تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔

نادر اب زیادہ تر میرے آس پاس ہی دیکھا جاتا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری جانب کافی متوجہ ہو گیا ہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اپنی اکھڑ اور بدمزاج فطرت

کے باوجود ایک اچھے ادبی ذوق کا حامل تھا اور بعض اوقات اس کی باتیں مجھے پسند بھی آنے لگتی تھیں لیکن صرف پسندیدگی کی حد تک البتہ وہ تھوڑا سا متاثر ہوتا جا رہا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں نے اہل خانہ کا رویہ دیکھا تھا۔ خاص طور پر آصف علی خان کا کہ نادر کے میری جانب متوجہ ہونے سے ان پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ خوش نظر آتے ہیں اور ان کی توجہ میری جانب کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے۔

پھر ایک پکنک منائی گئی۔ اس کا انتظام بھی نادر ہی نے کیا تھا گھر کے تمام افراد شریک تھے۔ ایک بہت ہی خوبصورت پوائنٹ پر تمام لوگ ضروری تیاریوں کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ ساحل سمندر تھا اور ذرا مختلف انداز کا۔ یہاں اونچی اونچی پہاڑی چٹانیں ایک حسین منظر پیش کرتی تھیں۔ بڑے زبردست انتظامات کئے گئے تھے۔ کئی گاڑیاں تھیں۔ اس خاندان کے چند اور افراد بھی اس پکنک میں شریک ہوئے تھے۔ سب لوگ اپنے اپنے طور پر اس پکنک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ نادر نے خصوصاً مجھ سے کہا۔

''آؤ نیزا میں تمہیں ایک خوبصورت چٹان دکھاتا ہوں، جو قدرتی طور پر بہت حسین بنی ہوئی ہے۔''

فاصلہ کافی تھا۔ ہم لوگ اس چٹان کے پاس پہنچ گئے۔ واقعی بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ کافی اونچی چٹان تھی اور اس کے نچلے حصے میں ایک سوراخ تھا۔ سمندر کا پانی جب اس سوراخ سے ٹکراتا تو طاقت کے ساتھ فوارے کی شکل میں اچھلتا اور کافی اونچا چلا جاتا۔ ایک ایسی جگہ منتخب کر لی گئی جہاں پانی ہمیں بھگو نہیں سکتا تھا۔

''بیٹھو۔''

میں بیٹھ گئی۔ نادر مجھ سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

''نیزا میں تمہارے بارے میں تو نہیں کہہ سکتا لیکن میں نے اپنی زندگی میں ایک انوکھی تبدیلی محسوس کی ہے۔ نیزا فطری طور پر مختلف رہا ہوں۔ میرے بارے میں شاید تمہیں اتنی تفصیلات نہ معلوم ہوں یا معلوم ہوں میں نہیں جانتا، مختصر الفاظ میں تمہیں بتاؤں میرے والد اور والدہ کے درمیان کافی فاصلے رہے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو

ناپسند کرتے تھے۔ میرے والد نے میری والدہ کے ساتھ ہمیشہ بدسلوکی کی۔ وہ لوگ یہاں نہیں رہے بلکہ ملک سے باہر رہے یہاں تک کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا اور میرے والد مجھے میرے نانا کے حوالے کر کے کہیں روپوش ہوگئے۔ بے شک میرے نانا یعنی آصف علی خان نے میری پرورش اور خوشیوں کے لئے کوئی کمی نہیں چھوڑی لیکن بس میں نے اپنے ہوش کے عالم میں اپنی والدہ کے ساتھ ہونے والے مظالم دیکھے اور پھر ان کی موت کا منظر بھی میری آنکھوں کے سامنے رہا۔ مجھے اپنے باپ سے نفرت ہوگئی۔ والدہ کی موت کے بعد وہ بھی چلے گئے۔ میں نانا کے پاس آ گیا لیکن کچھ عجیب سی صورتحال نکلی اور میرے نانا میرے لئے سب کچھ کرتے رہے۔''

''مگر ایک بڑی عجیب بات ہے۔''

''کیا؟''

''مجھے تو پتا چلا تھا کہ خان صاحب آپ کے دادا ہیں۔'' جواب میں وہ مسکرا دیا پھر بولا۔

''بعض گھروں میں رشتے بڑے انوکھے انداز میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔ کچھ اور لوگ آصف علی خان صاحب کو دادا جی دادا جی کہتے تھے۔ میں نے بھی اسی انداز میں انہیں دادا جی کہنا شروع کر دیا۔ جو رشتے ہیں وہ اپنی جگہ الفاظ ذرا بدل گئے تھے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ نیزا ایک بات بتاؤ تم کوسٹاریکا سے آئی ہو۔''

''کیوں..... آپ نے اس طرح کیوں پوچھا؟''

''نہیں میرے اس سوال میں کوئی شبہے والی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر؟''

''میں بات شروع کر رہا ہوں۔''

''کیجئے۔''

''کوسٹاریکا میں ہاشم ولی میرے دادا کے دوست ہیں۔''

''ہاں!''

''میرا مطلب ہے وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

''کون؟'' میں نے سوال کیا۔ یہ بات میرے دل پر چوٹ کی حیثیت سے لگتی تھی کہ کوئی مجھ سے میرے والد کے بارے میں پوچھے اور میں اس سے کہوں کہ وہ مر چکے ہیں۔ ایسا میں مرتے وقت بھی نہیں کر سکتی تھی اس لئے الفاظ کو گول مول کر لیا کرتی تھی۔''

''میرا مطلب ہاشم ولی سے ہے۔''

''ہاں! ہاشم ولی مر چکے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہاں اور کون کون ہے؟''

''میری ایک آنٹی''

''اور والدہ؟''

''وہ مر چکی ہیں۔'' میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

''اوہ.....''

''آپ کو یہ باتیں پہلے سے نہیں معلوم تھیں؟''

''نہیں مجھے پہلے سے نہیں معلوم تھیں۔''

''پھر کیسے پتا چلیں؟''

''میں نے معلومات حاصل کی۔''

''کب؟''

''بس چند روز پہلے۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ میرا دل تمہاری جانب راغب ہو چکا تھا۔''

''جی!''

''ہاں! شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ ہوٹلوں، نائٹ کلبوں، دوستوں کی محفلوں میں بہت سی لڑکیاں میرے قریب آئیں، دیکھو محسوس مت کرنا میری بات کو یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ نانا جان یعنی آصف علی خان نے میرے لئے بہت سی دولت مخصوص کی

ہے اور میں ایک دولت مند آدمی سمجھا جاتا ہوں، لڑکیوں کو اس کے علاوہ اور کیا چاہئے وہ میری طرف متوجہ ہوتی ہیں لیکن میں فطری طور پر کبھی ان سے متاثر نہیں ہوا۔ تھوڑا بہت ہنسی مذاق اپنی جگہ ہوتا ہے اس سے انکار نہیں کروں گا لیکن میں نے بہت زیادہ قدم کبھی آگے نہیں بڑھایا۔ مگر میرا دل تمہاری جانب راغب ہو رہا ہے اور میں زندگی کے اس گرداب میں پھنسنا چاہتا ہوں جسے محبت کا گرداب کہتے ہیں۔ آج کی یہ پکنک ہمارے درمیان ایک فیصلہ کن راستہ متعین کرے گی۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم مجھے قبول کر سکتی ہو۔''

بڑا پریشان کن سوال تھا۔ ظاہر ہے مجھے جھوٹ بولنا تھا اور میں جھوٹ بولنے کی عادی نہیں تھی۔ وہ میرا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ راؤ حیات اللہ جو چاہتا تھا مجھے وہی کرنا تھا کیونکہ جس طرح اس نے میرے والد کی تلاش کے لئے اپنی کوششوں کے بارے میں تفصیل بتائی تھی۔ اس سے مجھے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ راؤ حیات اللہ ضرور میرے والد کو تلاش کر لے گا، لیکن اس شرط پر کہ میں بھی اس کی ہدایت پر عمل کروں۔ اگر میں نادر سے متاثر ہونے کا اقرار کر لوں تو اس کے بعد میں نہیں جانتی تھی کہ حالات کیا رُخ اختیار کریں گے۔ پریشانی کی بات تو تھی کیونکہ نا تو میرے دل میں نادر کے لئے کوئی ایسی جگہ پیدا ہوئی تھی نا میں ایسا کوئی عمل کرنے کے لئے یہاں آئی تھی۔ بڑی پریشان کن صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے نادر سے کہا۔

''نادر صاحب آپ بہت اچھے انسان ہیں اور جتنی باتیں میرے اور آپ کے درمیان ہوئی ہیں انہوں نے آپ کی شخصیت کا ایک الگ ہی خاکہ میری نگاہوں میں پیش کیا ہے مگر مجھے تھوڑا سا سوچنے کا وقت دیں گے۔''

نادر نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

''محبت سوچ کر نہیں کی جاتی نیزا۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ سے اقرار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی کو یہیں سے منسوب کر دوں۔''

''نہیں سمجھا؟''

''میرا مطلب ہے کہ کوسٹاریکا واپس نہ جاؤں۔''

''یہ کون کہتا ہے؟''

''مطلب؟'' میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اگر تم کوسٹاریکا میں رہنا پسند کرو گی تو میں بھی تمہارے ساتھ وہیں رہوں گا۔''

میرا دل چاہا کہ زور سے ہنس پڑوں، بڑے تیس مار خان بنے پھرتے تھے یہ نادر صاحب، لیکن اب یہ کیا ہو گیا۔ بہرحال اس نے چند لمحات کے بعد کہا۔

''ٹھیک ہے پھر بھی تمہیں سوچنے کا موقع دینا تمہارا حق ہے کب جواب دو گی؟''

''وقت کا تعین نہ کریں۔''

''چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔''

نادر کی آواز سنی اور اس وقت ایک آواز قریبی چٹان سے ابھری۔

''کل ہی جن کو تیری پلکوں پہ کہیں دیکھا تھا
رات اسی طرح کے تارے میری چھت پر نکلے''

آواز ایک چٹان کے عقب سے آئی تھی۔ ہم دونوں چونک پڑے۔ ماموں عاشق جمال کی ایک ٹانگ چٹان کے پیچھے سے باہر نکلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ نادر نے غصیلی نگاہوں سے اُدھر دیکھا اور پھر غرائے ہوئے لہجے میں آواز دی۔

''ماموں صاحب!''

''دھوپ ساون کی بہت تیز ہے دل ڈوبتا ہے
اس سے کہہ دو کہ ابھی گھر سے نہ باہر نکلے''

''آپ کی ٹانگ چٹان سے باہر نکلی ہوئی ہے، اجازت ہو تو اسے کھینچ کر آپ کو برآمد کر لوں۔''

نادر نے کہا اور میں بے اختیار ہنس پڑی لیکن ماموں عاشق جمال کی ٹانگ جلدی سے چٹان کے عقب میں پہنچ گئی تھی۔

''نجانے کب سے بیٹھے ہوئے ہیں یہ۔''

نادر نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ دبے قدموں سے چٹان کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں سے ماموں عاشق جمال کی ٹانگ نظر آئی تھی۔ میں بھی جلدی سے اٹھ کر اس کے پیچھے چل پڑی۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہی چٹان کے عقب میں پہنچے تھے لیکن یہاں ماموں عاشق جمال کا کوئی پتا نہیں تھا۔ نادر حیرت سے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

''ارے یہ کہاں غائب ہو گئے۔''

''مجھے تو یہ خود کوئی جادوئی کردار معلوم ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''لیکن گئے کہاں؟'' نادر نے کہا اور پھر ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ پھر اس کے حلق سے ایک قہقہہ نکل گیا۔

''کیا ہوا؟'' میں نے سوال کیا اور نادر علی نے مجھے سہارا دے کر چٹان پر چڑھا لیا۔ میں نے دیکھا ماموں عاشق جمال ایک طرف سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ ان کا رُخ اسی جانب تھا جہاں باقی لوگوں نے اپنا کیمپ لگایا ہوا تھا۔ ان کے دوڑنے کے انداز پر میں بھی اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگ واپس اس جگہ آ گئے جہاں کیمپ لگا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ سب لوگ خوش ہیں اور بعد میں بھی میں نے یہ بات محسوس کی کہ مجھے اور نادر کو قریب دیکھ کر آصف علی خان اور دوسرے لوگ بھی خوش ہی ہوتے ہیں۔ پھر ایک دن آصف علی خان نے اپنی اس خوشی کا اظہار کر ہی دیا۔ بڑی محبت سے مجھے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور کہنے لگے۔

''نیزا بیٹے تمہارے یہاں آنے سے ہمیں جس قدر خوشی ہوئی ہے شاید تم اس کا تصور نہ کر سکو۔ ہر انسان کے اندر ایک غرض چھپی ہوتی ہے اور کبھی کبھی وہ غرض بڑی بے غرضی کی ہوتی ہے۔ لیکن ہم کسی کو بے غرض نہیں کہہ سکتے بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری کچھ چاہتیں بھی کسی وجہ سے ہی ہوا کرتی ہیں۔ بیٹا میں الجھی ہوئی بات کر رہا ہوں لیکن میں نادر کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں نادر ہمارے لئے ہمیشہ ایک فکر، ایک تردد رہا ہے۔ اس کی

فطرت، اس کا مزاج ایک ایسے حادثے سے منسلک ہے جسے الفاظ کی شکل میں دہرانا اچھا نہیں لگتا، میرا مطلب یہ ہے کہ نادر گھر سے بالکل کٹا ہوا تھا۔ میں تمہیں سچے دل سے بتا رہا ہوں کہ وہ بُرا لڑکا نہیں ہے لیکن بس اس کے اندر ایک سوچ پل رہی ہے ایک احساس چھپا ہوا ہے اس کے دل میں جس کی وجہ سے وہ گھر سے ہٹا ہٹا رہتا ہے۔ بیٹے نیزا تمہارے آنے سے کچھ اس طرح کی قربتیں ہوگئی ہیں کہ ہم ایک عجیب سی خوشی محسوس کررہے ہیں اور سچ جانو ہمیں تمہارا انتظار تھا۔ نیزا ہماری مدد کرو، اسے گھر کی جانب راغب کردو ہمارا سب کچھ اسی کا ہے، سب کچھ ہمارا اسی کا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آصف علی خان کی آواز میں جتنا درد تھا۔ دل تو یہ چاہتا تھا کہ انہیں ساری حقیقتیں بتادی جائیں۔ ان سے کہہ دوں کہ میں نیزا ہوں ہی نہیں۔ میں بھلا ان کی کیا مدد کرسکوں گی۔ وہ دھوکوں کا شکار ہیں۔ ایک شخص ان کے ساتھ بڑا وحشیانہ سلوک کررہا ہے۔ انہیں کوئی نقصان پہنچ جائے گا کیونکہ مجھے تو اپنے گھر واپس جانا ہے۔ میں تو انگلینڈ میں رہتی ہوں اور صرف اپنے باپ کی تلاش میں یہاں آئی ہوں۔ میں آپ لوگوں کو کیا دے سکوں گی۔ یہ باتیں میرے ذہن میں آئی تھیں لیکن سچ یہ ہے کہ دنیا نے کبھی سچائی کا ساتھ نہیں دیا، جھوٹ بولو خوش رہو، دوسرے بھی خوش، جہاں سچ زبان سے نکلا سمجھ لو اپنے لئے مصیبتیں کھڑی کرلیں۔ یہ اس دنیا کا وطیرہ بن چکا ہے۔ کوئی کیا کرسکتا ہے۔ چنانچہ میں نے بھی خاموشی اختیار کی اور کوئی خاص جواب نہیں دیا۔

نادر واقعی میری جانب پوری طرح متوجہ ہوچکا تھا۔ صبح کو مجھے پوچھتا ہوا اٹھتا اور اس کے بعد زیادہ تر میرے ساتھ ہی وقت گزارتا۔ اس کی باتیں مجھے بری نہیں لگتی تھیں لیکن بس میرے پاس بھلا اس کے لئے پذیرائی کیا ہوسکتی تھی میں تو صرف راؤ کی کہانی پوری کررہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ دیکھو کب راؤ کی طرف سے مجھے گرین سگنل ملتا ہے کہ تیرا کام ختم ہوگیا۔ کبھی کبھی دل خون کے آنسو روتا تھا۔ پتا نہیں میرے پاپا کس حال میں تھے۔ وہ اس دنیا میں ہیں بھی یا نہیں، حسین نگر پہنچنا نصیب ہوگا بھی یا نہیں۔ میری زندگی تو موت سے ہمکنار تھی۔

اس شام گھر میں کچھ زیادہ ہی سناٹا تھا۔ آسمان پر گہرے بادل صبح ہی سے چھائے ہوئے تھے۔ دو تین بار ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہوچکی تھی۔ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ حویلی کا وہ پرانا حصہ جو سرخ پتھروں سے بنا ہوا بے حد پراسرار لگتا تھا، آج تک میرے لئے ایک معمہ بنا ہوا تھا۔ میں نے کبھی اُدھر کسی کو جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ بس ایک بزرگ خاتون تھیں جو کبھی کبھی اُدھر آتی جاتی نظر آتی تھیں۔ یہ گھر کی ملازمہ تھیں۔ بڑی پاکیزہ سی شکل وصورت کی مالک، ہمیشہ سفید کپڑوں میں ملبوس نظر آتی تھیں۔ رنگ بھی ان کا کافی سفید تھا لیکن میری ان سے کبھی براہ راست کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ بادلوں کی اس چھاؤں میں اچانک میرا دل چاہا کہ آج ذرا پرانی حویلی کی طرف جاؤں اور اُدھر کا منظر قریب سے دیکھوں۔ دیکھوں تو سہی کہ لوگ اُدھر کیوں نہیں جاتے۔ یہ بات دل میں اس طرح جڑ پکڑ گئی کہ میں اپنے آپ کو ادھر جانے سے باز نہیں رکھ سکی اور پھر ہلکے پھلکے بال سنوار کر باہر نکل آئی۔ بادلوں کی وجہ سے کچھ تھوڑی تھوڑی سردی بھی ہوگئی تھی۔ چنانچہ ملازم تک معمولات سے فراغت حاصل کرکے آرام کررہے تھے میں باہر نکل آئی اور چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھتی ہوئی پرانی حویلی کی جانب چل پڑی۔ نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہورہا تھا کہ جیسے جیسے میرے قدم آگے بڑھتے جارہے ہیں فضا میں ایک سنسناہٹ سی پیدا ہوگئی ہے۔

☆.....☆.....☆

.....

ایک ہلکی ہلکی آواز میرے کانوں میں اُبھر رہی تھی۔ میں نے اسے صرف موسم کا نتیجہ سمجھا۔ مدھم مدھم ہوائیں کسی ایسی جگہ ٹکرا رہی ہیں جہاں سے یہ سنسناہٹ اُبھر رہی ہے۔ حویلی کا حصہ شروع ہوگیا، بڑی صاف ستھری جگہ تھی۔ حالانکہ میں نے ادھر ملازموں کو جھاڑو وغیرہ دیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ہر چیز سے ایک نفاست ٹپکتی تھی۔ خودرو گھاس اُگی ہوئی تھی۔ اس قدر سبزا کہ آنکھوں میں ٹھنڈک اُتر جائے۔ پھر چھوٹے چھوٹے پھولوں کے پودے جن میں طرح طرح کے پھول لگے ہوئے تھے۔ دور سے بھی یہ جگہ رنگین نظر آتی تھی لیکن صحیح اندازہ اب یہاں آ کر ہوا تھا۔ آگے چار سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں جو چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ میرا دل بے اختیار چاہا کہ حویلی میں داخل ہو کر اندر کا جائزہ لوں۔ فضا میں ایک مدھم مدھم خوشبو اُبھر رہی تھی لیکن یہ پھولوں کی خوشبو نہیں تھی۔ میں کچھ بے اختیار سی ہوگئی تھی اور اسی بے اختیاری میں آگے بڑھ رہی تھی مجھے اندازہ بھی نہیں ہوسکا کہ کب میں نے چاروں سیڑھیاں عبور کیں اور اندر داخل ہوگئی۔ بڑے سے دروازے کی دوسری جانب ایک بہت ہی وسیع و عریض ہال نظر آ رہا تھا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس کی ڈیکوریشن بہت ہی خوبصورت تھی۔ قدیم طرز کے موٹے موٹے پردے پڑے ہوئے تھے۔ چار دروازے نظر آ رہے تھے فرش پر انتہائی اعلیٰ درجے کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ وکٹورین اسٹائل کا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ ایک طرف اگردان میں اگر بتیاں لگی

ہوئی تھیں اور ان کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ بڑی مسحور کن خوشبو تھی، بے خود کر دینے والی، بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں کوئی باقاعدہ رہتا ہے اور نفاست میں کسی بھی طرح حویلی والوں سے کم نہیں ہے۔ ایک بار پھر میری ذہنی کیفیت واپس لوٹ آئی اور مجھ پر حیرتوں کے حملے ہونے لگے۔ یہاں اگر کوئی رہتا ہے تو کون ہے وہ، اس طرف کے بارے میں کبھی کسی سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوسکا۔ اس کے علاوہ درجنوں بار میں اس کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی جو اس طرف کھلتی تھی لیکن میں نے کسی کو یہاں نہیں دیکھا تھا، ہوسکتا ہے کوئی اور دوسرا راستہ بھی اس طرف سے ہو۔ ابھی میں انہی سوچوں میں کھڑی ہوئی تھی کہ ایک طرف کا پردہ ہٹا اور سفید سلک کے انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس دودھ کی طرح سفید چہرے والا اور سیاہ بالوں والا ایک نوجوان باہر نکل آیا۔ بھرے بھرے بدن کا مالک تھا۔ عمر زیادہ سے زیادہ چھبیس ستائیس سال ہوگی۔ آنکھیں اس قدر حسین تھیں کہ مانو ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا، مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں سے کوئی برقی رُو نکل رہی ہو اور میرے اِردگرد نیلگوں اُجالا پھیل گیا ہو۔ میں ان آنکھوں میں کھو سی گئی۔ بہت ہی خوبصورت نقوش تھے اس کے، پھر وہ چند قدم آگے بڑھا اور بولا۔

''آیئے ..... بیٹھئے۔ آپ ..... آپ اس حویلی کی رہنے والی تو نہیں معلوم ہوتیں..... کون ہیں آپ؟''

میں سنبھل گئی اور میں نے جلدی سے کہا۔

''میں..... میں باہر سے آئی ہوں۔''

''ہاں یہی لگتا ہے۔''

''آپ یہاں رہتے ہیں۔''

''ہاں!''

''تنہا۔''

''نہیں! میرے اہل خاندان یہاں ہوتے ہیں۔''

''میں بہت حیران ہوں۔''

''کیوں؟''

''بس، اصل میں کافی دن ہوگئے مجھے یہاں آئے ہوئے لیکن میں نے بالکل پہلی بار ادھر کا رخ کیا ہے اور آپ کو دیکھا ہے۔ پہلے میں سوچتی تھی کہ یہاں کوئی نہیں رہتا مگر یہ تو بہت ہی خوبصورت جگہ ہے۔ حویلی سے بھی اچھی۔''

''آپ کو پسند آئی؟''

''ہاں!''

''کیا نام ہے آپ کا؟''

''شش..... شش..... شر۔''

''جی؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''نیزہ کنول۔'' میں نے اسے بتایا اور وہ اس طرح مجھے دیکھنے لگا جیسے اس نے میرے الفاظ پر یقین نہ کیا ہو۔ شبے کی بات بھی تھی۔ میں اپنا اصل نام بتاتے بتاتے رک گئی تھی۔ لیکن اسی حویلی کے کسی مکین کو اپنا اصل نام بتانا ظاہر ہے میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ سارا کھیل ہی غلط ہو جاتا۔''

''آپ بیٹھیے نا۔ آپ کے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔''

''آپ کا کیا نام ہے؟'' میں نے سوال کیا اور اسی وقت اسی پردے کے پیچھے سے آواز آئی۔''

''شہ نام..... شہ نام کہاں ہو؟''

وہ جلدی سے سنبھل گیا۔ اسے آواز دیتی ہوئی ایک خاتون باہر نکل آئیں۔ یہ بھی ایک دیکھنے کے قابل ہستی تھی۔ بلند و بالا قد و قامت، خاص طرح کا سلک کا سفید لباس، سلک جیسا چہرہ۔ عمر کافی تھی لیکن کسی عمر رسیدہ عورت کا یہ حسن پہلے کبھی نگاہوں سے نہیں گزرا تھا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ کون ہے شہ نام؟''

''امی حویلی سے آئی ہیں۔ کہیں باہر سے آئی ہوئی ہیں۔''

''اچھا اچھا..... ٹھیک ہے آیئے بیٹی..... آیئے اندر آ جایئے..... آیئے آیئے۔'' عورت نے کہا۔ نوجوان نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور بولا۔

''آیئے امی آپ کو بلا رہی ہیں، میری والدہ ہیں۔''

''جی!''

میں نے کہا اور عورت کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ دوسرے کمرے میں داخل ہوئی اور یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ حویلی کے اس حصے کے مکین دوسرے حصے والوں سے کہیں زیادہ نفاست پسند اور شاید دولت مند بھی ہیں۔ پردے ہی اتنے قیمتی لٹکے ہوئے تھے وہاں کہ ان کی قیمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ ان پر جو نقش و نگار بنے ہوئے تھے ان میں ہیروں کی پچکاری تھی۔ دوسرے کمرے میں پہنچ کر خاتون نے مجھے آبنوس کی بنی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی۔

''کیا نام ہے بیٹے آپ کا؟''

''نیزہ کنول۔''

''آصف علی خان صاحب کی مہمان ہیں؟''

''ہاں! ان کے دوست ہاشم ولی کی بیٹی، کوسٹاریکا سے آئی ہوں.....''

''غیر ملکی ہیں، وہیں پیدا ہوئی تھیں؟ بیٹھئے نا.....''

''میں آرام سے بیٹھی ہوئی ہوں۔''

شہ نام ایک خوبصورت سے صوفے سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ معمر خاتون میرے سامنے بیٹھ گئیں۔

''سنایئے بیٹا تو آپ کے والد کی آصف علی خان صاحب سے دوستی تھی؟.....''

''جی ہاں!.....''

''ٹھیک ..... بیٹا ہمارے بارے میں تو کوئی بات چیت تو نہیں ہوئی ان لوگوں

سے؟''

''نہیں آنٹی میں خود آج یہاں آ کر حیران ہو رہی تھی۔ اصل میں مجھے یہاں آئے ہوئے خاصے دن گزر گئے۔ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ادھر کا ماحول دیکھا تھا۔ مجھے ادھر کبھی کوئی نظر نہیں آیا۔ آج ایسے ہی تجسس کا شکار ہو کر اس طرف نکل آئی۔ یہ جگہ تو انتہائی خوبصورت ہے۔ آنٹی دیکھئے کسی کے بارے میں کوئی تجسس کرنا اچھی بات نہیں ہے لیکن کمبخت انسانی ذہن کی ساخت ہی یہ ہوتی ہے کہ تجسس اس کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہی تھی کہ نہ تو حویلی والوں نے کبھی مجھ سے آپ لوگوں کا کوئی تذکرہ کیا نہ میں نے آپ کو کبھی اس طرف آتے دیکھا۔ کیا آپ لوگوں کے تعلقات کشیدہ ہیں۔''

عورت ہنسنے لگی پھر بولی۔

''نہیں بالکل نہیں، بس یوں سمجھ لو کہ اس حصے میں ہم لوگ رہتے ہیں اور اس حصے میں وہ۔ ہمارے درمیان کشش کوئی نہیں ہے۔ لیکن قربت بھی نہیں ہے۔ وہ ہمارا احترام کرتے ہیں ہم ان کا۔ نہ اِدھر سے اُدھر کوئی جاتا ہے نہ اُدھر سے اِدھر کوئی آتا ہے۔''

''اوہو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے؟''

معمر عورت تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

''رشتوں کی بات نہ کرو۔ رشتے تو بہت سے بنتے ہیں۔ پڑوس کا رشتہ، ایمان کا رشتہ، محبت کا رشتہ، ان ہواؤں کا رشتہ جو اُدھر سے چل کر اِدھر اور اِدھر سے چل کر اُدھر آتی جاتی ہیں لیکن بس اصول ہوتے ہیں اپنے اپنے.....''

اس دوران میں نے دیکھا کہ شہ نام مسلسل مجھے دیکھ رہا ہے۔ ایک بار میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں میں میرے لئے پسندیدگی کے جذبات ہوں۔ میرے دل میں بھی ایک لمحے کے لئے اس کے لئے پسندیدگی کا ایک جذبہ ابھرا تھا۔ لیکن اس میں کوئی خاص کیفیت نہیں تھی۔ عمر رسیدہ عورت نے کہا۔

''شہ نام نظمہ کو بلاؤ۔ جاؤ۔''

عورت کے لہجے میں ایک حکم تھا۔ شہ نام ایک دم چونک سا پڑا اور پھر وہ مجھ پر گہری

نگاہیں ڈالتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔ نظمہ غالباً کوئی نوکرانی تھی۔ بھاری بدن کی مالک لیکن لباس اس کا بھی بالکل ویسا ہی تراش کا تھا جیسا عمر رسیدہ عورت پہنے ہوئے تھی۔.....''

''حکم اعلیٰ نسب.....'' اس نے کہا۔

''نظمہ مہمان آئی ہیں کچھ بندوبست کرو۔''

''آنٹی پلیز میرے لئے کوئی زحمت نہ کریں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بیٹے آپ باہر سے آئی ہونا۔ ہوسکتا ہے آپ کے ہاں مختلف اصول ہوں لیکن ہم لوگوں کے پاس تھوڑی ہی سی ایک اخلاقی قدر رہ گئی ہے اور وہ ہے مہمان نوازی جو کچھ بھی ہے اور جس قابل بھی ہم ہیں ہمارے ساتھ شرکت کرو۔''

خاتون نے بڑے میٹھے اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔ یہاں آ کر تو میرا دل بالکل عجیب سا ہو گیا تھا۔ میں نے کہا۔

''آپ لوگ تو بہت ہی اچھے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ ان لوگوں نے آپ کی طرف قدم کیوں نہیں بڑھائے۔ خیر میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گی البتہ ایک اجازت آپ سے چاہوں گی وہ یہ کہ جتنے عرصے میں یہاں موجود ہوں اگر آپ کی اجازت ہو تو میں یہاں آتی جاتی رہوں۔''

جواب میں عمر رسیدہ خاتون نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا تھا بلکہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ اسی وقت نظمہ اندر آ گئی۔

''جی اعلیٰ نسب میں نے کچھ اشیاء میزوں پر سجا دی ہیں۔''

''آؤ۔''

''ارے اتنی جلدی۔'' میں نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ویسے اس بات کو میں نے خاص طور سے محسوس کیا تھا کہ میری طلب کے جواب میں خاتون نے کچھ نہیں کہا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ مجھے یہاں آنے کی اجازت نہ دینا چاہتی ہوں۔ ویسے دوبارہ کچھ کہنا غلط بات تھی۔ میں نے تو اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا اگر وہ نہیں چاہتیں تو ظاہر ہے کہ کوئی ضد نہیں کی جاسکتی اور دوبارہ کہنا ذرا غیر مناسب سی بات ہے۔''

بہرحال میں جس دوسرے کمرے میں پہنچی وہ بھی دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اتنا حسین فرنیچر کہ یقین نہ آئے۔ میز پر بہت سی چیزیں چنی ہوئی تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت اہتمام کر ڈالا آپ نے۔''

''تمہیں معلوم ہے بیٹی کہ میں نے نظمہ کو کوئی خاص ہدایت نہیں دی۔''

اسی وقت شہ نام بھی اندر آ گیا اور بولا۔

''ہم جانتے ہیں کہ ہمیں تو دعوت دی نہیں جائے گی۔ یہ کہا جائے گا کہ خواتین میں بیٹھنا ذرا غلط سی بات ہے، لیکن اب کیا کریں ہم بھی تو یہیں رہتے ہیں۔''

''نہیں بیٹے آؤ..... آؤ بیٹھو۔''

خاتون نے مجھے بھی کرسی پر بٹھایا۔ شہ نام بالکل میرے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ میں لندن میں بھی کسی قسم کی گھٹیا پن کی حرکت سے دور رہتی تھی۔ شہ نام بے شک بہت خوبصورت نوجوان تھا ایسا کہ اتنا تروتازہ نوجوان میں نے زندگی میں کم ہی دیکھا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ نہیں تھا کہ میں اس پر ہزار جان سے مرمٹتی اور فوراً ہی نظر بازی کا تبادلہ شروع کر دیتی۔ کئی بار میں نے شہ نام کی والدہ کو اپنی جانب اور شہ نام کی جانب نگراں دیکھا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میرے چہرے سے تو کسی خاص قسم کی کیفیت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکیں۔ لیکن شہ نام کے لئے ان کی آنکھوں میں تھوڑی سی درشتی آ گئی تھی۔ خاصی دیر میں وہاں رہی اور پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ یقین کریں میں یہاں سے واپس جانے کے بعد بھی آپ کو نہیں بھول سکوں گی۔ لیکن ایک بات ضرور کہوں گی میں وہ یہ کہ آپ نے مجھے یہاں آنے کی اجازت نہیں دی۔''

اس بار معمر خاتون سنجیدہ ہوگئیں پھر بولی۔

''بیٹے اچھے لوگ وہی ہوتے ہیں جو بات کو اپنے طور پر سمجھ لیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم لوگ خود بھی ان سے نہیں ملتے۔ کسی طرح کا کوئی رابطہ اصول توڑ دیتا ہے۔

اس لئے معذرت۔'' خاتون نے ایسے لہجے میں کہا کہ میں شرم سے پانی پانی ہوگئی۔ میں نے دل میں سوچا کہ غلطی میری ہی ہے مجھے دوبارہ ان سے یہ بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔

بہرحال دل میں طرح طرح کے احساس لئے ہوئے واپس آ گئی مگر اُدھر کے ماحول کو نہیں بھول سکی تھی۔ شہ نام نے بھی میرے دل پر ایک ضرب لگائی تھی۔ اصل میں وہی بات ہے کہ انسان سے شناسائی کیسی ہی ہو یا نہ ہو لیکن حسین چہرے اور حسین نقش اثر انداز ضرور ہوتے ہیں۔ وہ کس طرح کا نوجوان ہے اور اُدھر کے لوگ اِدھر کے لوگوں سے کیا پرخاش رکھتے ہیں اس کے بارے میں تو کچھ علم نہیں تھا مجھے لیکن بہرحال شہ نام کے انداز میں پسندیدگی پائی جاتی تھی۔

اِدھر موسم تھا کہ حسین سے حسین تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کالے بادل اس طرح جھک آئے تھے کہ فضا میں اندھیرا اندھیرا ہی پھیل گیا تھا۔ میں نے نادر کی کار کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ بڑے پھاٹک سے آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی تھی۔ غالباً کوئی لمبا سفر طے کر کے آیا تھا کیونکہ کار بالکل مٹی میں لپٹی ہوئی تھی۔ نادر میں نے دل ہی دل میں سوچا اس شخص نے مجھ سے پسندیدگی کا اظہار کر دیا ہے اور ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ گیا ہے مجھے کیا کرنا چاہئے اور اب مجھے کیا کرنا ہے۔ صغیرہ نے یہی کہا تھا کہ راؤ حیات چاہتا ہے کہ میں نادر کے بہت قریب ہو جاؤں۔ فرض کرو میں نے ایسا کر بھی لیا تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کم از کم اس سلسلے میں راؤ حیات اللہ سے تھوڑی بہت گفتگو ہو جانی چاہئے۔

میں سوچتی رہی اور انتظار کرتی رہی۔ تھوڑی دیر تک میں اپنے کمرے میں بیٹھی انہی سوچوں میں گم رہی پھر اٹھنے ہی والی تھی کہ نادر اندر داخل ہوگیا۔ غالباً اس نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا کیونکہ اس کا لباس جگہ جگہ سے ملگجا نظر آ رہا تھا۔ اندر آ کر اس نے کہا۔

''ہیلو!''

''ہیلو نادر کیسے ہیں۔ کہیں سے آ رہے ہیں؟''

''دو سو بیس میل کا سفر طے کر کے آ رہا ہوں۔ کیا آپ یقین کریں گی کہ اس سفر میں مَیں نے اپنی کار کی رفتار ایک سو اسی اور دو سو تک رکھی ہے۔ یقینی طور پر راستے میں

میری کار کا نمبر نوٹ کر لیا گیا ہوگا اور لازمی چالان ہوگا میرا۔ کیونکہ پولیس کی گاڑیاں مجھے پکڑ نہیں سکتی تھیں۔''

''ارے..... ارے کیوں خیریت تو ہے؟''

''نہیں خیریت نہیں ہے بلکہ نیزہ کنول ہے۔'' نادر نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''نیزہ اتنے حسین موسم میں اگر تم میرے سامنے نہ ہو تو لعنت ہے مجھ پر، موسم پر تو لعنت کبھی نہیں بھیجوں گا چونکہ اتنا خوبصورت موسم کبھی کبھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ تو غلط ہے کہ میں اتنے فاصلے پر ہوں، مجھے نیزہ کے قریب ہونا چاہئے تھا۔''

''خدا کی پناہ کیا یہ جنون نہیں ہے؟''

''کچھ تو ہوتے محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں۔''

''آپ نے تو لباس بھی نہیں تبدیل کیا۔''

''کچھ نہیں کرنے کو دل چاہ رہا۔ بس تمہارے ساتھ بیٹھنے کو دل چاہ رہا ہے۔''

''کپڑے بدل آیئے..... میں کافی کے لئے کہتی ہوں۔''

''واہ! اسے کہتے ہیں خوش ذوقی۔ کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ آپ کا حکم ہے۔''

اس نے کہا اور مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر اسے دیکھنے لگی۔ میرے دل نے کہا کہ خدارا کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ میرا تو ٹائپ ہی یہ نہیں ہے۔ میں بھلا نادر کی کیا پذیرائی کر سکوں گی۔ یہ راؤ صاحب نے مجھے کس عذاب میں پھنسا دیا ہے۔ اب میں کروں گی کیا۔ یہ نادر صاحب کی دیوانگی کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔ ابو یہ مشکل دینی تھی آپ نے مجھے..... ماں باپ تو اولاد کو آسانیاں ہی آسانیاں دیتے ہیں۔ ماں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا اور اب آپ بھی بیچ منجدھار میں چھوڑ کر نجانے کہاں گم ہو گئے ہیں ابو۔ خدا کے لئے مجھ تک

آ جایئے۔ مجھے آپ کی اشد ضرورت ہے ابو پلیز میری بات مان لیجئے مجھ تک آ جایئے۔ میرا دل چیختا رہا۔

نادر تھوڑی دیر میں بدلے ہوئے لباس میں میرے سامنے آ گیا تھا۔ کمبخت اچھا لگ رہا تھا۔ قریب آ کر وہ بیٹھ گیا۔

''کافی کے لئے کہہ دیا؟''

''ارے نہیں میں تو بھول ہی گئی۔''

''جایئے کہہ کر آیئے..... مگر نہیں سوری میں خود بولتا ہوں جا کر۔''

''میں چلی جاتی ہوں نادر صاحب۔''

''نادر صاحب!'' وہ منہ ٹیڑھا کر کے بولا۔

''میں آئی ابھی۔''

''رہنے دیجئے۔'' نادر بولا۔

''کیوں آخر؟ کافی پئیں گے نا.....''

''ایسے.....'' وہ بولا۔

''نہیں اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا اور پھر اٹھ کر باہر نکل گیا۔ میں اس پر غور کرتی رہی تھی۔ نادر چند ہی لمحوں کے بعد واپس آ گیا اور بولا۔

''جہاں سے آیا ہوں وہاں کی ایک سوغات لے کر آیا ہوں آپ کے لئے۔ کھانے پینے کی چیز ہے۔ پسند آئے گی۔''

''ہوں!''

''ایک بات کہوں؟'' وہ بولا۔

''جی کہیئے!''

''شادی کریں گی آپ مجھ سے؟'' اس نے پھٹ سے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں نے براہِ راست سوال کر دیا ہے۔ مجھے بتایئے مجھ سے شادی کریں گی آپ؟''

''کیوں پوچھ رہے ہیں یہ سوال مجھ سے؟''

''مجھ سے شادی کریں گی آپ؟''

''میں نے بھی کہا نا کہ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ مجھ سے؟''

''مجھ سے شادی کریں گی آپ؟''

''میں کوئی فیصلہ اتنی جلدی میں نہیں کر سکتی۔''

''ہوا نا جواب۔ شادی کریں گی آپ مجھ سے؟''

''میں نے کہا نا اس کا جواب میں ابھی آپ کو نہیں دے سکتی۔''

''کیوں؟ میں ناپسند ہوں آپ کو؟''

''نہیں۔''

''تو پھر؟''

''شادی کے بارے میں آپ جانتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''شادی کیا چیز ہوتی ہے؟''

''اب آپ نے مجھے لاجواب کر دیا۔''

''نہیں آپ مجھے بتائیے شادی کیا چیز ہوتی ہے؟''

''دو زندگیوں کا ملاپ، ایک نئی منزل کا آغاز، ایک لمبا سفر جو محبت کے راستے آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ میرا خیال ہے اسے ہی شادی کہتے ہیں.....''

''کیا اس کے لئے فیصلے لمحوں میں کر لئے جاتے ہیں؟''

''میں آپ کو ایک بات کہوں مجھ سے ضرور شادی کر لیں میں نے زندگی میں کبھی اس انداز میں نہیں سوچا۔ اب سوچ رہا ہوں تو آپ کو خدا کا واسطہ انکار نہ کیجئے گا۔''

''نادر صاحب آپ بہت اچھے انسان ہیں مجھے یقیناً یہ فیصلہ کرنے کے لئے مناسب وقت دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا پھر بولا۔

''میں جذباتی ہو گیا تھا۔ معافی چاہتا ہوں۔ ویسے ایک بات آپ سے عرض کروں۔ میں نے گھر میں اس بات کا اظہار کر دیا ہے کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور آپ یقین کریں گی گھر والوں کے چہرے کھل اٹھے ہیں۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ وہ بھی میری شادی آپ ہی سے کرنا چاہتے تھے اور وہ یہ بات جانتے تھے کہ میں شادی کے لئے آسانی سے آمادہ نہیں ہوں گا.....''

''وجہ بتائیں گے آپ۔''

''بس میری فطرت میں ایک ضد ہے۔ اصل میں آپ کو تھوڑے بہت اپنے بارے میں حالات تو بتا چکا ہوں کہ میری پرورش کس طرح ہوئی ہے۔ محرومیوں کا شکار رہا ہوں کچھ.....''

''میں نہیں مانتی۔'' میں نے کہا۔

''کیوں؟''

''میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ سے خصوصی طور پر محبت کی جاتی ہے۔ ہر شخص آپ کے لئے سوچتا ہے۔ پھر وہ کون سی محرومی ہے جو آپ کو لاحق ہے۔''

''پہلے بھی ہماری اس موضوع پر بات ہو چکی ہے وہ محرومی ماں باپ کی محرومی ہے۔ وہ محرومی رشتوں کی محرومی ہے۔''

''آپ بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئے۔ اتنے خوبصورت موسم میں اتنا لمبا سفر طے کرنے کے بعد کیا ہم انہی خشک باتوں پر حد کر دیں گے۔'' وہ مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''نہیں سوری..... چلئے کچھ اور باتیں کریں۔ اچھا آپ یہ بتائیے آپ کو کوسٹاریکا یاد آتا ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ وہاں میرے دوست احباب ہیں۔ وہاں میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ زندگی کی ہر آسانی اور مشکل وہیں سے تعلق رکھتی ہے۔''

''اور اگر آپ کو مستقل یہاں رہنا پڑا تو؟''

''آپ نے ایک بات کہی تھی مجھ سے کہ اگر میرا اور آپ کا تعلق ہوگیا تو آپ مجھے یہاں رہنے پر مجبور نہیں کریں گے.....''

''یہ میرا اب بھی آپ سے وعدہ ہے۔'' اس نے کہا اور پھر ایک دم خوش ہوکر بولا۔

''ارے واہ! آپ نے تو مجھے خوب یاد دلایا۔ ہاں یہ بات ہوئی تھی میرے اور آپ کے درمیان اور آج جو میں جذباتی ہوگیا تھا نا یہ صرف موسم اور آپ سے دوری کا نتیجہ تھا۔ اچھا چلیں ٹھیک ہے۔ ہم لوگ بہت اچھی باتیں کررہے ہیں۔''

''نادر صاحب ایک بات بتائیں گے آپ مجھے۔''

''ہاں پوچھئے.....''

''چلئے چھوڑیئے.....''

''یہ تو غلط ہے۔''

''کیوں؟''

''میرے دل میں تجسس رہے گا۔'' اس نے کہا۔

''اچھا یہ بتایئے کہ ادھر سامنے والے حصے میں کون رہتا ہے..... وہ اُدھر لال حویلی میں۔''

''کوئی نہیں۔'' نادر نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے وہ حصہ خالی پڑا ہوا ہے۔ وہاں کوئی نہیں رہتا۔ کوئی بھی نہیں ہوتا۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کیوں کیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے وہاں پر؟''

''پہلی بات تو یہ کہ میں نے ایک خاتون کو دیکھا ہے جو اُدھر آتی جاتی رہتی ہیں۔''

''ہاں وہ عائشہ خالہ ہیں۔''

''یہ عائشہ خالہ کون ہیں؟''

''ارے آپ عائشہ خالہ سے نہیں ملیں وہ تو اکثر یہاں آپ کو نظر آتی رہتی ہیں۔

بس وہی ہوتی ہیں جو اُدھر جاتی ہیں۔''

''آخر اُدھر کون رہتا ہے؟''

''میں نے کہا نا کوئی نہیں رہتا اُدھر وہ جگہ خالی پڑی ہوئی ہے۔'' ایک لمحے کے لئے میرا دل چاہا کہ میں نادر کو وہاں جانے کے پورے حالات بتاؤں لیکن نادر ذرا مختلف قسم کا آدمی تھا۔ ضدی اور خودسر۔ ہوسکتا ہے وہ میرے ادھر جانے پر ناراض ہوجائے۔ یہ بات تو اسے معلوم ہوگی ہی کہ وہاں کون رہتا ہے۔ خاص طور سے شہ نام۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ شہ نام انتہائی خوبصورت نوجوان ہے۔ انسان کے دل میں وسوسے پیدا ہونا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں خاموش ہوگئی۔''

''آپ نے خاص طور سے اس جگہ کے بارے میں پوچھا۔''

''ہاں ایسے ہی میرا خیال ہے میں نے وہاں عائشہ خالہ ہی کو دیکھا ہوگا۔ ایسے ہی مجھے وہاں کوئی چلتا پھرتا نظر آیا تھا۔''

''ایسا ہوسکتا ہے۔''

''کیوں؟''

''اصل میں اُدھر۔'' نادر نے اتنا ہی جملہ کہا تھا کہ باہر سے ماموں عاشق جمال کی آواز سنائی دی تھی۔

''ہم بیابان میں تھے گھر میں بہار آئی تھی۔'' یہ کہتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے اور پھر اندر کا ماحول دیکھ کر چونک پڑے۔

''ہیں یعنی کمال ہے۔ نادر میاں جو سوچا تھا وہی ہوا۔''

نادر غصیلی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا پھر بولا۔

''ماموں عاشق جمال لگتا ہے ماضیٔ قدیم میں آپ کا تعلق اونٹوں سے تھا۔''

''کیا مطلب؟ خاص طور سے اونٹوں سے کیوں کہ کہا آپ نے؟''

''اس لیے کہ وہ جو کہا جاتا ہے ناشتر بے مہار یعنی بغیر نکیل والا اونٹ۔''

''میاں پہلیاں بجھا رہے ہو۔ جو کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو۔''

''اس طرح دروازہ کھول کر اندر گھسے چلے آنا ہوتا ہے؟''

''ایں..... اوہو..... گویا آپ کو اس طرح ہمارے یہاں آنے پر اعتراض ہے عزیزم پوچھا تھا باہر کہ حضورِ انور کہاں ہیں۔ پتا چلا ہے اندر تشریف فرما ہیں اور پیچھے پیچھے کافی آ رہی ہے۔ ہم نے سوچا کہ تھوڑی سی بے حیائی ہی سہی..... گھس چلتے ہیں۔ کم از کم ایک پیالی گرما گرم کافی تو مل جائے گی۔''

''غضب کی چیز ہیں آپ.....''

''شعر سنو.....

موسم باراں میں میری پارسائی دیکھئے
مے فروشوں کی صداؤں کو پیئے جاتا ہوں میں

بی بی معافی چاہتا ہوں انگریزی میں اس شعر کا ترجمہ نہیں کر سکوں گا۔''

ماموں عاشق جمال نے میری طرف رخ کر کے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

''میں نہیں سمجھی۔ کوئی بات نہیں ہے۔''

''ماموں صاحب آپ کسی مناسب جگہ جا کر بیٹھ جایئے۔ کافی میں آپ کو بھجوائے دیتا ہوں۔''

''ہائے وہ بس یہ ہے کہ

خاموش نہ کچھ پوچھو توبہ کی جواں مرگی
جیسے ہی صبوح توڑا ویسے ہی گھٹا چھائی

ویسے یار ایک پیالی کافی پی لینے دو۔ تم لوگوں کے درمیان بیٹھ کر پئیں گے تو دو آتشہ ہو جائے گی۔''

''غضب کی چیز ہیں آپ ماموں صاحب۔''

اس کے بعد ماموں عاشق جمال اس وقت تک نہیں اٹھے تھے جب تک کہ کافی کی دو پیالیاں نہیں پی لی تھیں اور نادر نے ان کا بازو پکڑ کر نہیں کہا تھا کہ آیئے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔ پھر وہ ان کا بازو پکڑ کر انہیں تقریباً گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا تھا۔ میں ہنسے بغیر

نہیں رہ سکی تھی۔ بڑے مزے کا کردار تھا یہ ماموں عاشق جمال، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نادر صاحب جو حد سے آگے بڑھتے جا رہے ہیں اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ کبھی کبھی تو دل میں بڑی خلش بیدار ہو جاتی تھی۔ آخر ان تمام کارروائیوں کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ خاص طور سے اس گھر کے لئے تو اس کے دل میں بڑا ہی دکھ پیدا ہو گیا تھا۔ راؤ حیات اللہ نجانے کیا چاہتا تھا۔ یہ بات بالکل ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ دولت اس کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ پھر باقی معاملات کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ کوئی بات جو سمجھ میں آتی ہو اور اب یہ نیا تجسس بھی بیدار ہو گیا تھا۔ نادر لال حویلی والوں سے منحرف کیوں تھا۔ وہ لوگ ان کی وہاں موجودگی کو کیوں چھپائے رہتے تھے۔ حالانکہ وہاں شہ نام اور اس کی والدہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ دونوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ انتہائی نفیس آدمی ہیں اور ایسے لوگ کسی کیلئے کوئی تنازع نہیں ہوتے۔

بہرحال نادر سے مزید کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی اور یہ سوچیں مسلسل دامن گیر تھیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا تھا کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ راؤ حیات اللہ سے بھی پردہ پوشی کر لوں۔ کوئی ایسا کام کروں جس سے یہ اندازہ ہو جائے کہ آنے والے وقت میں میرے لئے کوئی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر لندن واپسی کے بارے میں بھی سوچتی تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں یہ ہو سکتا تھا کہ کسی طرح اپنے سفارت خانے پہنچ جاؤں۔ اپنی روداد انہیں سناؤں لیکن بالکل ہی بیوقوف بھی نہیں تھی۔ لندن میں بھی بہرحال بہت سی معلومات مجھے حاصل ہو چکی تھیں۔ سب سے پہلا مسئلہ اس قتل کا تھا جس کی نامزد قاتل میں ہی تھی۔ اخبارات میں بھی دیکھ چکی تھی اور پھر جو حقائق سامنے تھے۔ ان سے بھی انحراف ممکن نہیں تھا۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن تمام اشارے میری ہی جانب تھے۔ ہاں اگر راؤ حیات اللہ جیسا صاحب اختیار شخص میری مدد کرے تو شاید کچھ ہو بھی سکے۔ کمبخت پتا نہیں کیا چاہتا ہے۔

اس رات ذرا بے چینی سی تھی۔ بہت دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ کمبخت نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ رات کے غالباً دو بجے تھے کہ مجھے ایک کار لنس پر آہٹیں سنائی دیں۔

عجیب سی آہٹیں تھیں بالکل ایسی جیسے کوئی اِدھر اُدھر سَرکا ہو۔ کمرے میں مدھم روشنی تھی۔ میں نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر آنکھیں کھولیں اور ان آہٹوں کا راز جاننے کی کوشش کرنے لگی۔ دفعتاً میری نگاہیں کارنس کے اوپر روشن دان کی جانب اٹھ گئیں اور دوسرے لمحے میرے دل میں انتہائی خوف بیدار ہوگیا۔ میں نے پورے ہوش وحواس کے عالم میں وہ دو آنکھیں دیکھی تھیں جو مجھے تک رہی تھیں۔ یہ دونوں آنکھیں انتہائی خوبصورت اور روشن تھیں حالانکہ وہاں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی کہ یہ آنکھیں کس کی ہوسکتی ہیں اور کون ہے جو اس طرح روشن دان پر چڑھ کر مجھے جھانک رہا ہے۔ مجھے یہ تو پتا نہیں تھا کہ روشن دان کی دوسری جانب کیا ہے لیکن آنکھیں میری بالکل سیدھ میں تھیں۔ نجانے کیوں مجھے یہ آنکھیں جانی پہچانی سی محسوس ہوئیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے یہ آنکھیں کہیں دیکھی ہیں لیکن کون ہے البتہ اتنا اندازہ تھا مجھے کہ جو کوئی بھی ہے اس روشن دان سے جھانک تو سکتا ہے لیکن روشن دان اتنا بڑا نہیں تھا کہ وہ اندر آجائے۔

بمشکل تمام میں نے خود کو سنبھالا اور اس کے بعد میرے حلق سے ایک بھنچی بھنچی سی آواز نکلی۔

دوسرے لمحے وہ آنکھیں وہاں سے غائب ہوگئی تھیں لیکن میں کئی گھنٹے تجسس کا شکار رہی۔ دوبارہ وہ آنکھیں وہاں نظر نہیں آئی تھیں۔ کیا یہ میرا وہم ہے۔ ضرور یہ میرا وہم ہی ہے۔ بڑے عجیب وغریب واقعات ہورہے تھے۔ دوسری صبح کچھ نڈھال سی تھی۔ ناشتے کی میز پر سب موجود تھے۔ آصف علی خان کی حویلی میں مجھے بہت بڑا مقام دیا گیا تھا۔ سب لوگ میری پذیرائی کرتے تھے اور خاص طور سے نادر صاحب تو ضرورت سے زیادہ مہربان ہوگئے تھے۔ انہوں نے کہا۔

''دادا ابو ہم نے نیزہ کو یہاں کوئی شاپنگ وغیرہ نہیں کرائی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آج انہیں شاپنگ پر لے جاؤں۔''

''بیٹے اگر وہ جانا چاہیں تو میں منع نہیں کروں گا۔''

''کیوں نیزہ آپ چلیں گی میرے ساتھ؟''

''مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہوئی تو میں آپ سے ضرور درخواست کروں گی۔''

''ویسے بھی گھر میں بیٹھے رہنے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تھوڑی سی سیر وتفریح کی جائے، آپ ہمارا شہر بھی دیکھیں۔''

''کئی بار نکل چکی ہوں۔''

''نیزہ بیٹے اگر کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے تو چلی جاؤ۔'' دادا ابو نے کہا اور میں خاموش ہوگئی۔ البتہ راستے میں نادر نے مجھ سے کہا تھا۔

''مجھے یوں لگا نیزہ جیسے آپ میرے ساتھ باہر نکلنا نہ چاہتی ہوں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ یوں محسوس نہ کریں۔''

''واقعی یا میرا دل رکھنے کے لئے کہہ رہی ہیں؟''

میں خاموش ہوگئی۔ اب اس قدر بھی اپنے آپ کو پست نہیں کرنا چاہتی تھی کہ الٹی سیدھی باتوں کا جواب دوں۔ نادر کچھ اُلجھ سا گیا تھا۔ اسے یہ احساس ہوگیا تھا کہ میں نے اسے وہ پذیرائی نہیں دی۔ دوپہر کا کھانا بھی ہم نے باہر ہی کھایا۔ شام کو پانچ بجے گھر واپسی ہوئی۔ حویلی میں غیر معمولی سناٹا طاری تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ کچھ لوگ گئے ہوئے ہیں۔ دادا ابو اپنے کمرے میں ہیں گھر کے دوسرے افراد باہر نکلے ہیں۔ نادر نے کہا۔

''آپ آرام کریں نیزہ میں کچھ دیر کے بعد اپنے دوستوں کے پاس جاؤں گا۔ جب سے آپ آئی ہیں میں ان سے تھوڑا سا کٹ سا گیا ہوں، ہر شخص یہ بات محسوس کرتا ہے۔''

''سوری۔'' میں نے کہا۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے پلیز۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بس میں ہی آپ کے پاس زیادہ رہتا ہوں۔''

بہرحال یہ تمام باتیں ہورہی تھیں۔ وہ چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں لیٹ گئی۔ کچھ ہلکی سی تھکن بھی ہوگئی تھی۔ لباس وغیرہ تبدیل کرلیا تھا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ

دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور میں پھر اچھل پڑی، مجھے وہ آنکھیں یاد آ گئی تھیں۔ پھر ہلکی سی دستک ہوئی تو میں نے کہا۔

''کون.....؟ آؤ.....'' اندر جو شخصیت داخل ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے کبھی عائشہ خالہ سے میری کوئی بات چیت نہیں تھی۔ نہ ہی کسی نے باقاعدگی سے ان سے تعارف کرایا تھا۔ ان کی شخصیت میرے علم میں نہیں تھی.....

''بیٹے معاف کرنا مجھے اس طرح نہیں آنا چاہئے تھا لیکن میرا آنا بہت ضروری تھا۔''

''آیئے آیئے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ کسی نے میرا آپ سے تعارف نہیں کرایا۔ بس اتفاق ہی سے مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کا نام عائشہ ہے اور یہاں سب آپ کو عائشہ خالہ کہتے ہیں۔''

''بیٹے نوکرانی ہوں اس گھر کی۔ فوقیت یہ حاصل ہے کہ اسی گھر میں پیدا ہوئی تھی، یہیں پلی بڑھی اور جوان ہوئی۔ یہیں میری شادی ہوئی اور بیوہ ہو گئی بس سمجھ لو میری عمر کا پہلا دن اور آخری دن شاید یہیں سے منسوب ہے۔''

''آپ کی تو سب بہت عزت کرتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو نوکرانی کیوں کہتی ہیں۔ آیئے بیٹھئے نا۔ آپ آئیں مجھے بہت اچھا لگا۔''

''بیٹے شاید میری ہمت کبھی نہ پڑتی تمہارے پاس آنے کی مگر ایک بات تھی جو تم سے کرنا چاہتی ہوں۔''

''جی..... جی بتایئے۔''

''اصل میں تم سے یہ کہنا چاہتی تھی میں کہ مگر نہیں میں نے غلط انداز اختیار کیا ہے..... ایک سوال کر سکتی ہوں تم سے؟''

''جی ضرور عائشہ خالہ۔''

''تم پرانی حویلی گئی تھیں؟'' انہوں نے سوال کیا اور میں چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''جی گئی تھی۔''

''بیٹا ایک بات اور پوچھوں آپ سے کبھی یہاں گھر والوں سے آپ کا پرانی حویلی

کا کوئی تذکرہ ہوا ہے؟''

''کبھی نہیں ہوا تھا عائشہ خالہ۔ مگر آپ ایسا کیوں پوچھ رہی ہیں۔ چلئے اب آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو میں الٹے آپ سے کچھ سوالات شروع کر دوں اگر اجازت دیں آپ تو.....''

''ہاں بیٹا ضرور کیا سوال ہے آپ بتایئے۔''

''خالہ کیا حویلی والوں کے تعلقات ان لوگوں سے اچھے نہیں ہیں۔ معافی چاہتی ہوں ایک ذاتی سا سوال ہے۔ لیکن بس ایسے ہی دل چاہا کہ آپ سے پوچھ لوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو جواب دیں ورنہ آپ مجبور نہیں ہیں۔''

''بیٹے وہ لوگ حویلی کے قدیم باسی ہیں۔ اس حویلی کے آباد ہونے سے پہلے سے ان لوگوں کا یہاں قیام ہے۔ میری بات سمجھ میں آ رہی ہے نا آپ کے۔ وہ لوگ بہت پہلے سے رہنے والے ہیں۔ حویلی والوں سے ان کے بالکل تعلقات نہیں ہیں۔ نا حویلی والے اُدھر جانا پسند کرتے ہیں اور نا وہ لوگ کبھی حویلی کی طرف آتے ہیں۔ میں تم سے بھی بیٹے یہی کہنا چاہتی تھی کہ اس کے بعد دوبارہ وہاں مت جانا۔''

''وہ لوگ تو مجھ سے بہت اچھی طرح ملے تھے عائشہ خالہ۔''

''وہ بہت اچھے لوگ ہیں، بہت ہی اچھے ہیں لیکن حویلی والوں کا اور ان کا میل جول نہیں ہے۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ اُدھر کوئی نہیں جاتا آتا اور نا ہی وہ لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ وہاں کوئی آئے۔ وہ لوگ خاموش طبع ہیں کسی سے نہیں ملتے۔ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اس کے بعد دوبارہ وہاں مت جانا۔''

''ٹھیک ہے عائشہ خالہ کوئی ایسی بات نہیں ہے ظاہر ہے میں اس گھر میں مہمان ہوں اگر کسی بات کے لئے مجھے منع کیا جائے گا تو میں اس میں ضد کا تو کوئی پہلو نہیں نکلتا۔''

''ہاں جان ایسی ہی بات ہے۔ مجھے اجازت دو۔''

''ایک بات ضرور بتایئے عائشہ خالہ؟''

''ہاں!''

''جب سب لوگوں کا ان سے رابطہ نہیں ہے تو آپ وہاں کیوں جاتی ہیں۔ میں نے نادر سے تذکرہ کیا تھا اس بات کا۔ وہ کہنے لگا کہ وہ عائشہ خالہ ہیں جو وہاں آتی جاتی رہتی ہیں۔''

''ہاں بیٹے تھوڑا سا کام میری ذمہ داری ہے۔''

''وہاں؟''

''ہاں!''

''کیا کام؟''

''میں وہاں اگربتیاں جلانے جاتی ہوں۔''

''اگربتیاں جلانے؟'' میں نے سوال کیا تو عائشہ خالہ چونک پڑیں۔

''ہاں میرا مطلب ہے کہ یہ ذمہ داری میری ہے۔ دادا ابو نے لگائی ہے۔ اب وہ جو کچھ بھی کہیں کرنا تو ہوتا ہے نا۔''

''کچھ عجیب سی باتیں ہیں خیر ٹھیک ہے اگر آپ کا حکم ہے اور یہ لوگ نہیں چاہتے تو میں دوبارہ نہیں جاؤں گی حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ میرے دل میں تو ان لوگوں کے لئے بڑی محبت بیدار ہوئی تھی۔ مجھ سے بڑا اچھا سلوک کیا تھا ان لوگوں نے۔''

''ہاں اخلاقاً وہ بہت اچھے ہیں۔ لیکن بس ذرا ملنا جلنا نہیں ہوتا بیٹا..... اچھا میں چلتی ہوں۔''

''بیٹھئے نا عائشہ خالہ۔''

''نہیں بیٹا میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ نوکرانی ہوں۔ ایک فرض تھا جو پورا کرنے کے لئے تمہارے پاس آئی تھی۔ اچھا اللہ حافظ۔'' عائشہ خالہ اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔ لیکن ان کے الفاظ دیر تک میرے ذہن میں سنسناہٹ پیدا کرتے رہے تھے۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اِدھر کے لوگ بھی بہت اچھے تھے۔ آصف علی خان صاحب، باقی تمام افراد ان لوگوں کے بارے میں میرا یہ اندازہ تھا کہ یہ انتہائی بے ضرر لوگ ہیں۔ کسی کو نقصان نہ پہنچانے والے۔ ایسے لوگوں کے اختلافات بھی اس طرح کے ہو سکتے ہیں اور

اُدھر شہ نام اور اس کی والدہ اتنے اچھے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح اختلاف رکھتے ہیں۔ بہرحال یہ جگہ میرے لئے ایک حادثے کے طور پر تھی۔ لیکن انسان ہر حالت میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کر لیتا ہے۔ میں یہاں جو وقت گزار رہی تھی یہاں کے لحاظ سے تو بہت اچھا تھا لیکن دوسرے معاملات اپنی جگہ تھے اور ان کے بارے میں الگ خیال تھا میرا۔

وقت کچھ اور گزر گیا۔ دو دن ہو گئے تھے اس واقعے کو۔ تیسرے دن صبح جلدی آنکھ کھل گئی۔ آج کی رات بھی ذرا پریشان کن گزری تھی اور میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ حالانکہ رات کو صحیح طریقے سے نیند نہیں آئی تھی، لیکن صبح کو طبیعت پر کوئی کسلمندی نہیں تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آئی۔ ایسے ہی گھومنے کو دل چاہا۔ حویلی کے پچھلے حصے کی جانب تو نہیں گئی تھی۔ سامنے بھی ایک خوبصورت باغیچہ تھا جس میں پھولوں کے کُنج اور درخت لگے ہوئے تھے۔ اتنی صبح تھی کہ حویلی کے باقی لوگ نہیں جاگے تھے میں چہل قدمی کرتی ہوئی دور تک نکل آئی۔ پھر پھولوں کے کُنج کے عقب میں پہنچی کہ مجھے کسی آہٹ کا احساس ہوا۔ میں نے چونک کر سامنے دیکھا اور ایک دم ٹھٹھک گئی وہ شہ نام تھا۔ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس، دُھلا دھلا چہرہ، حسین آنکھیں اور اچانک ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ مجھے وہ آنکھیں یاد آ گئیں جو میں نے اس رات روشن دان میں چمکتی ہوئی دیکھی تھیں اور مجھے یاد نہیں آیا تھا کہ یہ آنکھیں میں نے کہاں دیکھی ہیں۔ اس وقت شہ نام کو دیکھ کر مجھے وہ آنکھیں یاد آ گئیں۔ شہ نام کے ہونٹوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ میں دو قدم آگے بڑھی اور میں نے اسے آواز دی۔

☆.....☆.....☆

.....

''شہ نام!''

''آپ کو میرا نام یاد ہے؟'' وہ بولا۔

''ہاں کیوں نہیں۔''

''شکریہ ادا کرتا ہوں اس کا۔''

''چہل قدمی کرنے نکلے ہو؟''

''ہاں! کبھی کبھی چلا آتا ہوں اس طرف بھی۔''

''بڑی خوشی ہوئی ہے مجھے تمہیں دیکھ کر۔'' اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا، کچھ عجیب سی کیفیت تھی اس کی آنکھوں میں۔ میں نے کہا۔

''امی کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔ آپ پھر ہماری طرف نہیں آئیں؟''

''ہاں شہ نام کچھ عجیب سے حالات ہیں۔ دل تو بہت چاہتا تھا ادھر آنے کے لئے لیکن عائشہ خالہ نے منع کیا تھا مجھے معاف کرنا اللہ نہ کرے شکایت نہیں کر رہی کسی کی۔ عائشہ خالہ نے مجھے یہ بتایا کہ شاید آپ لوگ اِدھر کے رہنے والوں کا اپنی طرف آنا پسند نہیں کرتے۔ آپ کی امی نے عائشہ خالہ سے منع کیا تھا اور شکایت کی تھی کہ اِدھر کی ایک مہمان اُدھر آئی تھیں۔''

''اوہ میرے علم میں نہیں ہے۔ میں امی سے پوچھوں اس بارے میں۔''

''آپ چاہیں تو ضرور پوچھ لیجئے گا۔ حالانکہ مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی اس بات پر کہ اتنے اچھے لوگوں کے درمیان تعلقات اس قدر خراب ہیں۔'' شہ نام نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔ جیسے اپنے آپ کو کچھ کہنے سے روکا ہو۔

''آپ خوش تو ہیں یہاں؟''

''ہاں!''

''میرا تو بہت دل چاہتا تھا آپ سے ملنے اور آپ سے باتیں کرنے کو۔''

''ایک سوال کروں آپ سے شہ نام.....؟''

''جی!''

''ایک رات میں نے اپنے کمرے کے روشن دان میں آپ کی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی۔ معاف کیجئے گا یہ سوال کرنے کا نہیں ہے لیکن بس میں تھوڑی سی صاف طبیعت کی مالک ہوں۔ میں نے آپ سے پوچھ لیا۔'' شہ نام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے گردن جھکا لی اور میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار ہیں۔ میں جلدی سے بولی۔

''ارے نہیں خدا کی قسم میں کوئی اعتراض نہیں کر رہی۔ میں تو بس اپنے وہم کو دور کرنا چاہتی تھی۔ پتا نہیں اس روشن دان کے عقب میں کیا ہے۔ بس یونہی مجھے آپ کی آنکھیں یاد آ گئیں اور میں نے آپ سے سوال کر لیا۔ اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو یہ بتایئے کہ آخر آصف علی خان جیسے اچھے انسان سے آپ لوگوں کے کیا اختلافات ہیں۔''

''میرا خیال ہے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بس ایسے ہی ایک دوسرے کا آنا جانا نہیں ہے۔ ہوتی ہیں کچھ پابندیاں بزرگوں کی لگائی ہوئیں..... اوہو معافی چاہتا ہوں دیکھئے ادھر کچھ لوگ آ رہے ہیں۔'' شہ نام نے کہا اور میں پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگی۔ باغ کا مالی تھا، چوکیدار تھا اور ایک آدھ ملازم اور تھا جو اسی طرف آ رہے تھے۔ شہ نام کی آواز سنائی دی۔''

''میں پھر کوشش کروں گا آپ سے ملاقات کی۔ اگر آپ ناراض نہ ہوں تو۔''

''نہیں میں ناراض نہیں ہوں گی البتہ آپ امی سے یہ سوال ضرور کیجئے کہ کیا مجھے واقعی وہاں آنے کے لئے منع کیا گیا ہے۔ اصل میں شہ نام میں تو مہمان ہوں۔ گھر والوں کے اگر کچھ اختلافات ہیں آپس میں تو ظاہر ہے وہی نمٹیں گے لیکن خیر کوئی حرج نہیں ہے۔ امی سے پوچھیئے ضرور، میرا خود دوبارہ ان سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔''

''میں پوچھ کر آپ کو بتاؤں گا۔'' شہ نام نے کہا اور اس کے بعد پھولوں کے دوسرے کنج کے پیچھے پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ میں دوسری جانب بڑھ گئی تھی۔ مالی وغیرہ غالباً پودوں کو دیکھتے ہوئے اِدھر آ رہے تھے مجھے دیکھ کر انہوں نے سلام کیا اور میں جواب دے کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی لیکن شہ نام بہت دیر تک میرے ذہن میں رہا۔ کتنا پیارا سا نوجوان ہے۔ خالص مشرقی چہرہ آنکھوں میں شرم و حیا اور نرمی۔ بہرحال اس طرح کے کردار آئیڈیل ہوتے ہیں، لیکن اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ میں اس پر عاشق ہوگئی تھی۔ غالباً میرے نیچر میں، میری فطرت میں یہ چیز تھی ہی نہیں یا پھر ابھی تک کوئی ایسا کردار میرے سامنے نہیں آیا تھا جو ایک مرد کی حیثیت سے مجھے متاثر کرے۔

پھر اسی دن دوپہر کے بعد میں آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں گئی تھی کہ صغیرہ میرے پاس آ گئی۔ یہ بڑی چالاک سی عورت معلوم ہوتی تھی اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ عام طور پر مجھ پر نگاہ رکھتی ہے۔ زیادہ میرے پاس نہیں آتی تھی لیکن کئی بار میں نے چوری چھپے اسے اپنی نگرانی کرتے ہوئے دیکھا تھا اور یہ بات میرے لئے کوئی اُلجھن کا باعث نہیں تھی کیونکہ میں جانتی تھی کہ وہ حیات اللہ کی ہرکارہ ہے۔ ابھی تک کوئی بہت بڑی بات کھل کر میرے سامنے نہیں آئی تھی پھر بھی اس وقت صغیرہ کی آمد پر میں نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''کوئی اور خبر؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں شرمین ایسی بات نہیں ہے۔''

''ایک بات کہوں تم سے۔''

''ضرور''

''تم اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک سمجھتی ہو۔'' صغیرہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے کیا؟''

''نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ شرمین کے نام سے مخاطب کر کے تم مجھ پر اپنی اہمیت ظاہر کرنا چاہتی ہو؟''

''نہیں۔''

''جبکہ تم جانتی ہو کہ راؤ صاحب کے کہنے پر میں نے یہاں اپنے آپ کو نیزہ کنول تسلیم کرالیا ہے؟''

''راؤ صاحب اس بات پر بہت خوش ہیں۔ آج بھی میری ان سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ مناسب وقت پر تم سے بات چیت کریں گے اور اس کے لئے پہلے سے ٹائم دے دیں گے۔''

''چلو چھوڑو صغیرہ ایک بات بتاؤ مجھے۔''

''ہاں!''

''تم یہاں کب ملازم ہوئیں۔''

''کافی عرصہ ہوگیا، کوئی چھ سال ہوگئے۔''

''راؤ حیات اللہ نے تمہیں یہاں ملازم کرایا تھا؟''

''نہیں ..... راؤ حیات اللہ صاحب کے پاس میری خالہ زاد بہن ہے۔ وہ بھی بہت عرصے سے وہاں نوکری کرتی ہے۔ ایک دفعہ میری ملاقات راؤ صاحب سے ہوئی تو راؤ صاحب نے مجھے پیشکش کی کہ یہاں آصف علی خان صاحب کے گھر کے حالات سے انہیں آگاہ رکھا جائے۔ مجھے اس کا معاوضہ دیا جائے گا اور راؤ صاحب مجھے باقاعدہ تنخواہ دیتے ہیں۔ پھر جب آپ یہاں آئیں بی بی تو راؤ صاحب نے مجھے یہ ڈیوٹی دی کہ میں آپ کی نگرانی کروں۔''

''ہوں چھ سال سے تم یہاں ہو۔ ایک سوال کرنا چاہتی ہوں تم سے بتاؤ گی مجھے؟''

''ہاں..... ہاں..... آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میری ڈیوٹی ضرور ہے آپ پر لیکن اللہ نہ کرے میری آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ بس آپ خود بھی سمجھتی ہیں کہ جہاں سے چار پیسے ملتے ہیں انسان وہاں کی وفاداری تو کرتا ہی ہے۔ میں یہاں بھی کسی سے بے وفائی نہیں کر رہی۔ آصف علی خان صاحب کے گھر کے معاملات جو ہے نا وہ اپنی جگہ ہیں۔ میں صرف وہ باتیں راؤ صاحب کو بتاتی ہوں جن کی راؤ صاحب کو ضرورت ہوتی ہے اور یقین کرو آج تک کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی ہے۔''

''میں تم سے جو سوال کرنا چاہتی ہوں اس کا مجھے جواب دینا۔''

''ہاں پوچھو!''

''پرانی حویلی جو لال پتھروں سے بنی ہوئی ہے اس کے بارے میں کیا جانتی ہو تم؟''

''کیوں خیریت؟ تمہارے ذہن میں اُدھر کا خیال کیوں آیا؟'' صغیرہ نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

''صغیرہ پتا نہیں راؤ حیات اللہ نے تمہیں میرے بارے میں کیا بتایا ہے۔ انہوں نے جو کچھ بھی بتایا ہو میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دوں کہ میرا مزاج بھی بڑا الٹا ہے اور کسی بھی صورتحال پر میں الٹی ہو جاتی ہوں۔ میں نے تم سے سوال کیا ہے تمہارا فرض ہے کہ مجھے جواب دو اور اگر اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ سمجھتی ہو تو دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔'' مجھے واقعی اس کے اس سوال پر غصہ آ گیا تھا۔ صغیرہ ایک دم سنبھل گئی۔

''نہیں..... نہیں..... نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ راؤ صاحب بہرحال ہمارے لئے بہت کچھ ہیں اور آپ بھی کیونکہ ساری باتیں اپنی جگہ اگر آپ چاہیں تو ہمارا خانہ خراب کر سکتی ہیں۔ پرانی حویلی میں جن رہتے ہیں۔'' صغیرہ نے کہا۔

''کون رہتے ہیں؟''

''جنات..... وہ جنوں کی رہائش گاہ ہے۔ بہت پرانی بات ہے جب یہ حویلی کبھی بنی ہوگی تو پہلے وہاں جن رہتے ہوں گے۔ آصف علی خان صاحب کے دادا پردادا نے یہ حویلی بنوائی تھی اور اس کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہ جگہ جنوں کی تھی اور آصف علی خان صاحب کے پرکھوں نے جنوں سے ایک معاہدہ کیا تھا اور کہا تھا کہ حویلی کا یہ دوسرا حصہ ہمیشہ ان کے قبضے میں رہے گا اور کوئی اُدھر مداخلت نہیں کرے گا اور دوسرے حصے میں یہ لوگ رہا کریں گے۔ جن بھی بہت شریف تھے اور ہیں کہ انہوں نے کبھی حویلی والوں کو تنگ نہیں کیا لیکن معاہدہ اپنی جگہ ہے۔ اُدھر کبھی کوئی نہیں جاتا اور اس جگہ کا مکمل طور پر احترام کیا جاتا ہے۔ نا اُدھر والوں نے کبھی اِدھر والوں کو تنگ کیا۔ یہ ہے حویلی کی کہانی۔ عائشہ خالہ کو اجازت ملی ہے کہ وہاں اگر بتیاں جلا دیا کریں۔ عائشہ خالہ خود بھی ایک بزرگ کی بیٹی ہیں اور ان بزرگ کو اُدھر والے پسند کرتے ہیں۔ مقصد لال حویلی والے کیونکہ ان بزرگوں سے ان حویلی والوں کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ بہرحال یہ کہانی ہے وہاں کی۔''

''کیا مطلب ہے؟ وہاں صرف جن رہتے ہیں؟''

''ہاں!''

''میں نہیں مانتی۔''

''آپ نہ مانیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے یہ کہانی سنی ہے۔'' میں شدید حیران ہوگئی تھی۔ لندن میں بھی کبھی کبھی اس طرح کے واقعات ہو جاتے تھے مگر لندن والے ان واقعات کو صرف کہانی سمجھتے تھے اور کہانی کے طور پر ہی فلمیں وغیرہ بھی بنا کرتی تھیں۔ کبھی کوئی ایسی سیریس بات سامنے نہیں آئی تھی، لیکن بہرحال یہاں صورتحال مختلف تھی۔ صغیرہ سے بہت دیر تک اس موضوع پر بات ہوتی رہی۔ وہ خود کبھی لال حویلی نہیں گئی تھی۔ مگر میرے ذہن میں یہ تجسس اتنا شدید ہوا کہ میں نے عائشہ خالہ سے درخواست کر ڈالی۔

''عائشہ خالہ آپ مجھے اُدھر کے بارے میں بتائیے کہ لال حویلی کا راز کیا ہے؟''

عائشہ خالہ نے سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولیں۔

''بی بی صاحب ہم آپ کے غلام ہیں مجال نہیں ہے ہماری کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی نصیحت کرسکیں یا کوئی ایسی بات کہہ دیں آپ سے جو آپ کو ناپسند ہو۔ ہماری کتنی ہی عزت کیوں نہ ہو اس گھر میں لیکن ہم ملازم ہیں اور ہمیں اپنی حیثیت کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن اُدھر کے بارے میں ہم نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے آپ بس اسی پر اکتفا کریں۔ خدا کے لئے اُدھر کا اتنا زیادہ تجسس نہ کریں۔''

''عائشہ خالہ ایک بار میں آپ کے ساتھ وہاں جانا چاہتی ہوں آپ نے جتنی باتیں کی ہیں وہ آپ کی اپنی پسند کی باتیں ہیں۔ نہ میرا اس حویلی پر کوئی حق ہے آصف علی خان صاحب کی دوست کی بیٹی ہوں جو کچھ بھی صورتحال ہے آپ کے علم میں ہے آپ میری یہ خواہش ایک بار پوری کردیں تو میں آپ کا احسان مانوں گی۔''

''پھر بولو کیا کرنا ہے؟ اگر میں آپ کو وہاں لے گئی اور کسی نے دیکھ لیا تو میری شامت آجائے گی۔''

''نہیں آئے گی۔ میرا وعدہ ہے آپ سے۔ میں سب سے کہوں گی کہ میں نے شدید ضد کی تھی اور ناراض ہوگئی تھی عائشہ خالہ پر۔'' میں نے اس طرح عائشہ خالہ کو گھیرا کہ انہیں تیار ہوتے ہی بن پڑی اور وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔

''ٹھیک ہے چلو جو ہوگا بھگتوں گی۔'' میں خوش ہوگئی تھی اور اس کے بعد میں نے تھوڑی سی تیاریاں بھی کی تھیں۔ جب میں کپڑے وغیرہ بدل کر تیار ہوئی تو عائشہ خالہ نے مُسکرا کر گردن ہلائی پھر بولیں۔

''آؤ آپ نے تیاری میں وقت ہی ضائع کیا ہے وہاں آپ کو ملے گا کون۔'' میں خاموش ہوگئی۔ بہرحال میں اپنا تجسس رفع کرنا چاہتی تھی اس وقت سب اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے جاچکے تھے۔ دوپہر کے بعد کا وقت تھا جب قیلولہ شروع ہوجاتا ہے۔ میں عائشہ خالہ کے ساتھ دھڑکتے دل کے ساتھ اُدھر چل پڑی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اُدھر جاؤں گی تو شہ نام کی امی سے ضرور یہ سوال کروں گی کہ میں تو ایک مہمان ہوں

نا میرا اادھر سے کوئی تعلق ہے نہ ادھر سے۔ آپ نے مجھے آنے سے کیوں منع کردیا۔ میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ شہ نام مجھے دیکھ کر کتنا خوش ہوگا۔ لیکن بہرحال عائشہ خالہ کے ساتھ حویلی کے اس حصے میں پہنچ گئی اور پھر عائشہ خالہ مجھے لے کر اندر داخل ہوگئیں۔ پہلا جھٹکا اس دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی لگا تھا جس سے میں پہلے بھی اندر داخل ہوئی تھی اور اُدھر کے ماحول کو دیکھ کر عش عش کر اٹھی تھی۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر، اعلیٰ درجے کے پردے، خوبصورت قالین، شاندار جھاڑ اور فانوس اس وقت یہ سب کچھ دیکھا تھا میں نے لیکن اس وقت دروازے کھڑکیوں کے ٹوٹے ہوئے رنگین شیشے، زمین پر بکھرے ہوئے سوکھے پتے جو ان ٹوٹے ہوئے شیشوں سے ہوا کے ذریعے اندر آگئے ہوں گے۔ ہر چیز پر گرد جمی ہوئی۔ نا جھاڑ نا فانوس۔ فرش پر جمی ہوئی گرد میں کہیں کہیں صرف عائشہ خالہ کے جوتوں کے نشانات۔ ایک طرف رکھے ہوئے کارنس پر جلی ہوئی اگربتیوں کے ڈھیر۔ ہر طرف ویرانی برس رہی تھی اور میں پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ میری آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور عائشہ خالہ سنجیدگی سے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے اپنے سینے پر پھونک ماری اور میرے سینے پر بھی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر وہ واپسی کے لئے پلٹنا چاہتی تھیں کہ میں نے کہا۔

''نہیں عائشہ خالہ میں ابھی اندر جاؤں گی۔'' انہوں نے بے چارگی سے مجھے دیکھا۔ پھر بے بسی سے گردن ہلادی۔ میں اور اندر گئی۔ ان ساری جگہوں کو دیکھا جہاں تک میں آئی تھی اور پاگلوں کی طرح گردن جھٹکنے لگی۔

''نہیں ..... ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ شہ نام ..... شہ نام آپ کہاں ہیں میں آئی ہوں ..... آپ براہ کرم آئیے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آپ نے کہا تھا مجھ سے کہ آپ دوبارہ مجھ سے ملیں گے۔ شہ نام، امی اگر آپ کہیں ہیں تو مجھے بتائیے پلیز میں بہت پریشان ہورہی ہوں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کا وجود ہی نہ ہو۔ امی خدا کے لئے مجھ سے ملئے ایک بار۔ میرے اعتماد کو دھوکہ نہ دیجئے۔ میرے اعتماد کو نہ توڑیئے۔ میں آپ کا احسان مانوں گی۔'' لیکن ہر طرف ہُو کا عالم طاری رہا۔ کوئی آواز نہیں سنائی دی نجانے

کیوں میرا دل بھر آیا۔ میری آنکھوں میں آنسو کی نمی آ گئی اور میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''آیئے عائشہ خالہ میں آپ سے بھی معافی چاہتی ہوں اور ان سے بھی جن کی ہدایت میں نے نہیں مانی۔ ویسے میں آپ سے کہوں میں تو صرف خلوص سے آئی تھی۔ میرے دل میں نہ کوئی برائی تھی نہ لالچ۔ بس آپ نے جس پیار سے مجھے.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ عائشہ خالہ کو میں اصل صورتحال نہیں بتانا چاہتی تھی۔ لیکن وہاں سے واپس آ کر جب اپنے کمرے میں پہنچی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی۔ عائشہ خالہ چلی گئی تھیں۔ اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے بالوں میں ہاتھ پھیرا ہو اور میں چونک کر سیدھی ہوگئی۔ آنسوؤں کی دھندلاہٹ میں میں نے اِدھر اُدھر آنکھیں پھاڑیں، خوشبو کی ایک لہر میرے چہرے کے پاس سے گزر گئی۔ ایک بڑی ہی انوکھی خوشبو تھی۔ بڑی ہی نفیس ناقابل یقین۔ میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ مجھے اپنے بالوں میں جس لمس کا احساس ہوا تھا وہ نہ تو میرا وہم تھا نہ ہی کچھ اور۔ پھر اسی وقت ایک اور واقعہ ہوا نادر اندر گھس آیا تھا۔ اب اس کی بے تکلفی اس قدر ہوگئی تھی کہ کبھی کبھی وہ بغیر دستک دیئے بھی اندر آ جاتا تھا۔ لیکن اس وقت مجھے اس کی آمد اس طرح سخت ناگوار گزری۔ میں نے آنکھیں خشک کیں تو وہ تعجب سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''نیزہ آپ رو رہی ہیں؟''

''آپ پھر آواز دیئے بغیر اندر آ گئے نادر۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور نادر بے چینی سے گردن پٹخنے لگا۔ پھر بولا۔

''مجھ سے اتنی غیریت کا برتاؤ مت کرو نیزہ۔ خدا کے لئے مجھ سے اتنی غیریت کا برتاؤ مت کرو۔ میں کس قدر اُلجھ گیا ہوں تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔ نیزہ پلیز مجھے اپنوں میں تصور کرو۔ مجھے وہ مان دے دو جس کا میں خواہش مند ہوں۔'' میں بدستور اسے دیکھتی رہی تو وہ پھر بولا۔

''تم مجھے بغیر آواز دیئے اپنے کمرے میں آنے سے منع کر رہی ہو جبکہ تم بغیر آواز دیئے میرے دل کی گہرائیوں میں اس قدر اندر جا چکی ہو کہ اب میں اگر تمہیں نکالنا بھی چاہوں تو نہیں نکال سکتا نیزہ۔ میں آج کھل کر سب سے کہے دیتا ہوں کہ میں تم سے شادی کروں گا۔ میں دادا ابو سے یہ بات کہے دیتا ہوں۔ آج تک دادا ابو مجھے ایک بُرا انسان سمجھتے رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ نیزہ پہلے میرا ارادہ تھا بھی نہیں۔ میں اپنے آپ کو کسی ایک سے اس طرح منسوب کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لیکن تم یقین کرو جیسا کہ میں نے تم سے پہلے کہا کہ میں کوئی بدکردار انسان نہیں ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی سے اس طرح قربت نہیں بڑھائی کہ اسے میری ذات پر کوئی دھوکہ ہونے لگا ہو۔ نیزہ میں ایک صاف ستھری طبیعت کا انسان رہا ہوں۔ میں نے کبھی کسی سے دھوکے بازی نہیں کی۔ میں نیزہ میں.....صرف تمہیں چاہتا ہوں، تمہیں۔ نیزہ پلیز میری بات پر غور کرو۔ مجھ پر پورا پورا بھروسہ رکھو۔ میں تم چاہے کچھ بھی ہو نیزہ تم کچھ بھی کہو میں تمہی سے شادی کروں گا اور میں ایک ضدی انسان ہوں۔ میں نے کبھی اپنی مرضی کے خلاف ہونے والی کسی بات سے کمپرومائز نہیں کیا۔ سنا نیزہ بس میں تم سے یہ کہنے آیا تھا۔'' وہ تیزی سے مُڑا اور واپس کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں سرد نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں۔ بات کچھ حد سے آگے بڑھ گئی تھی۔ مجھے کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ راؤ حیات اللہ کچھ بھی چاہتا ہے، لیکن یہ سب کچھ تو نہیں ہوسکتا۔ اس سے بھی آخری بات کروں گی۔ میں نے صغیرہ کو تلاش کیا لیکن اتفاق سے وہ مجھے نہیں ملی تھی شاید کسی کام میں مصروف تھی۔''

شام ہوگئی پھر رات کے کھانے پر پہنچ گئی۔ نادر موجود نہیں تھا آصف علی خان صاحب نے بڑی گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔ ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہے۔ پتا نہیں کیا بات تھی۔ کھانے کے بعد اس کی وضاحت بھی ہوگئی۔ آصف علی خان نے کہا۔

''نیزہ بیٹے آپ سے کچھ بات کرنی ہے.....''

''جی!'' میں نے جواب دیا۔ آصف علی خان مجھے اپنے کمرے میں لے گئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

''نیزہ یہ بات کرتے ہوئے مجھے کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی۔ کیونکہ ماشاءاللہ تم بھی سمجھ دار ہو اور نادر نے کہا ہے کہ اس نے تم سے بھی بات کی ہے۔ نیزہ میں تمہاری شادی نادر سے کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ برا لڑکا نہیں ہے۔ بہت اچھا ہے وہ۔ میں تمہیں اس کے بارے میں پورا یقین دلانا چاہتا ہوں۔ کچھ اور باتیں بھی ہیں نیزہ جو اس قدر اہم نہیں ہیں کہ اگر میں تمہیں نہ بتاؤں تو بعد میں تمہیں مجھ سے شکایت ہو۔ بس نادر کے بارے میں کچھ اور سرسری سی باتیں ہیں۔ اب نیزہ میں تم سے تمہارا جواب چاہتا ہوں دیکھو ہاشم ولی اب اس دنیا میں نہیں ہے انہوں نے مجھ پر ہمیشہ اعتبار کیا۔ بہت پہلے میری ان سے بات بھی ہو چکی تھی اور میں نے انہیں بتا دیا تھا اور انہوں نے بھی مجھ سے وعدہ کر لیا تھا کہ نادر کو اور تمہیں یکجا کر دیا جائے گا۔ نادر کی طرف سے مجھے خدشہ تھا نیزہ لیکن اس نے کھل کر مجھ سے بات کی ہے اور کہا ہے کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہا ہے۔ تم یقین کرو میرے پورے خاندان کے لئے ایک انتہائی خوش خبری ہے کہ نادر اس طرح تم سے متاثر ہو کر تم سے شادی پر آمادہ ہو گیا ہے۔ نیزہ مجھے اس سلسلے میں جواب چاہیے۔''

''میں آپ کو جواب دے دوں گی مجھے تھوڑا سا وقت دیجئے۔'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا اور آصف علی خان چونک کر مجھے دیکھنے لگے پھر بولے۔

''ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔ لیکن بیٹے زیادہ وقت مت دینا۔ وہ سر پھرا لڑکا ہر بات کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ یہ ساری صورتحال ہے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے اب۔ بہرحال میں تمہارے جواب کا انتظار کروں گا۔''

میں خاصی بے چین ہو گئی تھی۔ پھر مجھے صغیرہ مل گئی۔ کسی کام سے جا رہی تھی۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی.....

''جی۔''

''میرے کمرے میں آؤ۔'' میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد صغیرہ میرے کمرے میں آ گئی تھی۔

''جی کہئے۔''

''میں راؤ حیات اللہ صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''انہوں نے بھی آپ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ رات کو میں آپ سے بات کر کے ان کی بات کرا دوں گی۔ یہ لیجئے یہ موبائل فون۔ میں اس پر نمبر ڈائل کئے دیتی ہوں۔ راؤ صاحب کا آپ ان سے بات کر لیجئے۔'' صغیرہ نے ایک موبائل فون نکال کر میرے سامنے کرتے ہوئے کہا اور خود اس پر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اسے کان سے لگایا اور بولی۔

''ہیلو..... ہاں جی..... جی سر جی۔ آپ کی صغیرہ بول رہی ہے۔ بات کر لیجئے.....'' یہ کہہ کر اس نے موبائل فون میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے فون لے کر کان سے لگایا اور بولی۔

''جی راؤ صاحب میں شرمین بول رہی ہوں۔''

''شرمین نہیں نیزہ کنول کہو۔'' راؤ حیات اللہ کی آواز ابھری۔

''راؤ صاحب اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔''

''مطلب؟''

''نادر بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ آپ کی ہدایت پر میں نے اس سے روابط بڑھائے۔ لیکن آج تک میں نے اس سے اظہار عشق نہیں کیا اور نا ہی ایسی کوئی بات کہی جس سے وہ میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائے۔ راؤ صاحب آپ مجھے ایک بات بتائیے، انسان کی زندگی صرف کچھ لمحات کے لئے ہوتی ہے۔ یہ بات آپ جانتے ہیں کہ میں مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کی قاتل نہیں ہوں۔ آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں صرف ایک مصیبت زدہ لڑکی ہوں جس پر تقدیر نا مہربان ہو گئی ہے۔ میری ماں مر چکی ہے اور میں اپنے باپ کی تلاش میں اپنے وطن آئی تھی۔ یہاں آ کر میرے ساتھ جو

واقعات پیش آئے میں اگر اپنے سفارتخانے سے رابطہ قائم کرلوں تو مجھے یقین ہے کہ میری بھرپور مدد کی جائے گی۔ لیکن درمیان میں آپ نے مجھے اچک لیا اور میں مصیبت در مصیبت بھگتنے لگی۔ میری دلی آرزو ہے کہ میرا باپ مجھے مل جائے اور مجھے اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہو جائیں، میں قاتل نہیں ہوں۔ لیکن اگر تقدیر مجھے کسی طرح کی سزا دینے پر ہی تلی ہوئی ہے تو وہ سزا پھر یہ کیوں ہو کہ میں نادر سے شادی کرلوں، میرے ذہن میں تو اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ نا میں شوہر کی حیثیت سے اسے ایک لمحے کے لئے برداشت کرسکتی ہوں۔ آپ مجھے بتایئے کہ وہ آپ کا کون سا کھیل ہے جو آپ کھیل رہے ہیں اور جس میں آپ نے مجھے داؤ پر لگا دیا ہے۔ راؤ صاحب اب میں مجبور ہوں کہ حقیقت بیان کردوں اور ان لوگوں کو بتا دوں کہ میں نیزہ کنول نہیں ہوں، شرمین حیات ہوں۔ نتیجہ کچھ بھی نکلے میں اسے بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ تم آصف علی خان کو یہ بتا دو کہ تمہیں راؤ حیات اللہ نے شرمین حیات سے نیزہ کنول بنا دیا ہے، تم ہاشم ولی کی بیٹی نہیں ہو۔''

''جی! میں یہی کہہ رہی ہوں۔''

''تو میں تمہیں بتاؤں شرمین حیات کہ اس کے بجائے تم خودکشی کرلو۔ پنکھے سے لٹک جاؤ یا زہر کھالو، ذلت کی موت سے بچ جاؤ گی اور ذلت کی موت وہ ہوگی جب تم پھانسی کے پھندے پر لٹکی ہوئی ہوگی۔ میں تمہیں کسی قیمت پر تمہارے سفارتخانے نہیں جانے دوں گا۔ میں یہ ثابت کروں گا کہ تم مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کی قاتل ہو۔ سمجھ رہی ہو۔ مجھ سے بڑا دشمن تمہیں یہاں اور کوئی نہیں ملے گا۔'' راؤ حیات اللہ کا لہجہ بے حد سفاک تھا۔''

''کیوں آخر کیوں؟ میری آپ سے کیا دشمنی ہے راؤ صاحب۔'' میں نے چیختے ہوئے انداز میں کہا۔

''دشمنی نہیں ہے بلکہ جن لوگوں سے میری دشمنی ہے میں نے تمہیں ان کے خلاف سنگِ میل بنایا ہے اور یہ میری آخری کوشش ہے۔ میں اپنے بیٹے کا انتقام لینا چاہتا

ہوں۔''

''جی۔'' میں حیرت سے بولی۔

''ہاں! یہ کہانی میں تمہیں ابھی نہ سناتا۔ لیکن تم نے مجھے مجبور کردیا۔ سنا شرمین حیات یہ کہانی تمہیں سنانے کے بعد تمہاری زندگی کے دن اور کم ہو جائیں گے۔ جب کہ تم میرے لئے یہ غم کھالو، میں تمہاری بھرپور مدد کروں گا جس طرح بھی ممکن ہو سکے گا تمہارے والد کو تلاش کرکے تم تک پہنچا دوں گا یا ان کے بارے میں صحیح رپورٹ تمہیں دوں گا۔ تم اگر چاہو گی تو میں تمہیں لندن تک بھجوانے کا پورا پورا بندوبست کردوں گا۔ میرے پاس اس طرح کے اختیارات موجود ہیں کہ جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ کردوں۔ لیکن صرف اس شرط پر کہ تم نادر حیات سے شادی کرلو۔''

''آپ کا دماغ خراب ہے راؤ صاحب آپ وہ سب کچھ جو مجھ سے کہہ رہے ہیں نا کردیں گے، بے شک کرسکتے ہیں لیکن میں آپ کی دی ہوئی سزا تو قبول نہیں کروں گی۔ نہ میں پنکھے سے لٹکوں گی، نہ زہر کھاؤں گی بلکہ میں پولیس کو ٹیلی فون کردوں گی۔ آصف علی خان صاحب کو ساری تفصیلات بتا دوں گی اور اس کے بعد جو بھی میرے ساتھ ہوگا ایک ہی بات ہوگی نا کہ سزائے موت ہو جائے گی مجھے..... مر جاؤں گی۔ اپنی مرضی کے بغیر جینا تو نہیں پڑے گا نا.....'' دوسری طرف کچھ لمحے خاموشی طاری رہی پھر راؤ حیات اللہ کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔''

''مختصر کہانی ہے میری زیادہ طویل نہیں ہے سن لو اور اس کے بعد جو دل چاہے فیصلہ کرلینا۔ میرا ایک بیٹا تھا اکلوتا نوید نام تھا اس کا۔ شکل میں دیکھ لو۔ نادر اصل میں میرا پوتا ہے۔ آصف علی خان کی بیٹی تھی ندیمہ نام تھا اس کا دونوں یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے متاثر تھے۔ آصف علی خان صاحب کی کچھ زمینیں تھیں جنہیں میں نے خرید لیا تھا۔ لیکن آصف علی خان صاحب نے ان زمینوں پر میرا قبضہ تسلیم نہیں کیا اور انہیں اپنی ملکیت ظاہر کرتے رہے۔ بے شک اس سلسلے میں ایک غلط فہمی تھی جو ان کے سالے کی پیدا کی ہوئی تھی۔ میں نے انہیں سمجھایا لیکن آصف علی خان صاحب نے مجھ پر

مقدمہ قائم کر دیا اور پھر وہ مقدمہ ہار گئے۔ زمینیں میری تحویل میں آ گئیں۔ ادھر نوید اور ندیمہ آپس میں محبت کرتے تھے اور جب مجھے اس کا علم ہوا اور میرے بیٹے نے مجھ سے کہا کہ وہ ندیمہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں حیران رہ گیا۔ پھر اس کے بعد یہ ہوا کہ میں نے آصف علی خان کو پیشکش کی کہ آؤ دوستی کر لیں۔ دشمنی ختم کر دیں۔ زمینیں میرے بعد میرے بیٹے ہی کی ملکیت ہیں تم اگر چاہو تو انہیں واپس لے لو۔ میں ان سے دستبردار ہوا جاتا ہوں لیکن آصف علی خان نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اس نے کھل کر کہہ دیا کہ وہ ندیمہ اور نوید کی شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ بات بڑھتی چلی گئی اور میں نے اپنے بیٹے کو اجازت دے دی کہ وہ خفیہ طور پر ندیمہ سے شادی کر لے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ نوید ندیمہ سے شادی کر کے اسے ملک سے باہر لے گیا۔ لیکن آصف علی خان صاحب نے اپنے ذرائع سے کام لے کر انہیں برآمد کر لیا۔ بدنامی کے لحاظ سے انہوں نے نوید کے خلاف کوئی کارروائی تو نہیں کی لیکن بیٹی کو چھپا لیا اور نوید اس کی یاد میں تڑپنے لگا۔ وہ دماغی توازن کھو بیٹھا اور آخر کار اس نے خودکشی کر لی۔ اس دوران میں نے آصف علی خان صاحب کے پاؤں بھی پکڑے۔ میں نے اپنا سب کچھ انہیں دینے کا اظہار بھی کیا۔ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی ان سے کہا کہ مجھے میرے بیٹے کی زندگی دے دیں۔ لیکن وہ نہیں مانے اور آخر مجھے اپنے اکلوتے بیٹے سے محروم ہونا پڑا۔ ندیمہ ایک بیٹے کو جنم دے کر مر گئی۔ وہ میرا پوتا ہے اور اس کا نام نادر علی ہے۔ شرمین حیات اکلوتے بیٹے کا غم میری زندگی کا سب سے بڑا دکھ ہے۔ آج آصف علی میرے خون سے اتنا پیار کرتا ہے کہ اگر نادر کو کچھ ہو جائے تو آصف علی اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا کاٹ لے۔ آج جو وہ اس لڑکے کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے وہ میرا خون ہے۔ وہ لڑکی جس کا نام نیزہ کنول ہے اپنے ہی ملک میں ایک حادثے کا شکار ہو چکی ہے اس کا باپ ہاشم ولی تو مر ہی چکا تھا نیزہ کنول ایک کار کے حادثے میں ہلاک ہو گئی۔ بالکل اتفاقیہ طور پر یہ کہانی میرے علم میں آ گئی اور میرے ذہن میں ایک منصوبہ پروان چڑھنے لگا۔ مجھے ایک ایسی لڑکی درکار تھی جو مقامی ہی ہو لیکن اس نے باہر کی دنیا میں پرورش پائی ہو اور پھر تم مجھے اتفاقات کے تحت نظر آ گئیں

اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تمہیں نیزہ کنول بنا کر پیش کروں اور تم نادر کو اپنے جال میں پھانس کر اس سے شادی کر لو۔ شرمین حیات جس دن تمہاری شادی ہو گی اسی رات کو نادر کے پاس پہنچنے سے پہلے میں تمہیں وہاں سے ہٹا لوں گا اور اس کے بعد میں نادر کی تڑپ کا تماشہ دیکھوں گا اور جب نادر تڑپے گا تو آصف علی خان تڑپے گا۔ وہ اپنے بیٹے کی بیوی کو تلاش کرنے کے لئے زمین آسمان ایک کر ڈالے گا۔ اس دوران میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا اور پھر میرا ایک ہی فرض ہو گا تمہارے باپ کو تلاش کر کے تمہیں واپس لندن بھجوا دوں یا تمہیں حسین نگر تک پہنچا دوں۔ تمہاری ہر وہ مدد کروں گا میں جس کی تم خواہش مند ہو جو تھوڑی بہت تفصیل تم نے مجھے بتائی ہے۔ تم یقین کرو میرے بہت اچھے تعلقات ہیں، میں حسین نگر والوں کو زمین چٹا دوں گا، تمہیں پورا پورا موقع دوں گا کہ تم ان سے انتقام لو۔ تمہاری ساری شخصیت بدل دوں گا۔ میں کبھی کوئی خواب میں بھی نہیں سوچ پائے گا کہ تم کوسٹاریکا سے آئی ہوئی نیزہ ہو۔ تم شرمین حیات ہو گی خالص شرمین حیات۔ تمہارے اُوپر سے تمام الزامات ہٹ چکے ہوں گے مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کے قتل کا الزام بھی ہٹ چکا ہو گا۔ میں اس کا اصل قاتل پکڑ کر تمہارے سامنے پیش کروں گا۔ تم یقین کرو اگر مجھے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوتیں تو میں اب تک تمہیں کبھی کا بتا چکا ہوتا۔ لیکن جو کہانی تم نے سنائی ہے اس سے مجھے تھوڑا بہت اندازہ یہ ہو جاتا ہے کہ مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کے قاتل بھی وہی لوگ ہیں جنہوں نے پاکستان میں قدم رکھتے ہی تم پر تابڑ توڑ حملے کئے تھے اور وہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتے تھے۔ شرمین میرا یہی اندازہ ہے کہ وہ حسین نگر والے ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ تمہارے آ جانے سے ان پر بہت بُرا اثر پڑے گا۔ انہیں اپنی جائیدادوں کا پورا پورا حساب کتاب دینا ہو گا مگر خیر یہ وقت سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے تمہیں اپنی پوری کہانی سنا دی ہے اب تم مجھے بتاؤ کہ نادر کے سلسلے میں تم کیا ارادہ رکھتی ہو۔''

میرے اعصاب کشیدہ ہو گئے تھے۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ دماغ بھڑک رہا تھا۔ بے قابو ہو رہی تھی میں۔ یہ کہانی بھی اپنی جگہ سنگین اور دلدوز تھی۔ میرے

خدا واقعی اکیس سال بعد مجھ پر جو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے تھے ان کی مثال ناممکن تھی۔ میری کمبخت دوست نے جو پیش گوئی کی تھی یہ سب کچھ تو اس پیش گوئی سے کہیں زیادہ آگے کی باتیں تھیں۔ اب کیا کروں کوئی مذاق کی بات تو نہیں تھی۔ زندگی کا ایک معیار بنایا تھا میں نے۔ بے شک آج تک میری زندگی میں ایسا کوئی کردار نہیں آیا تھا جس سے میں اس قدر متاثر ہوتی کہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں سوچتی رہتی۔ وہاں لندن میں بھی ایسے کئی پاکستانی نوجوان میرے قریب آئے تھے جو صاحب حیثیت بھی تھے، خوبصورت بھی تھے لیکن نہ جانے کیوں عشق و محبت کا یہ کھیل میری زندگی کا کوئی حصہ ہی نہیں بنا تھا ابھی تک یہ نہیں کہتی تھی کہ کسی کو دیکھ کر متاثر نہیں ہوتی تھی۔ ایسی بات نہیں کبھی کبھی اس طرح کے کئی کردار میرے علم میں آئے جنہیں میں نے بغور دیکھا لیکن اس وقت بھی کسی چھچھورے انداز میں میں نے ان سے رومانس کرنے کے بارے میں نہیں سوچا۔ اب یہ صورتحال تھی کہ میں نادر کا ذہنی تجزیہ کر رہی تھی۔

''ہیلو.....'' حیات اللہ کی آواز پھر ابھری۔

''جی۔''

''خاموش کیوں ہوگئیں؟''

''آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے آپ کی بات کا جواب فوراً دینا چاہئے۔ آپ نے مجھے غلط سمجھ لیا ہے حیات اللہ صاحب، زندگی ایک بار ختم ہوتی ہے نا۔ میری بھی یہ زندگی اگر اسی طرح ختم ہونا لکھی ہے تو ہو جائے گی لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ زندگی کی دھمکی دے کر آپ مجھے اس طرح مجبور کر دیں گے۔ نادر سے اگر میری شادی ہو جاتی ہے تو میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے میں نے کبھی اس دور کے بارے میں اس انداز میں سوچا تک نہیں ہے اور پھر آپ کہتے ہیں کہ یہ شادی کر کے مجھے اسے چھوڑنا ہوگا۔ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے حیات اللہ صاحب کتنا مشکل کام دے رہے ہیں آپ مجھے۔''

''یہ مشکل کام تمہارے دو مسئلے حل کرے گا شرمین حیات۔ پہلی بات یہ کہ تمہیں نئی

زندگی دے گا، دوسری بات یہ کہ تمہیں تمہارا باپ دے گا اگر تمہیں ان دونوں چیزوں کی ضرورت نہیں ہے تو ٹھیک ہے اپنا یہی لہجہ رکھو، لیکن میری زندگی کا محور یہی ہے۔ اپنی کہانی سنا چکا ہوں تمہیں۔ بیٹے کے غم نے میرے دل کا رنگ کالا کر دیا ہے، بالکل جل کر خاکستر ہو چکا ہوں کچھ نہیں ہے میری زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے، صرف ایک انتقام ہے، میں چاہوں تو نادر کو قتل کر سکتا ہوں، میں چاہوں تو آصف علی خان کی حویلی کو بم سے اڑا سکتا ہوں۔ لیکن یہ کوئی مزے کی بات نہیں ہوگی۔ کسی کو سزا دینا ہے تو سب سے پہلے زندگی کی سزا دو اسے..... اسے زندہ رکھو اور ایسا غم دو اسے کہ موت کے بعد بھی وہ اسے نہ بھول سکے۔ پھر تو ہوا انتقام۔ کسی کو مار دینا انتقام نہیں ہے بلکہ وہ تو اس کے ساتھ انصاف ہے کیونکہ دنیا کی بہت سی مشکلوں سے بچت ہو جاتی ہے اس کی اور میری بات سنو اگر تم نے بہت زیادہ اپنے آپ کو اقدار کی زد میں لانے کی کوشش کی تو اس کائنات میں مجھ سے بڑا دشمن تمہارا اور کوئی نہیں ہوگا۔ میں تمہیں موت کی سزا نہیں ہونے دوں گا بلکہ عمر قید ہوگی تمہیں۔ جیل میں ایک ذلیل ترین زندگی گزارو گی تم۔ حیات اللہ ہے میرا نام سمجھیں۔''

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ شخص انتقام کی شدت سے دیوانہ ہو چکا تھا۔ میرا لہجہ یا میری دھمکی اس پر کارگر نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال میرے لئے انتہائی پریشانی کی بات تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ موبائل فون صغیرہ لے گئی۔ حالانکہ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ اسے میرے پاس چھوڑ دے۔

''نہیں آپ چاہیں تو اپنے لئے دس فون منگوا سکتی ہیں مگر یہ میری بھی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔''

میں خاموش ہوگئی لیکن اس کے بعد میری زندگی سے سکون رخصت ہو گیا تھا۔ دوسرے دن کوئی ساڑھے گیارہ بارہ بجے کا وقت ہوگا کہ نادر کہیں سے آیا۔ میں اس وقت پائن باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی اور پورچ کے بالکل سامنے تھی۔ نادر کے ساتھ ایک متناسب جسامت کا نوجوان اترا۔ اچھی شکل و صورت کا مالک تھا۔ بھرے بھرے سے بدن والا، مگر اس کے چہرے میں کوئی ایسی خاص بات تھی کہ ایک لمحے تک میں اسے دیکھے

بغیر نہ رہ سکی۔ اس کی نگاہیں میری جانب اٹھ گئی تھیں اور شاید اس نے نادر سے اس بارے میں کوئی گفتگو بھی کی تھی۔ پھر دونوں مجھے اپنی طرف آتے ہوئے نظر آئے اور چند لمحات کے بعد وہ قریب پہنچ گئے۔

''ہیلو نیزہ کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ نہیں بس ایسے ہی چہل قدمی کرتی ہوئی نکل آئی تھی اس طرف۔''

''یہ اشتیاق ہے میرا جگری دوست۔ بہت بے تکلف ہیں ہم دونوں آپس میں۔ یہ حیران ہے کہ وہ کون سی ایسی جادوگرنی ہے جس نے نادر جیسے آدمی کو ڈبیا میں بند کرلیا ہے۔ جسے یہ لوگ چراغ کا جن کہتے ہیں اور یہ کہتے تھے کہ وہ پنجرہ ہی نہیں بنا ہے جس میں نادر جیسے شیر کو قید کیا جا سکے۔''

میں نے نہ تو کسی مسکراہٹ کا اظہار کیا۔ نہ کسی اور کیفیت کا۔ نادر فضول باتیں کرنے کا عادی تھا۔ غلط فہمی کا مریض۔ اپنے آپ نہ جانے کیا سمجھتا تھا وہ اور اس وقت بھی اسی رنگ میں بول رہا تھا۔

''ہیلو تو آپ ہیں نیزہ کنول۔'' میں نے اس وقت بھی اشتیاق کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کی تھی۔ پتا نہیں کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا حالانکہ بڑی عام سی بات تھی۔

''ویسے آپ کہاں سے آئی ہیں؟'' اشتیاق نے سوال کیا۔

''نادر میں واپس جا رہی تھی۔ آپ پلیز اجازت دیں۔''

''ارے ارے خیریت ..... شاید اشتیاق کی کوئی بات تمہیں ناگوار گزری ہے۔'' نادر نے کہا۔

''ارے نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بس ذرا پلیز تھینک یو۔'' میں نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئی۔ نادر اپنی جگہ کھڑا رہ گیا غالباً اسے میری یہ کارروائی ناگوار گزری تھی جس کا اظہار اس نے بعد میں کر ہی دیا۔ اشتیاق غالباً چلا گیا تھا۔

''نیزہ میں کیا محسوس کروں تمہارے اس رویے کو؟''

''مطلب؟'' میں نے سرد لہجے میں نادر سے کہا۔

''دیکھو نیزہ بات صرف میری اپنی ذات تک نہیں ہے۔ مجھے مجبور کیا ہے اس بات کے لئے کہ میں تم پر غور کروں۔ نیزہ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں کہ میں نے کبھی کسی بھی لڑکی سے آج تک اس طرح کے تعلقات نہیں بنائے۔ بس نجانے کیوں میرے دل میں تمہارے لئے ایک جگہ پیدا ہوگئی۔''

''نادر پلیز ان باتوں کے علاوہ بھی زندگی میں اور بہت کچھ ہوتا ہے۔''

''مگر میں کیا کروں، میری زندگی میں اس وقت یہی سب کچھ رہ گیا ہے۔ اگر ایسی بات ہے نیزہ تو میں تم سے ایک سوال کر رہا ہوں۔ براہِ کرم مجھے اس کا صحیح جواب دے دینا۔'' میں نے ناخوشگوار نگاہوں سے نادر کو دیکھا تو وہ بولا۔

''تمہارے اندر میں نے واقعی آج تک کوئی لچک نہیں پائی۔ یہ نہیں محسوس کیا میں نے کہ تم مجھ سے متاثر ہوگئی ہو لیکن میں کیا کروں ان لوگوں کو جو میرے ذہن میں آگ لگاتے رہتے ہیں۔ میں تم سے جو سوال کر رہا ہوں مجھے اس کا جواب دے دو۔ یہ بتاؤ کیا میں تمہارے لئے قابل قبول ہوں یا نہیں۔''

''نادر میں نے دادا ابو سے بھی یہی بات کہی ہے کہ مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔''

''کب تک سوچو گی؟''

''اس کا حق مجھے ہے۔ آپ براہِ کرم مجھے اس کے لئے مجبور نہ کریں۔'' نادر مجھے غصے سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''ٹھیک ہے۔ میں اپنی طرف سے چوبیس گھنٹے دے رہا ہوں، بے شک تم نہ سوچو نہ جواب دو لیکن چوبیس گھنٹے کے بعد میں ان لوگوں سے یہ کہہ دوں گا کہ نیزہ مجھے پسند نہیں کرتی اور وہ لوگ یہ خیال دل سے نکال دیں۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نادر یہ الفاظ کہہ کر چلا گیا تھا۔ لیکن میری کنپٹیوں میں خون ٹھوکر مار رہا تھا میں سوچ رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں زندگی کا رسک لینے کے لئے بھی تیار ہو سکتی تھی۔ راؤ حیات اللہ کا جو دل چاہے کرلیں۔ اگر وہ میرا دشمن بن جاتا ہے تو کیا کرے گا زیادہ سے زیادہ صرف یہی

ناکہ پولیس کو میری جانب متوجہ کردے گا۔ کوئی کیس بنوائے گا میرے اوپر بس اتنا ہی کر سکتا ہے نا وہ۔ بہرحال وہ جو کچھ بھی کرتا ہے کرلے میں نادر کی طرف وہ توجہ نہیں دوں گی۔ میں دل میں فیصلے کرتی رہی واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر میں نادر کو پذیرائی کا موقع دیتی اور میری اس سے شادی ہوجاتی تو راؤ حیات اللہ کا منصوبہ اپنی جگہ وہ جو کچھ بھی کرتا وہ ایک الگ بات تھی لیکن میں تو کم از کم زندگی کے اس عذاب سے بچ جاتی..... واہ بھئی واہ یہ کوئی بات ہوئی۔ کوئی شخص پسند ہو یا ناپسند ہو کسی کی وجہ سے اس سے شادی کرلی جائے۔ کیا شادی کرنے کے بعد وہ مجھ سے اپنے حقوق نہیں طلب کرے گا۔ میں بھلا اسے کیسے قبول کرسکتی ہوں جبکہ میرا دل اس کی جانب مائل نہیں تھا۔

انہی سوچوں میں وقت گزرتا رہا۔ یہ دن بھی گزرنے لگا، پھر رات ہوگئی۔ دل عجیب وغریب کیفیت محسوس کررہا تھا۔ ایک گھبراہٹ سی تھی دل پر اس وقت بھی میری بے چینی مجھے باہر لے آئی۔ حویلی کے لوگوں کے کچھ معمولات تھے مغرب کے بعد لان پر سے چہل پہل ختم ہوجاتی تھی۔ آصف علی خان صاحب کے کچھ اصول تھے خاص طور سے لڑکیاں تو کبھی بھی مغرب کے بعد لان پر نہیں آتی تھیں۔ مگر میں شدید الجھن کا شکار تھی۔ میں ٹہلتی ہوئی احاطے کے ساتھ ساتھ چل پڑی پھر اچانک ہی کچھ ہوا۔ پتا نہیں کتنے افراد تھے جو ایک دم مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے پہلے انہوں نے میرا منہ بھینچ لیا، پھر میری ناک پر کلوروفام کا رومال رکھ دیا گیا بس ایک لمحے میں مجھے کلوروفام کی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔ میں ہاتھ پاؤں تک نہیں ہلا سکی۔ حالانکہ میں اگر چاہتی تو ان لوگوں کو ناکوں چنے چبوا سکتی تھی مگر موقع ہی نہیں ملا اور اس وقت کچھ ایسی طبیعت نڈھال تھی کہ بدن میں بالکل جان ہی نہیں محسوس ہورہی تھی چنانچہ میں بے بس ہوگئی اور اس کے بعد نجانے کب تک بے ہوشی کی کیفیت میں رہی۔

بہرحال پھر اس کے بعد ہوش تو آنا ہی تھا۔ ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک کمرے میں بند پایا۔ عجیب وغریب جگہ تھی۔ صبح کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اس کا مقصد ہے کہ میں رات بھر بے ہوش رہی ہوں۔ ایک ٹوٹا پھوٹا سا پلنگ پڑا ہوا تھا جس پر میں

تھی۔ پلنگ پر کوئی چیز نہیں تھی۔ سارا بدن دکھ رہا تھا جس جگہ میں موجود تھی وہ ایک کمرہ تھا۔ کافی مضبوط اور اچھا خاصہ کشادہ۔ دیواریں بری طرح اُدھڑی ہوئی تھیں۔ خاصی بوسیدہ جگہ محسوس ہورہی تھی۔ مجھے گزرے ہوئے وقت کا احساس ہوا تو میں ایک دم اچھل کر بیٹھ گئی۔ یہ کیا ہوا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر میرے ذہن میں ایک ہی خیال آیا راؤ حیات اللہ جو میرے ساتھ سختی پر آمادہ ہوگیا ہے۔ مجھے حویلی سے اغواء کرلیا گیا ہے اور اب وہ مجھ پر تشدد کرے گا اور اس بات کے لئے مجبور کرے گا کہ میں نادر سے شادی کرلوں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں حویلی سے اس طرح مجھے اغواء کرکے لانے کے بعد وہ مجھے دوبارہ وہاں تک کیسے پہنچائے گا۔ شاطر آدمی تھا کوئی نہ کوئی ترکیب سوچ لی ہوگی اس نے۔ لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں سوچتی رہی۔

پھر کافی وقت گزرا مجھے اس دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی جو واحد دروازہ تھا اور اس کے بعد دروازہ ایک دم کھل گیا۔ وہ چار افراد تھے جنہوں نے چہروں پر نقابیں لگائی ہوئی تھیں۔ لیکن ان میں سے دو کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ان میں سے ایک نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''دیکھو بی بی ہماری مجبوری ہے کہ ہم تمہاری کسی بھی حرکت پر تم پر گولی چلادیں ہمیں معلوم ہے کہ تم مارشل آرٹس کی ماہر ہو۔ لیکن یہ ریوالور جو ہیں نا انہیں مارشل آرٹس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ یہ با آسانی تمہارے دونوں پیروں میں مناسب سوراخ کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی ذمہ داری تم خود پہ ہوگی۔''

''کر چکے بک بک..... کیا چاہتے ہو؟''

''کچھ نہیں تمہارے لئے ناشتہ لائے ہیں۔''

''واہ چار افراد دو پستول، ناشتہ..... کہاں ہے بھائی ناشتہ۔''

پیچھے والے آدمیوں میں سے ایک نے ایک ٹرے زمین پر رکھ دی۔ گرما گرم چائے کی خوشبو دماغ کو مسحور کررہی تھی۔ میرے اندر ایک جولانی سی پیدا ہوگئی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یار کمال ہے پستول کے بل پر ناشتہ کراتے ہوئے پہلی بار کسی کو دیکھا ہے۔ جاؤ بھائی جاؤ۔ مجھے خود بھوک لگ رہی ہے اور پھر چائے کی یہ خوشبو تو مجھے پاگل کیے دے رہی ہے۔ واہ.....'' بہرحال وہ لوگ واپس چلے گئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ میں نے ناشتہ کی ٹرے اپنے سامنے سرکائی اور مزے سے ناشتہ کرنے بیٹھ گئی۔ میں نے دل میں یہ سوچا تھا کہ اب اس کے بعد جو کوئی بھی آئے گا اس سے راؤ حیات اللہ کے لئے پیغام بھیجوں گی اور کہوں گی کہ راؤ صاحب ان تمام باتوں سے کیا حاصل، آپ جو چاہتے ہیں وہ ہو جائے گا، راؤ مجھے واپس حویلی پہنچا دے گا۔ ہوسکتا ہے کوئی اور شرط یا ایسی حرکت کروں جس سے وہ مطمئن ہو جائے اور یہ سمجھے کہ میں اس کے بارے میں کبھی کچھ نہیں کہوں گی لیکن میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اس بار میں آصف علی خان صاحب سے ساری تفصیل بھی بتا دوں گی اور ان سے کہہ دوں گی کہ میں نیزہ کنول نہیں بلکہ شرمین حیات ہوں اور اس طرح میرے ساتھ یہ زیادتی کی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے آصف علی کے بھی اچھے تعلقات ہوں۔ بہرحال یہ اچھے خاصے بڑے لوگ ہوتے ہیں اور ان کے اپنے بھی تعلقات اچھے خاصے وسیع ہوتے ہیں ممکن ہے اس طرح میں آصف علی خان کی مدد حاصل کر کے حسین نگر تک جا سکوں۔ میں نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں چالاکی سے کام لوں گی۔''

ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں دوبارہ پلنگ پر جا بیٹھی اور پاؤں لٹکا کر بیٹھ کر سوچنے لگی۔ لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر پھر آہٹ ہوئی۔

☆.....☆.....☆

.....

اس بار پھر دروازہ کھلا اور مجھے وہی دونوں پستولیں نظر آئیں، نقاب پوش موجود تھے لیکن ان کے ساتھ تیسرا جو آدمی آیا تھا وہ میرے لئے شدید چونکا دینے والی شخصیت رکھتا تھا۔ یہ اشتیاق احمد تھا۔ میں اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ میری عقل نے کچھ وقت کے لئے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ کیا قصہ ہے؟ ایک لمحے کے اندر اندر میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ نادر کا دوست اشتیاق۔ ویسے تو میں بہت سے لوگ آصف علی خان کی حویلی میں آتے جاتے نظر آئے تھے۔ نادر کے کسی دوست کا وہاں آنا بھی کوئی حیران کن بات نہیں تھی بس اتنا سا ضرور ہوا تھا کہ نادر نے اس سے میری ملاقات کرائی تھی اور میرے بارے میں کچھ باتیں بھی کہی تھیں۔ لیکن وہ باتیں میرے لئے کسی اہمیت کی حامل نہیں تھیں۔ نادر خود میرے ذہن میں کوئی مقام نہیں پا سکا تھا۔ مگر اشتیاق کو دیکھ کر مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا۔ ایسا احساس جسے میں کوئی لفظ نہیں دے سکی تھی۔ اشتیاق مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''شرمین حیات میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے یہ باتیں تمہارے لئے کارآمد ہوں اور میرے لئے بھی۔ زندگی کے بارے میں کچھ فیصلے کرنا ایک اچھا عمل ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کو حالات سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات وہ بھی جو ہمارے ذہن میں بالکل نہیں ہوتا۔ بولو کیا تم مجھے کچھ وقت دے سکو گی۔''

میرے لئے یہ دوسرا دھچکا تھا۔ جب سے میں نیزہ کنول بنی تھی صرف صغیرہ نے مجھے میرے نام سے پکارا تھا اور اب یہ دوسرا شخص تھا جو مجھے شرمین حیات کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ کون ہے یہ کون ہے۔ مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ میں اپنے آپ کو شرمین حیات کی حیثیت سے تسلیم کروں یا نہ کروں۔ بہرحال یہ انتہائی سنسنی خیز لمحات تھے۔ میں کافی دیر تک سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھی رہی۔ وہ بولا.....

''اور یہ میری مجبوری ہے کہ میں ان دونوں پستول برداروں کے ساتھ آیا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم مارشل آرٹس کی ماہر اور میں واقعی تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ بولو شرمین حیات کیا تم میرے ساتھ کچھ تعاون کرنا پسند کروگی۔''

''مجھے تو تم پاگل معلوم ہوتے ہو۔ میرا نام شرمین حیات نہیں نیزہ کنول ہے۔''

''میں اس پر بھی اعتراض نہیں کرتا۔ پہلے مجھ سے تھوڑی سی بات چیت کرلو اس کے بعد تم اپنے آپ کو سکندر اعظم بھی کہو گی تو میں تمہیں تسلیم کرلوں گا۔'' اس نے کہا۔

''تم نادر کے دوست ہو نا؟''

''ہاں! انسان سب سے پہلے اپنا دوست ہوتا ہے اس کے بعد دوستیوں کا آغاز ہوتا ہے اور جو صرف اپنا دوست نہیں ہوتا وہ زندگی میں دُکھ ہی دُکھ اٹھاتا ہے۔ کیا کہا جائے۔ حالات ہمیں اسی کا سبق دیتے ہیں۔''

''مطلب؟'' میں نے اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔

''مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھے نادر کے دوست کی حیثیت سے شناخت کیا تھا۔ میرا مطلب ہے میرا تم سے یہی کہہ کر تعارف ہوا تھا اور میں گیا بھی اسی کے ساتھ تھا لیکن اب اتفاق دیکھو انسان کیا چاہتا ہے اور اسے کیا مل جاتا ہے۔''

''اشتیاق۔''

''نہیں پہلے میری بات سن لو، مجھے ایک کام کرنا پڑے گا اور اس کے لئے میں مجبور ہوں۔''

''کیسا کام؟''

''میں تمہارے ہاتھ پاؤں باندھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''ان لوگوں کی موجودگی میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا اور یہ رسک بھی نہیں لینا چاہتا کہ تمہارے ساتھ تنہا اس کمرے میں ٹھہروں۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ پر قابو پاسکتی ہو۔''

اس کے ان الفاظ پر مجھے ہنسی بھی آئی۔ اچھا خاصہ ہٹا کٹا نوجوان تھا۔ لیکن میری وجہ سے اس کی ہوا کھسکی ہوئی تھی۔ حیران کن بات یہ تھی کہ وہ مجھے شرمین حیات کی حیثیت سے کیسے جانتا ہے اور اسے کیسے معلوم ہے کہ میں مارشل آرٹس کی ماہر ہوں۔ چند لمحوں کے اندر اندر فیصلہ کرنا تھا اگر میں اس سے یہ کہتی کہ میں اس پر حملہ نہیں کروں گی تو شاید وہ اس بات کو قبول نہ کرتا۔ پھر بھی میں نے اس سے کہا۔

''اشتیاق ہے نا آپ کا نام مسٹر۔''

''ہاں!''

''اور شاید یہ نام مردوں کا ہوتا ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا لیکن وہ میرے طنز کو سمجھ نہیں سکا۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟''

''میرا مطلب ہے شاید آپ مرد ہی ہیں۔''

''تو پھر؟''

''ایک مرد کسی لڑکی سے اتنا خوفزدہ۔'' میں نے کہا وہ ایک لمحے تک مجھے گھورتا رہا۔ پھر ایک دم ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

''اوہو سمجھا میری غیرت کو ابھار رہی ہو تاکہ میں جوش جذبات میں آکر ان لوگوں کو باہر نکال دوں۔'' اس نے پستول برداروں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''شاید ایسا ہو کیا آپ کی غیرت جاگے گی مسٹر اشتیاق؟''

''جی نہیں۔'' وہ بولا اور اس بار میں واقعی ہنس پڑی تھی۔

''یہ اچھی بات کہی آپ نے مجھے پسند آئی۔لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں مارشل آرٹس کی ماہر ہوں۔''

''وہ بھی بتادوں گا۔''

''چلیے اگر ایسا ہے بھی تو میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ پورے امن وامان کے ساتھ بیٹھ کر آپ سے بات چیت کروں گی بلکہ مجھے تو ہنسی آرہی ہے کہ آپ مجھے اس طرح کا سمجھتے ہیں۔''

''تو ہنس لیجئے اور اس کے بعد اپنے ہاتھ بندھوا لیجئے۔ ویسے میں آپ کو ایک بات بتادوں میں زبردستی بھی یہ کام کرسکتا ہوں۔''

''تو کر ڈالئے۔ بہت سارے کام زبردستی کرنا ہی اچھے ہوتے ہیں۔''میں نے کہا۔اس نے واقعی انتظام کر رکھا تھا۔ میں نے پہلے بھی چار آدمیوں کو دیکھا تھا جنہوں نے اپنے چہرے پر نقاب لگائی ہوئی تھی ان میں سے دو اس وقت بھی اپنے چہروں پر نقاب لگائے ہوئے تھے۔لیکن پیچھے والے دونوں نقاب پوش بھی اندر آگئے۔ان کے ہاتھوں میں کاٹن کی رسی تھی۔ میں نے کچھ دیر تک کچھ سوچا پھر سوچا کہ چلو اس کی بات تو سنوں کیا کہنا چاہتا ہے۔ اگر اس کی ہوا میری وجہ سے کھسکی ہوئی ہے تو یہ بھی کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ بڑی شرافت سے میں نے ہاتھ پاؤں بندھوا لئے تھے۔اس نے مجھے ایک کرسی پر بٹھادیا۔ایک دوسری کرسی اپنے سامنے رکھوالی۔ پھر ان لوگوں سے بولا۔

''ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور ہاں یہ اپنے پستول مجھے دے جاؤ'' دو دو پستول اپنے زانوں پر رکھ لئے تھے۔کافی ہوا خراب تھی اس کی ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کے باوجود میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔اس کی کیفیت پر مجھے واقعی ہنسی آرہی تھی۔''

''جی اشتیاق صاحب فرمایئے۔''

''شرمین حیات تم۔''

''مسٹر.....مسٹر سب سے پہلے اپنی کھوپڑی کو اپنی جگہ سیٹ کیجئے۔ میرا نام شرمین حیات نہیں نیزہ کنول ہے۔ نیزہ کنول ہاشم ولی اور میں کوسٹاریکا سے آئی ہوں۔''

''اب یہ بتایئے کہ سچ بولنے پر آپ کو کیسے آمادہ کروں۔''

''تشدد کیجئے مجھ پر۔ میرے بال اکھاڑ دیجئے جگہ جگہ سے۔سگریٹ پیتے ہوں تو سگریٹ سے میرا چہرہ جلایئے۔آپ جیسے لوگ اس کے علاوہ اور کیا کرتے ہیں۔''

''دیکھو، مان لو میری بات۔ مان لو میری بات شرمین۔ میں تم سے مخلص ہوں۔''

''ارے واہ واقعی بڑے خلوص سے آپ نے مجھے اغواء کیا ہے ویسے آپ نے واقعی بہت بڑا کام کیا ہے اشتیاق صاحب میں تو کچھ اور ہی سمجھی تھی۔''

''کیا؟''اس نے سوال کیا اور میں راؤ حیات اللہ کا نام لیتے لیتے رُک گئی۔ یہ بے عقلی کی بات تھی اگر میں اس کے سامنے راؤ حیات اللہ کا نام لے لیتی۔

''بتایا نہیں آپ نے۔''

''نہیں سوچ رہی ہوں کہ میں کیا سمجھی تھی۔ ویسے آپ یہ فرمانا پسند کریں گے کہ آپ ہیں کون اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔کیا آپ کو ایک لڑکی کی حیثیت سے میں پسند آگئی ہوں۔''

''بہت خوبصورت ہو تم شرمین اور میں پہلی بار تمہیں نہیں دیکھ رہا۔''

''کیا مطلب؟''

''میں تمہیں بتاؤں، میرا خیال ہے تفصیل شروع ہی سے بتادوں تمہیں۔اس کے بعد تم فیصلہ کرلینا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔''

''چلئے بتادیجئے۔''

''تم مجھ سے سوال کرو۔''

''کیا؟''

''یہی کہ میں کون ہوں۔''

''ارے واہ بغیر سوال کئے آپ یہ بات نہیں بتاسکتے۔''

''پوچھو پلیز پوچھو۔''

''جناب اشتیاق صاحب آپ ہیں تو اشتیاق لیکن کون ہیں؟''

''میں تمہارا کزن ہوں شرمین حیات۔'' اس نے کہا اور میرے سارے وجود میں پھر ایک لہر سی دوڑ گئی۔ کچھ لمحوں کیلئے واقعی میں سناٹے میں رہ گئی تھی۔ لیکن بڑی ہمت سے کام لینا تھا۔ زندگی کی اُلجھی ہوئی ڈور کو سُلجھانا چاہئے ورنہ نجانے میرا کیا بنے گا۔ میں نے کہا۔

''ماشاء اللہ حیرت کی بات ہے، مجھے اپنے کسی کزن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''میں تمہارا کزن ہوں، شرمین حیات۔ یہ حقیقت ہے کہ میں تمہارا کزن ہوں۔ میں تمہیں بالکل صحیح بتا رہا ہوں اس میں جھوٹ بولنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں تمہارے تایا کا بیٹا ہوں۔ تمہیں شاید تمہارے والد صاحب نے بتایا ہوگا کہ ان کے بڑے بھائی نیاز حسین اور اختر حسین وغیرہ ہیں۔ کیا سمجھیں۔'' میں واقعی اس وقت بڑے ذہنی دھماکے برداشت کر رہی تھی میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

''بولتے رہیں۔ بولتے رہیں۔''

''شرمین حسین نگر میں ہماری رہائش ہے۔ تم جانتی ہو تمہارے والد حیات حسین اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ یہاں ہماری کافی جائیدادیں ہیں تمہارے والد کے حصے کی جائیداد پر کچھ لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ میرا مطلب ہے میرے ہی خاندان والوں نے، بہت بڑی جائیداد تھی وہ۔ اس وقت اس کی مالیت اربوں روپے ہے۔ سب کی رال اس پر ٹپکتی رہی ہے اور آپس میں اس کے لئے جھگڑے بھی ہوئے ہیں۔ شرمین اس کے حصے علیحدہ بھی ہو گئے ہیں اور وہ طاقتور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم تو صرف آلہ کار ہیں۔ ہمیں بھی اس کا کچھ حصہ ملا ہے۔ لیکن باقی ساری باتیں اپنی جگہ رہیں۔ ہمارے درمیان آپس میں کافی تعاون ہے۔ ادھر چچا جان یعنی حیات حسین بھی یہاں ان جائیدادوں کے حصول کے لئے کوشش کرتے رہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ پچھلے کچھ عرصے کے اندر کافی بڑی جائیداد جس کی مالیت تقریباً ڈھائی ارب روپے ہے وہ مقدمے میں جیت چکے ہیں۔'' میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اگر یہ سچ کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسے میرے والد کے بارے میں معلومات حاصل

ہوں گی۔ بہرحال میں نے خاموشی اختیار کی۔ میں چاہتی تھی کہ میں اپنے آپ کو ابھی ظاہر نہ کروں۔ جب تک کہ یہ شخص ساری حقیقتیں نہ اُگل دے۔ اس نے کہا۔

''سمجھ رہی ہو نا تم شرمین یہ جائیداد و دولت کا معاملہ ہے جب ہمیں یہ پتا چلا کہ تم یہاں آ رہی ہو تو سب دنگ رہ گئے۔''

''ارے وہ میری اتنی بڑی حیثیت۔'' میں نے پھر کہا۔ دل کی جو کیفیت تھی وہ اللہ ہی جانتا ہے لیکن میں اپنی ایکٹنگ کو برقرار رکھے ہوئے تھی۔

''ہاں!''

''یعنی میری آمد سے آپ لوگ خوفزدہ تھے میرے عزیز و اقارب''

''سب پورا خاندان، تمہیں شاید اس بات کا علم ضرور ہوگا کہ ہمارا خاندان بہت ہی بھرا پرا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ چچا، تایا، تائیاں، ماموں، پھوپھی، سارے کے سارے لوگ ہیں۔ یہ ہے ساری صورتحال۔ شرمین سبھی اس بات پر اکٹھے ہو گئے کہ تمہیں یہاں تک نہ پہنچنے دیا جائے اور تمہیں یہاں کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی قتل کر دیا جائے۔''

''میرے ذہن میں شدید ترین دھماکے ہو رہے تھے مارشل آرٹس کی تربیت حاصل کرتے ہوئے سب سے پہلے اس بات پر توجہ دی جاتی ہے کہ اعصاب پر قابو پایا جائے۔ اپنی اسی تربیت سے کام لیتے ہوئے میں نے اپنے شدید ترین اعصابی کھنچاؤ کو برداشت کر لیا تھا اور اپنے چہرے کے تاثرات کو ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ انکشاف پر انکشاف کرتا جا رہا تھا۔ میں بمشکل تمام مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اپنے چچا یعنی حیات حسین صاحب کو قتل کر دیا۔''

''نہیں وہ قتل نہیں ہوئے۔''

''پھر؟''

''وہ روپوش ہو چکے ہیں۔ اصل میں انہیں اس بات کا خطرہ ہو گیا تھا جب انہوں نے جائیداد کا مقدمہ جیتا تو انہیں اس بات کا خطرہ ہو گیا تھا کہ کوئی انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ جائیداد کا فیصلہ ہوتے ہی انہوں نے تمام کاغذات اپنی تحویل میں

لئے اور روپوش ہوگئے۔''

''اتنے لمبے روپوش ہوگئے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں وہ ہمیں نہیں ملے۔''

''میرا خیال ہے وہ یورپ چلے گئے ہوں گے اپنے بیوی بچوں کے پاس۔''

''تم یقین کرو آدھے یورپ کو چھان مارا گیا ہے۔ ہر طرح سے وہاں کا جائزہ لے لیا گیا ہے۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ہیں۔''

''آپ لوگوں نے انہیں قتل وتل کر دیا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں اگر ایسا ہوا ہوتا تو پھر تو کوئی فکر ہی کی بات نہیں تھی۔ سب مطمئن ہو جاتے۔ وہ غائب ہوگئے ہیں اور یقینی طور پر کسی ایسے مسئلے میں جو ان کے لئے حفاظت کا ذریعہ بن سکتے۔''

''اچھا خیر اب یہ بتایئے مجھے کھولیں گے یا آگے کی کہانی سنائیں گے۔''

''نہیں ابھی پلیز ایسے ہی بیٹھی رہو۔''

''چلئے ٹھیک ہے جب ایسی کنڈیشن ہوتی ہے تو سامنے والے کا حکم ماننا ہی پڑتا ہے۔ اچھا پھر کیا ہوا، یعنی یہ کہ آپ میرے کزن ہیں۔''

''ہاں وہ لوگ نہیں چاہتے کہ تم زندہ رہو۔ تم یہاں آئیں مجھے معاف کرنا ہر بات بتانی تو پڑتی ہی ہے نا۔ تم یہاں آئیں تو ایئرپورٹ پر قدم رکھتے ہی تم پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ لوگ ساری باتیں جانتے تھے۔ لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ مارشل آرٹس کی اتنی ماہر ہو۔ تم نے ان لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے جو تمہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ وہاں اس کے بعد تمہارے ہوٹل میں پھر اور دوسری جگہوں پر تم پر حملے کئے گئے۔ لیکن تم بچتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ تم غائب ہوگئیں۔ تم پولیس کی تحویل تک گئی تھیں لیکن اس کے بعد نہیں پتا چل سکا کہ تم کہاں گم ہوگئیں۔''

''آپ نے پولیس والوں سے پوچھا ہوتا کہ میں کہاں گم ہوگئی۔'' میں نے پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں بتایا ان کمبختوں نے کسی نے بھی۔ حالانکہ انہیں اچھی خاصی رقم کی پیشکش کر دی گئی تھی۔''

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ راؤ حیات اللہ واقعی کوئی خوفناک ہی چیز ہے۔ بے شک اس نے پولیس کو پیسے دیئے تھے لیکن اس کے بعد اس کے بارے میں اتنی رازداری کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہی ہوگی۔ بہرحال میں اب اپنے اعصاب پر اچھی طرح قابو پا چکی تھی میں نے کہا۔

''اچھا جناب۔ تو بات یہ ہوئی کہ میں وہاں سے غائب ہوگئی۔''

''ہاں! اس ایڈووکیٹ کو قتل کرا دیا گیا اور اس کا الزام بھی تم پر ہی لگایا گیا۔ جو بظاہر حیات حسین صاحب کا وکیل تھا۔''

''بظاہر کیا مطلب؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''مطلب یہ کہ حیات حسین صاحب بھی بے وقوف آدمی نہیں تھے۔ مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ صرف ایک ٹائٹل تھا۔ انہوں نے اپنا اصل وکیل کسی اور کو مقرر کر رکھا ہے۔ یہ بات ہمیں مرزا طاہر بیگ کے قتل کے بعد معلوم ہوئی۔''

''اس کا مطلب ہے آپ لوگ قاتل بھی ہیں۔ آپ ہی نے انہیں قتل کرایا تھا۔''

''دیکھو چرب زبانی کی کوشش مت کرو۔ اگر میں اس کا اعتراف بھی کرلوں تو تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ چونکہ دو ہی باتیں ہیں شرمین۔ یا تو تم میری بات مان لو یا پھر اس دنیا کو چھوڑ دو۔ میری بھی زندگی کے لئے یہ ضروری ہے۔ کیا سمجھیں۔''

''ارے..... ارے آپ پھر میرے قتل کی باتیں کر رہے ہیں جناب اشتیاق حسین صاحب میرے کزن۔''

''ہاں شرمین یہ بہت ضروری ہے۔ میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس کیلئے میں نے بڑا خطرہ مول لیا ہے کیونکہ اس خاندان میں اکیلا میں ہی کوئی خطرناک آدمی نہیں ہوں۔''

''ویسے ذرا ایک رازداری سے مجھے ایک بات بتایئے۔ کیا آپ واقعی کوئی خطرناک آدمی ہیں۔'' میں نے کہا قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ وہ مجھے کسی قدر غصے سے

گھورنے لگا پھر بولا۔

''اس وقت بھی یہ پستول میرے پاس ہیں۔ میں چاہوں تو ان کی ساری گولیاں آپ کے بدن میں اتار سکتا ہوں۔''

''ہائے اتنے سارے سوراخ ہو جائیں گے تو میرا بنے گا کیا۔ میں نے پُرمزاح لہجے میں کہا اور وہ مجھے غصے سے گھورنے لگا۔''

''دیکھو تم بے شک بہت خوبصورت ہو مگر میں تم سے عشق نہیں کرنے لگا۔ پہلے بھی تم پر جو قاتلانہ حملے ہوئے تھے ان میں بھی شریک تھا۔ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی ہمدردی نہیں کوئی محبت نہیں جاگی اور آج بھی ایسی ہی بات ہے۔ لیکن میرے ذہن میں جو خیال آیا ہے وہ تمہارے اور میرے لئے انتہائی شاندار خیال ہوگا۔''

''اچھا.....اچھا۔ کوئی خیال آیا ہے آپ کے دل میں۔''

''ہاں!''

''اور آپ نے اس خیال کے تحت مجھے اغواء بھی کیا ہے۔''

''ہاں یہی سمجھ لو۔''

''بتا دیجئے کیا خیال ہے وہ۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔

''شرمین تم مجھ سے شادی کرلو۔'' اس نے ایک اور دھماکہ کیا اور میں اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''آپ سے شادی کرلوں اشتیاق حسین صاحب۔''

''ہاں! اس طرح میں انہیں ڈبل کراس کروں گا۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''میں تم سے شادی کرلوں گا۔ تھوڑے عرصے تک میں تمہیں روپوش رکھوں گا اور اس کے بعد منظر عام پر لے آؤں گا۔ میں چچا حیات حسین کو تلاش کروں گا۔ وہ زندہ ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو روپوش کرلیا لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ یورپ نہیں گئے۔ کہیں سے اس کے شواہد نہیں ملتے۔ ہم لوگوں نے ان کے بارے میں ہر طرح کی چھان بین کر

ڈالی ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں مسرت کی ایک لہر محسوس کی پہلی بار مجھے میرے والد کی زندگی کی اطلاع ملی تھی۔ وہ جہاں بھی ہیں وہ ایک الگ بات ہے لیکن ان کی زندگی کی اطلاع میرے لئے بڑی خوش گوار تھی۔

''اچھا اچھا خیر پھر آگے فرمایئے۔''

''شرمین کچھ عرصے تک میں تمہیں روپوش رکھوں گا اور اس کے بعد اپنی بیوی کی حیثیت سے منظر عام پر لے آؤں گا۔ مجھے خود بھی اس دوران روپوش رہنا پڑے گا چونکہ میرے اہل خاندان بہت خطرناک لوگ ہیں وہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''اچھا چلئے ٹھیک ہے۔ آپ نے مجھ سے شادی کرلی اور اس کے بعد انہیں ڈبل کراس کیا یعنی اس طرح دولت آپ کے قبضے میں آجائے گی۔ لیکن کیا وہ لوگ ہمیں یہاں پر زندہ سلامت رہنے دیں گے۔''

''سب سے پہلے میں چچا حیات حسین کو تلاش کروں گا۔ ان کا سہارا لے کر میں بات آگے بڑھاؤں گا۔ ہم لوگ اس دولت اور اس جائیداد کو فروخت کردیں گے یا پھر ایک اور ترکیب ہوسکتی ہے۔''

''وہ کیا؟'' میں نے سوال کیا۔

''میرے اہل خاندان بہت دولت مند لوگ ہیں۔ خاص طور سے تائی صاحبہ۔ ان کا اپنا بھی ایک خاندان ہے اور پھر جو جائیداد ہمارے اور ان لوگوں کے قبضے میں ہے وہ بہت ہی قیمتی ہے۔ وہ اپنا کچھ حصہ فروخت کرکے اس جائیداد کو خرید سکتی ہیں۔ ہم ان سے دولت وصول کریں گے اور ملک سے باہر چلے جائیں گے۔ میرا مطلب ہے لندن وغیرہ۔ جہاں باقی سب لوگ رہتے یا جہاں تم لوگ رہا کرتے تھے۔''

''اچھا.....اچھا اتنا زبردست منصوبہ ہے آپ کا اشتیاق حسین صاحب۔''

''ہاں!''

''چلئے ٹھیک ہے۔ آپ اس منصوبے پر ضرور عمل کیجئے۔ اب مجھے یہ بتایئے کہ اس

کے بعد میں کیا کروں۔''

''کیا مطلب؟ مجھ سے شادی کی تیاریاں کرو لیکن جھوٹ نہیں چلے گا بالکل اگر کہیں بھی کوئی جھوٹ کا شبہ ہوا تو پھر میرے لئے مجبوری ہو جائے گی۔''

''شادی کیسے کریں گے آپ؟''

''یہیں اسی جگہ قاضی کو بلا کر نکاح کر لیا جائے گا۔ پھر میں تمہیں ایک ایسی جگہ رکھوں گا جہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ لیکن تم دنیا کی نگاہوں سے روپوش رہو گی اس وقت تک جب تک میرا کام مکمل نہیں ہو جاتا۔ البتہ میں اعلان کر دوں گا کہ شرمین حیات میری بیوی ہے۔''

''شرمین حیات نا۔''

''ہاں کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں شرمین حیات ہوں ہی نہیں۔'' میں نے کہا اور اس کا چہرہ ایک دم آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔

''یعنی اس ساری بکواس کے بعد تم یہ بات کہہ رہی ہو کہ تم شرمین حیات نہیں ہو۔''

''جی اشتیاق حسین صاحب بڑی اچھی کہانی ہے آپ کی اور میں اس لڑکی کے لئے انتہائی افسردہ ہوں جس کا نام شرمین حیات ہے۔ بے چاری نجانے کن چکروں میں پھنس گئی۔ جناب عالی میرا نام نیزہ کنول ہے اور میں ہاشم ولی کی بیٹی ہوں، کوسٹاریکا سے آئی ہوں۔ آپ جس طرح چاہیں میرے بارے میں تحقیقات کر لیں اور اس کے بعد اگر پھر بھی مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو مجھے غور کرنے کا موقع دیں چونکہ میں اپنے والد کی موت کے بعد یہاں آئی ہوں۔'' میں نے پہلی بار اپنے باپ کے بارے میں اس قسم کے الفاظ کہہ دیئے تھے جس پر میرا دل دُکھا بے شک تھا لیکن رواں روی میں یہ بات منہ سے نکل گئی تھی۔ وہ مجھے گھورتا رہا پھر بولا۔

''شرمین حیات میں تمہیں اس وقت بھی دیکھ چکا ہوں جب تم ایئرپورٹ پر اتری تھیں۔ بعد میں بھی تمہیں دیکھتا رہا ہوں۔ البتہ درمیان میں تم غائب ہو گئیں تھیں تو مجھے

تعجب ہوا تھا۔ پھر تمہیں آصف علی خان صاحب کی حویلی میں دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ بڑی چالاکی سے میں نے نادر سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ تم کوسٹاریکا سے آئی ہوئی ہو۔ یہ کہانی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے یہی سوچا کہ تم نے اپنے آپ کو روپوش رکھنے کے لئے یہ جگہ منتخب کی ہے۔ پولیس کو کچھ دے دلا کر تم نے اس بات پر آمادہ کر لیا ہو کہ وہ تمہاری کہانی گول کر جائے ورنہ حقیقت ہے کہ تم مرزا طاہر بیگ ایڈووکیٹ کے قتل کے الزام میں گرفتار تو ہو ہی چکی تھیں اور اس کے بعد تمہیں سزائے موت ہی ہوتی۔ تم لاکھ چیختی چلاتی رہتی لیکن جو بات کھلے عام سامنے آ گئی تھی۔ اس پر اس کی پردہ پوشی کیسے کی جا سکتی تھی۔ خیر شرمین میں تمہیں سوچنے کا وقت دے سکتا ہوں۔ تین دن ..... تین دن کافی ہوں گے اس دوران تم فیصلہ کر لو اس کے بعد میں معافی چاہتا ہوں۔ شرمین تمہیں قتل کر کے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوگی۔ میں نے تو تمہیں زندگی دینا چاہی تھی اس طرح ایک کام ہو جاتا۔ وہ دولت و جائیداد جس کے لئے وہ سارے لوگ ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں صرف اور صرف میرے قبضے میں آ جاتی۔ میں ایک بہت اچھے شوہر کی حیثیت سے تمہارے ساتھ زندگی گزارتا۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں جہاں تم پسند کرتیں۔ دیکھو انسان کی زندگی کی سب سے بڑی طلب دولت ہوتی ہے۔ ہم اس دور کی باتیں کرتے ہیں محبتیں وغیرہ ہوتی بیشک ہیں لیکن بنیاد دولت ہی ہوتی ہے۔ یہ میرا اپنی زندگی کا تجربہ ہے۔ ہمارے پاس دولت ہوتی میں تمہارا بہت اچھا شوہر ثابت ہوتا۔ سوچ لو سوچ لو شرمین یہ تمہارے حق میں بہت بہتر رہے گا۔''

''ٹھیک ہے بابا ٹھیک ہے۔ تین دن کا وقت تو دے رہے ہو نا۔ ہو سکتا ہے ان تین دنوں میں میں شرمین حیات ہی بن جاؤں۔'' میں نے کہا اور وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

''تمہیں یہاں کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی لیکن پلیز یہ لوگ جو ہیں نا یہ بہت خونخوار ہیں درندوں کی طرح سے اور انہیں ہدایت کر دی گئی ہے کہ اگر تمہاری طرف سے کوئی خطرہ دیکھیں تو سیدھا سیدھا تمہیں گولی مار کر ہلاک کر دیں۔ ہمارا کام ویسے بھی

پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد نمٹیں گے دوسرے معاملات سے لیکن بہتر ہوگا کہ تم ان سے تعاون کرنا۔''

''بہت خوفزدہ ہو مجھ سے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں مارشل آرٹس کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہوں۔''

''کہہ لو کہہ لو جو تمہارا دل چاہے کہہ لو۔ میں اعتراض نہیں کرتا۔ بہرحال میں تمہیں تین دن کا وقت دے چکا ہوں..... چلتا ہوں خدا کرے تم صحیح فیصلہ کرسکو۔'' وہ اُٹھا اور اپنی جگہ سے باہر نکل گیا۔ میں نے چیخ کر کہا۔

''میرے ہاتھ پاؤں تو کھلوا دو۔''

وہ ایک لمحے کے لئے رکا۔ پھر اس نے باہر کی طرف رخ کر کے کسی کو آواز دی اور چاروں نقاب پوش اندر آ گئے۔ میرے ہاتھ پاؤں پستول کی زد میں کھول دیئے گئے تھے اور اس کے بعد سب باہر نکل گئے۔ لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ واپس آیا اور خاموشی سے میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں اسے دیکھتی رہی تھی۔ اس نے کہا تھا۔

''کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو مشکل سی محسوس ہوتی ہیں۔''

''کیا مطلب۔''

''میں نے خود تمہیں کئی بار قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''اب بھی تو یہی کر رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''کیوں؟''

''کسی لڑکی کو اس طرح بے بس کر کے اس سے شادی کرنا کوئی اچھا قدم ہے۔ کیا کوئی لڑکی ایسی شادی پسند کرے گی۔''

''میں اس لئے واپس آیا ہوں۔''

''میں پھر کہوں گی کیا مطلب۔''

''سنو، شرمین حیات، شادی تو ذرا مختلف انداز میں ہوگی لیکن میں بھی انسان ہوں۔ انداز بدل جاتے ہیں۔ تم اگر ممکن ہو سکے تو مجھ سے تعاون کرو، اس بات کے

امکانات بھی ہیں کہ تمہارے دل میں میرے لئے جگہ پیدا ہو جائے کیونکہ میں تمہارا ہی خون ہوں۔ یہ کہہ کر وہ پھر باہر نکل گیا۔ میں نے ہونٹ سکوڑ لئے تھے۔

رات ہو گئی، میں بے حد پریشان تھی، لیکن کچھ انکشافات نے مجھے خوشی بھی دی تھی۔ مثلاً یہ کہ میرے ابو زندہ ہیں، یہ بات بھی اب کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ میرا دشمن اپنا خون ہے۔ اس سے پہلے اس طرح کے کچھ واقعات سے ضرور تھے لیکن خود میری زندگی کبھی اس طرح کے واقعات سے دوچار ہوگی یہ کبھی نہیں سوچا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ایک جذبہ بھی دل میں ابھرا تھا۔ اگر یہ دشمن میرا کزن ہے تو کیا اس کے دل میں ایک لمحے کیلئے بھی کوئی جذبہ نہیں ابھرا کہ یہ لڑکی میرے چچا کی بیٹی ہے۔ لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے، جذبے کہاں اُبھرتے ہیں، دولت کی دیوی کسی کو کہاں سوچنے دیتی ہے، وہ کمبخت مجھ سے شادی کر کے میری دولت تنہا ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ کیا خطرناک منصوبہ تھا۔

کچھ دیر پہلے مجھے کھانا پہنچایا گیا تھا اور میں نے کھا بھی لیا تھا۔ اب سوچ رہی تھی کہ لیٹ جاؤں تھوڑی سے فیصلے بھی کئے تھے۔ مثلاً میں یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کونسی جگہ ہے جہاں اس نے مجھے قید کیا ہے۔ قرب و جوار کے سناٹے اس بات کا احساس دلاتے تھے کہ آبادی سے دور کی جگہ ہے۔ کہیں سے کوئی آواز نہ دن میں نہ رات میں ابھرتی تھی۔ اگر میں اشتیاق کے سامنے ہلکی سی لچک کا مظاہرہ کروں تو شاید کچھ شرطوں کے ساتھ۔ شرطوں کے بارے میں بھی میں نے سوچ لیا تھا۔ اسے تھوڑا سا نرم کروں اور پھر موقع ملتے ہی راؤ حیات اللہ کو فون کر کے ساری تفصیل بتا دوں۔ راؤ کے اختیارات اور اس کی فطرت کا مجھے اندازہ تھا۔ وہ ان لوگوں سے اچھی طرح نمٹ لے گا..... یا اگر نہ بھی نمٹ سکا تو کم از کم میں ان دونوں کے چنگل سے نکل جاؤں گی۔

تقدیر کی خوبی دیکھئے کہ اس وقت یہ باتیں سوچ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میں چونک پڑی۔ دروازہ کھلا اور وہی منحوس نقاب پوش اندر داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے ہی اشتیاق بھی تھا میں نے اپنے منصوبے کے تحت اپنا موڈ خوشگوار کر لیا۔

''سوری شرمین، سو تو نہیں گئی تھی۔''

''جاگ رہی ہوں۔'' میں نے کہا اور ہنس پڑی۔

''کیوں..... ہنسی کیوں۔''

''کیا پیچھے قاضی صاحب بھی ہیں۔''

''کیا مطلب.....''

''میں سمجھی آپ مجھ سے نکاح کرنے آئے ہیں..... اور یہ نقاب پوش آپ کے پستول بردار گواہ ہیں.....'' میں نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

اشتیاق بھی مسکرایا تھا۔ پر اس نے کہا ''خدا کا شکر ہے اس وقت موڈ بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''ہاں ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ واقعی لطیفے سنا رہے ہیں اشتیاق صاحب۔''

''لطیفے''

''تو اور کیا۔ فرض کر لیجئے میں آپ سے شادی کے لئے تیار ہو جاتی ہوں تو کیا شادی بھی پستول کی چھاؤں میں ہوگی۔''

''مجھے شرمندہ کر رہی ہو، اصل میں یہ فن مارشل آرٹس کلب کا جس میں تم نے تربیت حاصل کی ہوگی۔ اصل میں، میں نے تمہارے ہاتھ دیکھے ہیں اور میں واقعی لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں ہوں۔ مجھے ہڈیاں تڑوانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''اور شادی کے بعد''..... میں نے پوچھا۔

''ان لوگوں میں شمار کر لیا جاؤں گا جو بیوی کے ہاتھوں پٹا کرتے ہیں۔ اصل میں شرمین انسان کے ذہن میں کوئی اچھوتا اور انوکھا خیال آ جاتا ہے تو وہ بہت جذباتی ہو جاتا ہے۔ یقین کرو پہلے میں صرف تمہاری ہلاکت سے دلچسپی رکھتا تھا لیکن جب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ ترکیب بھی تو ہو سکتی ہے کہ میری کیفیت ہی بدل گئی اور اب میں اپنے دل میں تمہاری محبت بھی محسوس کر رہا ہوں۔''

''گڈ.....'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے بتاؤ شرمین، تمہارے اس بدلے ہوئے موڈ کی وجہ کیا ہے؟''

''یہ کہ میں شرمین ہوں ہی نہیں..... میں نے کہا اور ہنس پڑی۔''

''شرمین پلیز.....'' وہ عاجزی سے بولا۔

''یہ بتایئے جناب کہ آپ اس وقت کیسے آئے؟''

''بس جذباتی ہو کر، تم سے ملنے کو بے اختیار دل چاہا تھا۔''

''مل لئے؟''

''ہاں۔ کچھ سوچا اس بارے میں۔''

''ہاں۔''

''کیا.....؟'' وہ خاموش ہو کر بولا۔

''یہی کہ نیزہ کنول سے شرمین حیات بننے کیلئے کچھ وقت تو چاہئے نا۔''

''تمہیں کس سے مشورہ کرنا ہے؟''

''اپنے آپ سے۔''

''شرمین ہم ایک آئیڈیل زندگی گزاریں گے۔ تم میرے ساتھ بہت خوش رہو گی۔''

''جیسے یہاں خوش ہوں؟'' میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ بولا۔

''کتنی پُر آسائش جگہ منتخب کی ہے آپ نے میرے لئے۔ دیکھیں تو سہی۔ دنیا کی ہر سہولت مہیا ہے مجھے۔ چار چار پستول بردار آدمیوں کی نگرانی میں ناشتہ اور کھانا کھاتی ہوں۔ واہ۔''

''دیکھو طنز مت کرو شرمین۔ ظاہر ہے پہلے میرے ذہن میں یہ خیال نہیں تھا اور میں تمہیں ایسے کسی پروگرام کے تحت نہیں لایا تھا۔ تھوڑا سا وقت دو مجھے میں انتظام کر لوں گا۔ دیکھو مجھے معاف کرنا ابھی نہ تمہیں میری صحیح نیت کے بارے میں کچھ معلوم ہے نہ مجھے تمہاری صحیح نیت کے بارے میں۔ میں تمہیں کسی ایسی جگہ لے جا کر نہیں رکھ سکتا جہاں

مجھے تمہاری طرف سے خطرہ ہو۔ تھوڑا سا تعاون کرو میرے ساتھ۔ تم یقین کرلو وہ سب کچھ ہوجائے گا جو تم چاہتی ہو۔ میں بھی ان لوگوں سے کسی طور پر کم نہیں ہوں۔ سارے حالات سے نمٹ لوں گا۔ بس تھوڑا سا وقت دو اور پلیز سچے دل کے ساتھ، مجھ سے بڑا ہمدرد تمہیں اور کوئی نہیں ملے گا۔ میں ان سب کے منصوبے فیل کردوں گا۔ ہم لوگوں کو حقیقت کو مدِنگاہ رکھنا چاہئے۔ میری بات سمجھ رہی ہونا۔''

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ زبان سے کچھ کہنا کسی قدر غلط بھی ہوسکتا تھا۔

''اچھا اجازت دو۔ پلیز شرمین بعد میں تم سے بہت سی باتیں کروں گا۔'' وہ بولا اور میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ واپسی کے لئے مڑ گیا تھا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔ دروازہ باہر سے بند ہونے کی آواز سنائی دی تھی چالاک آدمی تھا۔ چلو ٹھیک ہے کم از کم اتنا تو ہوا کہ پتھر میں گڑھا پڑ گیا۔ آئے گا میرے جال میں۔ رویہ بھی نرم اور لچک دار ہوجائے گا اس کا۔ بے شک وہ میری طرف سے لاپرواہی نہیں برتے گا۔ لیکن میں بھی اپنے طور پر کوشش کئے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ نکلنے کی بھی کوشش کروں گی اور راؤ حیات اللہ سے رابطہ قائم کرنے کی بھی۔ بہت سے منصوبے ذہن میں آتے رہے۔ پھر میں سونے کے لئے لیٹ گئی۔ غالباً اسے گئے ہوئے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ گزرا تھا اور میری آنکھوں میں ہلکی ہلکی نیند آ گئی تھی۔ ذہن تھوڑا سا سو بھی گیا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز پھر سنائی دی اور اس آواز سے دوبارہ میں ہوشیار ہوگئی۔ کمبخت کو مصیبت پڑی ہوئی ہے۔ اپنے آپ پر غور کرتا ہوگا اور جان نکلتی ہوگی اس کی۔ پتا نہیں مقابلے پر کون کون ہے۔ حسین نگر میں میرے اہلخاندان جو میری جائیداد کو ہڑپ کرنے میں نجانے کیا کیا سوچے ہوئے ہیں۔ میں انتظار کرنے لگی کہ وہ دوبارہ اندر آئے لیکن وہ اندر نہیں آیا۔ پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خوفناک خیال آیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ کہیں ان چاروں نقاب پوشوں میں سے کوئی نہ ہو۔ اس طرح کے واقعات بے شمار میرے علم میں آ چکے تھے۔ کسی تنہا لڑکی کے لئے کوئی بھی شخص کچھ بھی سوچ سکتا تھا۔ اگر وہ چاروں پستول کے

بل پر مجھے کوئی جسمانی نقصان پہنچانے پر تل گئے تو مجھے کیا کرنا ہوگا۔ ویسے تو میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دو چار افراد کی ایسی تیسی کرنے میں کوئی مشکل نہیں محسوس کرتی تھی لیکن پستول تھے ان کے پاس۔ خیر زندگی تو ایک بار ہی جانی ہوتی ہے۔ میں زندگی کے لئے جدوجہد کر رہی ہوں۔ اگر وقت مجھے زندگی دینے پر آمادہ نہیں ہے تو بھلا کون روک سکتا ہے۔

میں اپنی جگہ ساکت لیٹی ہوئی انتظار کرتی رہی۔ اپنے طور پر میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مجھے کہاں سے اپنے کام کا آغاز کرنا ہے۔ دیکھوں گی وہ لوگ کتنے سفاک ہیں۔ مجھے اپنی زندگی کے بہترین فن کو استعمال کرنا تھا۔ پانچ منٹ، دس منٹ، پندرہ منٹ گزر گئے کوئی اندر نہیں آیا تو مجھے پھر حیرانی ہوئی۔ کیا دروازہ کھلنے کی آواز صرف سماعت کا وہم تھا۔ لیکن میں اس وہم کو وہم کی شکل میں نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ پوری ہوشیاری کے ساتھ کہ اگر کوئی اندر داخل ہو تو میں ایک لمحے کے اندر اسے زمین پر لٹا سکوں۔ دروازے پر پہنچ کر کچھ لمحوں تک آہٹیں لیتی رہی۔ کہیں دور سے خراٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دروازے کے پاس کوئی آواز نہیں تھی۔ اپنے وہم کی تردید کرنے کیلئے میں نے دروازے کو تھوڑا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا باہر نیم تاریک ماحول میں دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔ لیکن یہ بات تو طے تھی کہ دروازہ کھلا تھا۔ دروازہ کھولنے والا کون ہوسکتا ہے۔ میں دروازے میں کھڑی سوچتی ہوں۔ نکلنا چاہئے بعد میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا اور اس خیال کے ساتھ ہی میں نے دوڑ لگا دی۔ جس جگہ میں جا رہی تھی وہ کچی پکی دیواروں پر مشتمل تھی۔ ٹوٹی ہوئی اینٹیں جو مٹی کے گارے سے جوڑی گئی تھیں۔ اس جگہ کا انتخاب بھی ایک بڑی ہال نما جگہ پر ہوا تھا۔ اسے ہال کہہ لیا جائے ورنہ انتہائی بدنما جگہ تھی۔ یہاں زمین پر چار گدے پڑے ہوئے تھے اور ان چاروں گدوں پر چار افراد سو رہے تھے۔ لالٹین کی مدھم روشنی ان کے چہروں کو نمایاں کر رہی تھی۔ مکروہ شکل کے خوفناک لوگ تھے لیکن سب گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے اس جگہ کو بھی دبے پاؤں طے کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ باہر ہُو کا عالم تھا۔ کہیں کوئی روشنی نہیں تھی۔ کوئی جنگل نما جگہ تھی۔ پتا نہیں اس جنگل نما جگہ میں اس

عمارت کے کیا امکانات تھے۔ کیسی تھی یہ عمارت اور کس نے بنوائی تھی، کچھ پتا نہیں چلتا تھا میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور یہ سوچا کہ اب عمارت سے تو نکل ہی جایا جائے۔ البتہ اتنی عقل مندی میں نے ضرور کی تھی کہ باہر نکل کر مین دروازہ بند کر دیا تھا اور اس کے بعد میں پاگلوں کی طرح دوڑنے لگی تھی۔ بس سیدھ میں دوڑی جا رہی تھی۔ یہ خیال میرے ذہن میں تھا کہ بڑے بڑے اور اونچے اونچے درخت چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اور میں واقعی نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ یہ کونسی جگہ ہے۔ پھر ایک مدھم سی روشنی مجھے نظر آئی۔ فاصلہ کافی تھا۔ لیکن یہ روشنی کم از کم اپنی جانب میری رہنمائی کر رہی تھی۔ میں نے ادھر ہی دوڑ لگا دی۔ پھر اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرے ساتھ دوڑ رہا ہے۔ کہیں ان چاروں میں سے تو کوئی نہیں جاگ گیا۔ دہشت بھرے انداز میں میں نے پلٹ کر دیکھا اور میں اپنے پورے ہوش و حواس سے یہ بات کہتی ہوں کہ میرے ساتھ کوئی دوڑ رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے رخ بدلا وہ ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ میں پتھرا سی گئی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ اگر کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے تو اسے تو مجھ پر حملہ آور ہونا چاہئے تھا۔ میں ٹِک ٹِکی باندھ کر اس درخت کو دیکھتی رہی۔ پھر اچانک ہی درخت کے پیچھے سرسراہٹ ہوئی اور کسی نے جھانک کر مجھے دیکھا۔ دو آنکھیں صرف دو آنکھیں جو روشن اور چمکدار تھیں اور یہ آنکھیں میری شناسا تھیں۔ میرے حلق سے کپکپائی ہوئی آواز نکلی۔

''شہ نام..... شہ نام پلیز۔ اگر یہ تم ہو تو سامنے آ جاؤ۔ شہ نام تمہیں خدا کا واسطہ۔ میں بہت ڈر رہی ہوں شہ نام..... شہ نام میرے پاس آ جاؤ۔ ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔''

میری آواز میں ایک عجیب سا دکھ پیدا ہو گیا تھا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کوئی میرا اپنا واقعی میرا اپنا میرے پاس آ گیا ہو۔ لیکن میری آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ پھر میں نے مزید ہمت کی اور اس درخت کی طرف دوڑنے لگی چند گز ہی کا فاصلہ تھا۔ میں اس کے پیچھے پہنچی لیکن یہاں کچھ نہیں تھا۔ میں نے تین چار آوازیں پھر دیں اور پھر مایوسی سے گردن ہلانے لگی.....

''شہ نام اگر تم ہو تو تمہیں میرے پاس آنا چاہئے۔ بھلا اور کس وقت میرے کام

آؤ گے۔'' اور اس کے بعد میں نے خود ہی خود کو سمجھایا ایک بار پھر پلٹ کر اس روشنی کی طرف دیکھا۔ مدھم سی روشنی ہل جل رہی تھی میں تھکے تھکے انداز میں اس طرف بڑھنے لگی۔ یہ دو آنکھیں اس وقت میرا وہم نہیں تھا۔ کچھ تھا یقیناً کچھ تھا۔ میں سوچنے لگی کہ دروازہ کھلنا بھی بے معنی نہیں تھا۔ بالکل کھلی بات تھی کہ کسی نے دروازہ کھول کر مجھے وہاں سے نکالا ہے۔ کیا شہ نام نے۔ پھر وہ اس طرح گم کیوں ہو جاتا ہے۔ وہ میرے پاس کیوں نہیں آتا۔ پہلی بار آنکھوں میں دل سے نکلے ہوئے آنسوؤں کی آمیزش پیدا ہو گئی اور پھر میں نے ساری توجہ اس روشنی کی جانب کر دی۔ اب مجھے مدھم مدھم نظر آنے لگا تھا وہ سڑک تھی۔ بے شک اس سڑک پر اس وقت کوئی گاڑی نہیں گزر رہی تھی لیکن کالے رنگ کی ایک لمبی کار وہاں موجود تھی۔ اس کا بونٹ کھلا ہوا تھا اور اور کوئی ٹارچ کی روشنی میں اس کا انجن دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کا ہیولہ بھی مجھے نظر آنے لگا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور اس شخص نے اچانک ہی مجھے دیکھا۔ دوسرے لمحے اس کے ہاتھوں سے ٹارچ چھوٹ گئی اور وہ گھگیانے سا لگا۔ میں اس وقت بہتر کیفیت میں نہیں تھی۔ تاہم میں یہ سمجھ چکی تھی کہ وہ شخص ڈر گیا ہے۔ میں نے فوراً ہی کہا۔

''مسٹر..... مسٹر براہِ کرم ٹارچ اٹھا لیجئے۔ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نا میں کوئی چڑیل ہوں نہ بھوتنی، نہ کوئی ڈاکو۔ بس ایک حادثے کا شکار ہو کر میں یہاں نظر آ رہی ہوں آپ کو۔ آپ یقین کیجئے میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی اور پھر ویسے بھی میں لڑکی ہوں۔ آپ پلیز بس میری اتنی مدد کریں کہ مجھے آبادی میں چھوڑ دیں۔ یہ جگہ تو مجھے کوئی گزرگاہ معلوم ہوتی ہے۔ سنسان اور ویران۔''

کار کا بونٹ کھولے ہوئے جو شخص کھڑا ہوا تھا چند لمحات میری بات پر غور کرتا رہا پھر اس نے ٹارچ اٹھائی۔ مجھ پر روشنی ڈالی اور بولا۔

''میری کار تو پہلے ہی خراب ہو گئی ہے۔ میں..... میں۔''

''دیکھ لیجئے خدا کرے آپ کی کار صحیح ہو جائے۔ میں بڑے خطرے میں ہوں۔''

اس شخص نے کچھ لمحے سوچا پھر بے کسی سے بولا۔

''پتا نہیں اس کمبخت کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ کو گاڑی چلانا آتی ہے۔''

''ہاں!''

''پلیز ذرا اسے اسٹارٹ کر کے دیکھئے۔ آیئے بیٹھ جایئے کوئی ایسی بات نہیں ہے۔''

میں اسٹیئرنگ پر جا بیٹھی۔ ایگنیشن میں چابی لگی ہوئی تھی میں نے پہلا سیلف لگایا اور کار اسٹارٹ ہوگئی۔ وہ شخص اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ یہاں بھی مجھے اس کے اندر حیرانی نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر وہ اسٹارٹ انجن کو دیکھتا رہا پھر گردن ہلا کر بولا۔

''کمال ہے۔ خدا کی قسم کمال ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ خراب کیوں ہوئی اور ٹھیک کیسے ہوگئی۔ آپ پلیز نیچے اُتر آیئے بلکہ ادھر ہی سے سرک کر دوسری طرف بیٹھ جایئے یا پھر اگر پیچھے بیٹھنا چاہتی ہیں تو۔''

''نہیں میں آپ کے ساتھ ہی بیٹھی رہوں گی۔'' میں نے کہا اور اسٹیئرنگ پر سے ہٹ گئی۔ وہ ڈرتا ڈرتا اسٹیئرنگ پر آ بیٹھا تھا۔ بونٹ بند کر دیا گیا تھا۔ کار گیئر میں ڈال کر اس نے آگے بڑھا دی اور بولا۔

''آپ کا اس طرح یہاں مل جانا جس قدر حیرت ناک ہو سکتا ہے آپ کو خود بھی اس کا اندازہ ہوگا۔ بہرحال پلیز مجھے کوئی نقصان نہ پہنچایئے میں بال بچوں والا آدمی ہوں۔''

''آپ بے فکر رہیں آپ کو مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''میں آپ سے یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ آپ یہاں اس ویرانہ میں تنہا۔''

''نہ پوچھیئے تو بہتر ہے۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔''

وہ کافی تیز گاڑی چلا رہا تھا۔ میں بھی خاموشی سے بیٹھ گئی۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ راؤ حیات اللہ کی رہائش گاہ کے بارے میں تو میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ لیکن آصف علی خان کے بارے میں بھی مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ شخص ڈرائیو کرتا رہا۔ سہمے سہمے تاثرات اب بھی اس کے چہرے پر تھے پھر اس نے کار روک دی اور بولا۔

''بس میں آپ کو یہاں تک پہنچا سکتا تھا۔ آپ پلیز۔''

''جی!'' میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خاصی آباد جگہ تھی۔ قرب و جوار میں بنگلے بنے ہوئے تھے اور کم از کم یہاں سے مجھے گائیڈ لائن مل سکتی تھی۔ میں نے اس کا دلی شکریہ ادا کیا اور کار سے اتر گئی۔ جیسے ہی میں کار سے اتری اس نے گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈال کر تیز چرچراہٹ کے ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ اب بھی خوفزدہ تھا اور جان بچا کر بھاگنا چاہتا تھا۔ اس کا خوف اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھا۔ ظاہر ہے ایسے ویرانے میں ایک نوجوان لڑکی اسے ملی یہی شکر تھا کہ اس کی زندگی بچ گئی۔

بہرحال مجھے یہ یاد آ رہا تھا کہ وہ آنکھیں شہ نام ہی کی تھیں۔ پھر اچانک ہی ایک دوسرا واقعہ ہوا۔ میری نگاہ سامنے اٹھ گئی اور میں نے ایک لمحے کے اندر اس گیٹ کو پہچان لیا جو آصف علی خان کی کوٹھی کا گیٹ ہی تھا۔ یہ بھی ایک ناقابل یقین بات تھی جو شخص مجھے گاڑی میں لے کر یہاں تک آیا تھا اس نے مجھ سے میرا نام تک نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی میں نے اس سے اس کا۔ پھر وہ یہیں آ کر کیوں رُکا اور اس نے یہیں مجھے کیوں اتارا۔ فوراً ہی میرے ذہن میں شہ نام کا نام آیا۔ وہ آنکھیں میں کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ میں نے شہ نام سے اس دن کے بارے میں پوچھا بھی تھا جب وہ آنکھیں مجھے روشندان میں نظر آئی تھیں شہ نام نے ہی وہ دروازہ کھولا تھا۔ اس نے میری مدد کی تھی۔ یہ تو میرے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ عائشہ خالہ کی بتائی ہوئی باتیں، حویلی کے پرانے حصے کو دوبارہ دیکھنا، میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھی۔ شہ نام ہی نے میری مدد کی تھی۔ میں کھڑی سوچتی رہی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے اور پھر میرے قدم دروازے کی جانب اٹھ گئے۔ میں نے دروازے کو آہستہ سے بجایا تو اندر سے آواز آئی۔

''کون ہے؟''

''چوکیدار دروازہ کھولو۔ میں آصف علی خان صاحب کی مہمان نیزہ ہوں۔''

چوکیدار نے بدحواسی کے عالم میں دروازہ کھولا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی خوشی کے آثار تھے۔''

''آپ آ گیا بی بی صاب آپ آ گیا۔'' وہ تو یہ نہیں سوچ سکا تھا کہ میں نے اس سے اس کی زبان میں بات کیسے کی ہے اسے یہ سب کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔ لیکن اس کی خوشی حیران کن تھی۔ پھر اس نے وہیں سے حلق پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔

''بی بی صاب آ گیا۔ صاب لوگ بی بی صاب آ گیا۔'' اور اندر تیز روشنی جلنے لگی.....''

پھر نادر، آصف علی خان صاحب اور گھر کے دوسرے افراد دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ میری عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ میں نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہر حال میں چند قدم اور آگے بڑھی۔ اس دوران وہ لوگ بھاگتے ہوئے میرے پاس پہنچ گئے۔''

''نیزہ بیٹے ..... کیا ہوا نیزہ بیٹے ..... یہ کیا حلیہ ہو رہا ہے تمہارا، مجھے بتاؤ کیا ہوا بیٹے۔ کہاں چلی گئی تھیں تم۔ نیزہ تم ٹھیک تو ہو۔''

چاروں طرف سے سوالات اُبھر رہے تھے۔ نادر خود بھی کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ مجھے اندر لے گئے۔ ڈرائنگ روم میں لے جا کر انہوں نے مجھے صوفے پر بٹھایا۔ میں دل ہی دل میں بہت سے فیصلے کر رہی تھی۔ راؤ حیات اللہ کی کہانی اگر میں ابھی سے سنا دیتی ہوں تو خطرے میں پڑ جاؤں گی۔ میں نے فوراً ہی اپنے طور پر کچھ فیصلے کر لئے اور آنسو بھری آواز میں بولی۔

''میں بہت مشکل میں ہوں۔ مجھے تھوڑا سا وقت دے دیجئے''

''ہاں آؤ بیٹے ..... آؤ ..... آؤ ..... چلو اپنے بیڈ روم کی طرف چلو۔ چلو کوئی اسے پریشان نہ کرے۔ صبح کے ناشتے پر اس کے بارے میں ساری تفصیلات سے باتیں ہوں گی۔ چلو پلیز چلو۔'' نادر نے کہا۔

''اگر آپ اجازت دیں دادا ابو تو میں۔''

''ہاں بیٹے ہاں۔ جاؤ تم نیزہ کو لے جاؤ۔''

نادر مجھے تقریباً سہارا دے کر بیڈ روم میں لایا پھر اس نے کہا۔

''نیزہ، میں بھی تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ بالکل بے فکر رہو۔ تم جس مشکل کا بھی شکار ہوئی ہو اس میں لحہ لحہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں بھی صبح ہی کو تم سے معلوم کروں گا۔ پلیز دروازہ اندر سے بند کر لو۔ تھوڑا سا غسل کر لو۔ سارے بال مٹی میں اٹے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ لباس تبدیل کر لو اور سو جاؤ۔ کیا میں تمہیں نیند کی گولیاں لا کر دوں۔''

''نہیں۔'' وہ چلا گیا تو میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ پھر واقعی میں نے بہت دیر تک غسل کیا۔ دوسرا لباس پہنا اور بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ میرا پورا وجود سنسنا رہا تھا۔ آہ کیسی انوکھی کہانی کا آغاز ہو گیا تھا میری زندگی میں۔ واقعی یہ بائیسواں سال میرے لئے عذاب کا سال تھا۔ خدا غارت کرے فرمانہ ذامن کو کالی زبان والی نے پتا نہیں کیا بکواس کر ڈالی تھی میرے بارے میں اور وہی ہو رہا تھا جو اس نے کہا تھا۔ بڑے پریشان کن حالات تھے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب مجھے کرنا کیا چاہئے۔ راؤ حیات اللہ کے بارے میں ان لوگوں کو بتا دیتی ہوں تو ایک نیا کھیل شروع ہو جائے گا۔ راؤ حیات اللہ بھی معمولی آدمی نہیں ہے۔ میں فوراً ہی عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گی۔ ذرا سوچ سمجھ کر مجھے کام کرنا چاہئے۔ البتہ میں اشتیاق کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ بے شک وہ میرا کزن ہے لیکن اس نے صرف اپنے مطلب کے لئے یہ سارا کھیل شروع کیا ہے۔ سب سے پہلا کام اسے ہی فیل کرنا ہے۔ بعد میں کوئی دوسرا کام دیکھا جائے گا اور اس کے لئے میرے ذہن میں نادر ہی آیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں ایک منصوبہ تیار کر لیا اور اس کے بعد سونے کی کوشش کرنے لگی۔ شاید یہ اعصاب کی مضبوطی ہی تھی جس نے ان بُرے حالات کے باوجود مجھے نیند سے محروم نہیں رکھا تھا۔ البتہ صبح ناشے پر مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے گھر کے تمام افراد جاگتے رہے ہوں اور میرے ہی بارے میں سوچتے رہے ہوں کہ میں کہاں گئی تھی اور کہاں سے آ گئی۔ میں نے سب کے سامنے صورتحال کو لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ناشتے کی میز پر سب ہی میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں وہاں پہنچی تو آصف علی خان صاحب نے میرا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''بیٹی جو کچھ بھی ہوا ہے جیسے بھی ہوا ہے تم بالکل بے فکر رہو۔ میں تمہارے باپ کا دوست ہوں، تمہارے باپ کے برابر ہوں بلکہ دادا کے برابر۔ تم یوں سمجھ لو کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دوں گا میں۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

''دادا ابو اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ میں کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ میں عجیب وغریب پریشانیوں کا شکار ہوگئی۔''

''بیٹے ہوا کیا؟''

''اس رات کو میں یونہی ذرا سی بے چینی کا شکار تھی۔ باہر نکل آئی تو چند افراد نے مجھے کلوروفام سونگھا کر بے ہوش کر دیا اور اغواء کر کے لے گئے۔''

''یہاں سے..... کیا کہتے ہو نادر۔''

''نیز ہ غلط تو نہیں کہہ رہی ہوگی دادا ابو۔''

''میں بالکل غلط نہیں کہہ رہی دادا ابو۔ وہ لوگ مجھے اغواء کر کے لے گئے اور پھر کسی ایسی ویران جگہ رکھا جس کی میں کوئی نشاندہی نہیں کر سکتی بہت فاصلہ تھا یہاں کا۔ وہاں پر چار نقاب پوش میری نگرانی کے لئے موجود تھے۔ مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ پھر جس شخص نے مجھ سے ملاقات کی وہ..... وہ۔''

''ہاں کون وہ۔'' آصف علی خان صاحب نے پوچھا۔

''وہ نادر صاحب کا دوست اشتیاق حسین تھا۔''

''کیا؟'' نادر کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ گیا۔

''جی نادر صاحب وہ اشتیاق تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے اور آپ کے ساتھ مجھے دیکھتے ہی اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ میں آپ کے قبضے میں نہ آؤں اور وہ مجھ سے شادی کر لے۔ اس نے یہی مجھ سے کہا کہ اگر میں اس سے شادی کرنے پر تیار نہ ہوئی تو وہ مجھے شدید نقصان پہنچائے گا اور ایک ایسی کہانی آپ کو سنائے گا جس میں مجھے نجانے کیا ثابت کرے گا۔ اس نے کہا کہ میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کروں۔ میں اس کے قبضے میں تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے سوچنے کا موقع دیا جائے

اور پھر کسی نہ کسی طرح میں اس کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ میں اس عمارت سے نکل بھاگی اور بہت لمبا فاصلہ طے کر کے سڑک تک پہنچی۔ ایک شخص سے اس کی کار میں لفٹ لے کر یہاں تک آئی۔''

میرا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ اچانک نادر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور دیوانوں کی طرح دروازے کی طرف دوڑا۔

''نادر..... نادر کہاں نادر..... روکو اسے روکو وہ غصے کا دیوانہ ہے۔ وہ اشتیاق کو نہیں چھوڑے گا۔'' آصف علی خان بدحواسی سے چیخے اور تمام لوگ ناشتے کی میز سے اُٹھ اُٹھ کر بھاگے۔ نادر میری وجہ سے پاگل ہوگیا تھا۔ گھر میں افراتفری مچ گئی سب لوگ اس خیال کے تحت پریشان ہوگئے تھے کہ نادر دیوانہ قسم کا آدمی ہے کوئی حادثہ کر بیٹھے گا۔ یہ سب کچھ میرے لئے افسوسناک تو تھا لیکن میں کیا کرتی ان لوگوں کو کچھ نہ کچھ بتانا ضروری تھا۔ بہرحال میں بہت پریشان ہوگئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ گئی اب میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ میں کیا کروں۔ ایک طرف خیال یہ تھا کہ کہیں گم ہو جاؤں نہ نادر کو ملوں، نہ اشتیاق کو۔ میرے پاس تھا ہی کیا۔ کوئی بھی چیز تو میرے پاس نہیں تھی۔ یہاں تک کہ بس بدن کا لباس ہی تھا نہ کاغذات نہ پاسپورٹ۔ اگر انگلینڈ کے سفارتخانے بھی پہنچ جاتی تو نجانے میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا۔ کیونکہ اس قدر بے وقوف تو میں بھی نہیں تھی کہ اتنا نہ جانتی کہ ایک قاتلہ کو ملک کا سفارتخانہ بھی نہیں بچا سکتا۔ مقامی لوگوں کو مجھ پر مقدمہ چلانے کا اختیار تو حاصل تھا ہی بعد میں جو بھی فیصلہ ہوتا۔ ہائے مجھے جیل جانا پڑے۔ اب کیا کروں سوائے اس کے کہ آصف علی خان صاحب کو راؤ کے بارے میں اور اپنے بارے میں تفصیل بتا دوں۔ راؤ حیات اللہ جو گیم کھیل رہا تھا وہ بھی انتہائی سنسنی خیز تھی اور میرے لئے بے حد مشکل۔

نجانے کب تک انہی سوچوں میں ڈوبی رہی پھر تھوڑی دیر کے بعد باہر نکل آئی اور حالات معلوم کرنے لگی۔ نادر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا اور گھر کے تمام لوگ اسے تلاش کرنے میں مصروف تھے۔ دادا ابو ایک کمرے میں خاموش بیٹھے تھے۔ میں ان کے پاس

جا کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے ایک نگاہ مجھے دیکھا اور پھر گردن جھکا لی۔

''دادا ابو میری وجہ سے اس گھر کو جتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مجھے اس کا پورا پورا احساس ہے۔ کاش میں آپ لوگوں کے لئے اس طرح وبال جان نہ بنتی۔''

دادا ابو نے میری صورت دیکھی اور گردن جھکا لی۔ وہ کچھ بولے نہیں تھے اپنی پریشانی کا شکار تھے۔ بہرحال دوپہر کو تقریباً دو بجے کے قریب جب گھر کے تمام لوگ اپنی دانست میں بے حد پریشان تھے۔ نادر واپس آ گیا۔ اس کی اطلاع کسی ملازم نے آ کر دی تھی۔ تمام لوگ پرتجسس ہو گئے۔ اصل میں کسی کو اشتیاق کا پتہ نہیں معلوم تھا ورنہ شاید وہ وہاں بھی پہنچ جاتے۔ البتہ کچھ لوگ نادر کے دوستوں سے اس کے دوست اشتیاق کا پتہ پوچھتے پھر رہے تھے۔ نادر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ دادا ابو میرے پاس پہنچے۔

''نیزہ آؤ بیٹا ذرا میرے ساتھ۔'' باقی کچھ اور افراد بھی تھے۔ میں دادا ابو کے ساتھ نادر کے کمرے میں پہنچ گئی۔ نادر ایک کرسی پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہم لوگوں کو دیکھا اور سنبھل گیا۔

''کیا کر کے آئے ہو نادر؟''

''کچھ لوگوں کی تقدیر اچھی ہوتی ہے دادا ابو۔ وہ کمبخت بچ گیا۔ جہاں جہاں وہ مل سکتا تھا میں نے اسے ہر جگہ تلاش کر لیا۔ لیکن شاید اسے یہ پتہ چلا گیا ہے کہ نیزہ اس کے چنگل سے نکل گئی اور ظاہر ہے نکل کر وہ سیدھی یہیں پہنچی ہوگی، مجھے بھی وہ اچھی طرح جانتا ہے اس لئے روپوش ہو گیا۔ لیکن دادا ابو میری زندگی کا مشن ہے چھوڑوں گا نہیں اُسے۔ زندہ نہیں چھوڑوں میں اُسے۔''

''دادا ابو ایک اور بھی کہانی ہے جواب آپ کو بتائے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔'' دادا ابو کے ساتھ نادر نے بھی چونک کر مجھے دیکھا تھا باقی جو چند افراد تھے وہ بھی مجھے دیکھنے لگے تھے۔

''کیسی کہانی بیٹے۔''

''ایسی کہانی دادا ابو کہ اسے سن کر آپ کو میرے وجود سے نفرت ہو جائے گی۔''

''نہیں بیٹا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارے وجود سے محبت بڑھ سکتی ہے۔ نفرت کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔''

''دادا ابو نفرت ہی کریں گے آپ مجھ سے۔''

''خیر بیٹا بتاؤ کیا بات ہے۔''

''میں جانتی ہوں دادا ابو میرے الفاظ سے آپ کو کتنا دکھ ہوگا لیکن آپ یقین کریں میں روز اوّل بھی آپ سے مخلص تھی اور آج بھی آپ سے مخلص ہوں۔ کیونکہ بذات خود میں بُری نہیں ہوں۔''

''بیٹا تم مجھے تجسس میں مبتلا کر رہی ہو۔'' نادر بھی اب پوری طرح میری جانب متوجہ تھا میں نے کہا۔

''دادا ابو میں نیزہ کنول نہیں ہوں۔'' میرے الفاظ کی بازگشت دیر تک گونجتی رہی۔ وہ سب نا سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھ رہے تھے۔

''ہاں دادا ابو میں نیزہ کنول نہیں ہوں۔ میرا نام شرمین حیات ہے۔''

''کیا مطلب بیٹے؟'' دادا ابو کی حیران کن آواز ابھری.....

''میں کوسٹاریکا کبھی نہیں گئی۔ نہ میں کسی ہاشم ولی کو جانتی ہوں۔ میرے والد کا نام حیات حسین تھا اور ان کا آبائی شہر حسین نگر ہے۔ دادا ابو حسین نگر کے بارے میں آپ جانتے ہوں گے۔''

''ہاں جانتا ہوں۔ تو پھر۔''

''دادا ابو میرے والد اپنے اہل خاندان سے لڑ جھگڑ کر حسین نگر سے لندن چلے گئے تھے۔ میں وہیں پیدا ہوئی۔ میری پیدائش کے بعد کافی عرصے کے بعد میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ میری ماں لندن کی رہنے والی تھیں۔ ابو یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ہماری بہت بڑی جائیداد تھی جس میں ابو کا بھی بڑا حصہ تھا۔ ابو اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کے لئے آتے رہتے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہاں ان کے اپنے اہل خاندان سے کیا معاملات چل رہے تھے۔ ہمیں انہوں نے کبھی اس میں شامل ہی نہیں کیا میری آنٹی وہیں لندن

میں ہیں۔ بہرحال میں نے لندن میں ہی تعلیم وغیرہ حاصل کی ہے۔ کچھ عرصے سے میرے ابو اچانک ہی گم ہوگئے۔ وہ یہاں آئے ہوئے تھے۔ مجھ سے رابطے بھی رکھتے تھے وہ لیکن طویل عرصے سے میرے ان سے رابطے ختم ہوگئے اور جب بالکل ہی ان کا کچھ پتہ نہ چلا اور میں ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام ہوگئی تو بحالت مجبوری میں نے یہاں کا سفر طے کیا۔ لیکن ایئرپورٹ پر اترتے ہی مجھ پر قاتلانہ حملے شروع ہوگئے۔ آپ یقین کریں دادا ابو بس اللہ نے مجھے بچایا۔ ورنہ وہ لوگ کبھی کا مجھے ختم کر چکے تھے۔ دادا ابو اصل میں میں نے مارشل آرٹس میں بلیک بیلٹ کیا ہے اور اپنے کلب کی ایک شاندار ممبر تصور کی جاچکی ہوں۔ میں نے ان لوگوں کی اچھی خاصی مرمت وغیرہ کی۔ میں حیران تھی کہ آخر مجھ پر یہ قاتلانہ حملے کیوں ہورہے ہیں۔ پھر میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور مجھ پر یہاں بھی قاتلانہ حملہ ہوا۔ مگر اللہ کے حکم سے میں بچ گئی میرے ابو کے ایک ایڈووکیٹ تھے مرزا طاہر بیگ میں نے ان سے رجوع کیا کہ اپنے ابو کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ مرزا طاہر بیگ نے مجھے اپنی کوٹھی پر طلب کیا لیکن جب میں وہاں پہنچی تو مرزا طاہر بیگ قتل کئے جاچکے تھے۔ ان کے چوکیدار وغیرہ کو ان کے قتل کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں بدحواس ہوکر وہاں سے بھاگی۔ چوکیدار نے مجھے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ میں پریشان ہوگئی تھی۔ لیکن مجھ پر قتل کا الزام لگا دیا گیا۔ پولیس نے مجھے میرے ہوٹل سے گرفتار کرلیا۔ مجھے لاک اپ میں رکھا گیا اور دادا ابو مجھے مرزا طاہر بیگ کا قاتل قرار دے دیا گیا۔ اخبارات میں میری کہانی چھپ گئی۔ دادا ابو لاک اپ میں تھی کہ ایک شخص اپنے کسی آدمی کو رہائی دلوانے کے لئے تھانے میں آیا۔ اس نے مجھے دیکھا اور پھر اس نے پولیس سے میرا سودا کرلیا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ دادا ابو اس شخص نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کردیا اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ وہ میرے ابو کو بھی تلاش کردے گا اور حسین نگر والوں کو بھی سنبھال لے گا۔ ادھر پولیس کو بھی سنبھال لے گا۔ مجھے اس کا ایک کام کرنا ہے۔ میں اس قدر خوفزدہ ہوگئی تھی دادا ابو کہ میں اس کا کام کرنے پر

آمادہ ہوگئی اور کام یہ تھا دادا ابو کہ وہ مجھے نیزہ کنول بنا کر یہاں بھیج دے۔ بعد میں ساری پلاننگ اسی کی تھی کہ کس طرح مجھے آپ کے پاس پہنچنا ہے اور آخرکار میں نیزہ کنول کی حیثیت سے یہاں پہنچ گئی۔ دادا ابو میں نیزہ کنول نہیں ہوں۔ میرا نام شرمین حیات ہے۔''

میں نے ایک نگاہ ان لوگوں کے چہروں پر ڈالی سب کی سب تصویر حیرت بنے ہوئے تھے۔ دادا ابو پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ نادر کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہورہا تھا۔ میں نے کہا۔

''دادا ابو اس شخص کا نام راؤ حیات اللہ ہے۔ راؤ حیات اللہ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔''

بہت سی آوازیں کمرے میں گونجی تھیں۔ دادا ابو نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک ماحول پر سکتہ سا طاری رہا۔ پھر میں نے کہا۔

''نیزہ کنول کی حیثیت سے میں یہاں آپ لوگوں سے جھوٹ بول رہی تھی۔ وہاں سے مجھے بار بار وارننگ ملتی رہی تھی کہ میں اپنے کردار کو واضح نہ کروں ورنہ سیدھا سیدھا پولیس کی تحویل میں چلی جاؤں گی اور راؤ حیات اللہ مجھے سزائے موت دلوائے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ دادا ابو اس کے اختیارات میں نے اسی وقت دیکھ لئے تھے جب پولیس آفیسر اس سے گڑگڑا رہا تھا اور اس نے مجھے فوراً اس کے حوالے کردیا تھا۔ خیر یہ سارے معاملات چل رہے تھے دادا ابو۔ اس کے بعد اشتیاق نادر صاحب کے ساتھ یہاں آیا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ میرے ذہن میں اس وقت اس کے بارے میں کوئی تصور کوئی خیال نہیں تھا۔ لیکن دادا ابو اس نے مجھے اغواء کرلیا اور میں نہیں جانتی کہ اس نے مجھے کہاں رکھا تھا۔ بعد میں اس نے مجھے صورتحال بتائی اس نے بتایا کہ وہ میرا کزن ہے حسین نگر میں رہنے والے میرے ایک تایا کا بیٹا۔ اس نے کہا کہ میری عظیم الشان جائیداد ان لوگوں کے قبضے میں ہے اور وہ سارے کے سارے نہیں چاہتے کہ میں اس جائیداد کی مالک بن کر سامنے آؤں۔ دادا ابو اس نے یہ بھی بتایا کہ میرے والدان کے قبضے میں نہیں آسکے وہ زندہ ہیں

اور کہیں روپوش ہوگئے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ مرزا طاہر بیگ ہی میرے والد کا صحیح وکیل نہیں تھا بلکہ کوئی اور بھی ایسا وکیل ہے جس کے پاس میرے والد کے اصل کاغذات ہیں۔ مگر اسے یہ لوگ نہیں جانتے۔ دادا ابو اس نے کہا کہ سب کے سب اس بات پر آمادہ ہیں کہ پہلے مجھے قتل کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی اشتیاق نے مجھے پیشکش کی کہ اگر میں اس سے شادی کرلوں تو میرے حصے کی تمام دولت اس کے قبضے میں آجائے گی اور وہ میرا شاندار ڈیفنس کر سکے گا۔ اس نے مجھے یہ پیشکش کی کہ اس طرح وہ ان لوگوں کو ڈبل کراس کرے گا۔ میرے اوپر قاتلانہ حملے کرنے والوں میں وہ بھی شامل تھا۔ لیکن بعد میں اس نے یہی ترکیب سوچی اور اس نے کہا کہ اگر میں اس پر آمادہ نہ ہوئی تو سیدھی سیدھی بات ہے مجھے قتل کر کے وہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔ دادا ابو یہ ہے پوری تفصیل۔ اب میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ میں نے مرزا طاہر بیگ کو قتل نہیں کیا۔ لیکن اگر مجھے اس کے قتل کے الزام میں پھانسی ہوگئی تو بس میں اسے تقدیر کا فیصلہ ہی سمجھوں گی۔ اس کے علاوہ دادا ابو اس شخص نے یعنی راؤ حیات اللہ نے ایک جذباتی موقع پر مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ اسے نہ آپ لوگوں کی دولت درکار ہے اور نہ کچھ اور۔ اس نے کہا کہ میرا کام یہ ہے کہ میں نادر کو اپنے حُسن کے جال میں پھانسوں، اس سے شادی کرلوں۔ دادا ابو راؤ حیات اللہ مجھے یہ پیشکش کی تھی کہ نادر سے شادی کرنے کے بعد مجھے نادر کے ساتھ کوئی وقت نہیں گزارنا پڑے گا بلکہ شادی کی رات ہی مجھے یہ جگہ چھوڑ دینا ہوگی اور بس نادر کو میرے لئے تڑپنا ہوگا راؤ حیات اللہ نے کہا کہ یہی اس کا مقصد تھا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ دادا ابو عجیب وغریب کہانی ہے یہ۔ آپ یقین کریں کہ میں یہ سب کچھ نہیں چاہتی۔ میں صرف اپنی زندگی بچانا چاہتی ہوں اور اپنے ابو کو تلاش کرنا چاہتی ہوں۔ صرف اتنا ہی چاہتی ہوں میں دادا ابو۔ میں نہیں جانتی کہ اب میرا کیا ہوگا۔ ایک بات آپ کو اور بتا دوں وہ یہ کہ یہاں راؤ حیات اللہ کی ایک کارکن موجود ہے جو میرے اور اس کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے۔ یہ آپ کی ایک ملازمہ ہے اور اس کا نام صغیرہ ہے۔''

بہت سی آوازیں ایک بار پھر نکل گئی تھیں۔ دادا ابو، نادر اور دوسرے افراد ہوش میں آگئے۔ ان سب کی بری کیفیت تھی۔ سارے کے سارے شدید اعصابی دباؤ کا شکار تھے۔ آخر کار دادا ابو نے سنبھالا لیا اور بولے۔

''شرمین حیات بیٹے بہت سے دروازے کھل گئے ہیں۔ بہت سی فکریں لاحق ہوگئی ہیں۔ بیٹا تمہاری رگوں میں ایک اچھا خون ہے مجبوری بعض اوقات انسان کو مجرم بنا دیتی ہے۔ لیکن ہماری نگاہوں میں تم ایک فیصد مجرم ہو۔ بیٹا اگر تم نے ہمارے اوپر یہ احسان کیا ہے تو ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ راؤ حیات اللہ کتنے پانی میں ہے میں اسے دیکھوں گا فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جرائم پیشہ ہے اور میں ایک شریف آدمی ہوں۔ لیکن اپنا بچاؤ کرنے کے لئے ہر ایک کو برا بننا پڑتا ہے۔ بیٹا اگر میں برا بن گیا تو راؤ حیات اللہ کو اس زمین پر پناہ نہیں ملے گی۔''

''دادا ابو آپ یہ سارے کام مجھ پر چھوڑ دیجئے اور شرمین حیات دادا ابو بے شک نیزہ کنول سے میری شادی کرنا چاہتے تھے لیکن شرمین میں آپ سے شادی کروں گا اور شرمین بالکل ہی تبدیل ہو جاؤں گا میں۔ آپ کو اتنا بڑا مقام دوں گا میں اپنے گھر میں کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ آپ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ ہم آپ کے اس احسان کا صلہ بھی دیں گے اور جہاں تک دادا ابو راؤ حیات اللہ کی بات ہے تو براہ کرم آپ مجھے اس کی اجازت دیجئے کہ میں اُسے۔''

''بیٹا وہ تمہارا اصل دادا ہے۔ اپنے بیٹے کی موت کے بعد وہ سراپا انتقام بن گیا ہے۔ میں بھی اس کے خلاف بڑی سے بڑی کارروائی کر سکتا ہوں۔ لیکن اس کے سینے میں جو آگ لگی ہوئی ہے وہ مجھے بھی متاثر کرتی ہے۔ میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ سمجھاؤں گا میں اسے سمجھاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ وہ راہِ راست پر آجائے۔ اگر وہ نہ مانا تو میں بھی انگلیاں ٹیڑھی کروں گا اور جہاں تک اس بچی کا تعلق ہے بیٹے پتا تو چل ہی گیا ہے ہمیں ایک لمبی جنگ لڑنا ہوگی۔ جس میں حسین نگر والوں کو بھی شامل کرنا ہے۔ تمہاری ذمہ داری بس یہ ہوگی کہ شرمین کی حفاظت کرو۔''

''زندگی کی طرح..... دادا ابو زندگی کی طرح۔'' نادر نے جواب دیا۔ اور پھر ایک عجیب سی سنسنی خیز فضا قائم ہوگئی۔ نادر نے کہا۔

''دادا ابو فوری طور پر ایک کام کریں۔ صغیرہ کو ہم اپنی تحویل میں لئے لیتے ہیں۔ کہیں وہ کوئی مخبری نہ کر ڈالے۔''

'چلو تم یہ کام کرلو۔ شرمین آؤ بیٹے، اپنے کمرے میں چلو۔'' دادا ابو نے کہا اور میرے ساتھ میرے کمرے میں آ گئے۔ ان کے چہرے پر گہری فکرمندی تھی۔ دیر تک وہ خاموش بیٹھے رہے اور پھر بولے۔

''خیر تم نے تو وہی کیا ہے جو ایک نیک اور شریف زادی کو کرنا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر میں نیزہ کنول کے بارے مین سوچ رہا ہوں۔ میرے دوست کی بیٹی تھی۔ میرا خیال ہے میں اس کے ساتھ انصاف نہیں کرسکا۔ پھر وہی بات بتا رہا ہوں اگر راؤ حیات اللہ اس بچی کو کوئی نقصان پہنچایا ہے تو میں اسے زندہ درگور کردوں گا۔ میں نے زندگی میں بہت کم لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ وہ جس دکھ کا شکار ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور میں اس کے دکھ کے لئے ہمیشہ دکھی رہا ہوں۔ لیکن یہ دکھ مجھے بھی ملا۔ میری بیٹی بھی زندہ نہیں رہ سکی۔ وہ مجھ سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ ایک طرح سے وہ اس میں حق بجانب ہے کیونکہ میں بھی تھوڑا سا شدت پسند ہوگیا تھا جو مجھے نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن اس طرح نہیں راؤ حیات اللہ۔ تو شروع ہی سے جرائم پیشہ انسان ہے۔ تیرے بارے میں مجھے اچھی طرح علم ہے لیکن تو میری اصلیت کو نہیں جانتا۔ شرمین بیٹا جو بات تم سے راؤ حیات نے کہی تھی وہ اپنی جگہ لیکن میں حسین نگر والوں کو بھی دیکھوں گا کہ وہ کتنے بڑے جرائم پیشہ لوگ ہیں اور راؤ حیات اللہ کو بھی اور میں کیا نادر خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسی لڑکی مل گئی۔ تم اپنے آپ کو ہماری تحویل میں دے دو۔ ہم تمہیں کبھی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔''

تھوڑی دیر کے بعد نادر واپس آیا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس نے کہا۔

''صغیرہ پوری حویلی میں کہیں بھی نہیں ہے۔ غالباً اسے پتا چلا گیا ہے کہ اس کا راز کھل گیا ہے۔ وہ فرار ہوگئی ہے۔ چوکیدار بتاتا ہے کہ اس نے اسے حویلی سے باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ظاہر ہے اسے روکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔''

''نادر یہ تو ہم بعد میں سوچیں گے کہ کیا کیا جائے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ ہمیں کرنا کیا چاہئے۔''

''دادا ابو اب ہم اتنے بے بس بھی نہیں ہیں کہ ایسے کسی جھگڑے کا شکار ہوجائیں۔ نمٹ لیں گے ساری صورتحال سے۔ پروگرام بناتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے۔''

بہرحال یہ لوگ کافی پریشان ہوگئے تھے۔ لیکن میرے دل سے ایک بوجھ اُتر گیا تھا۔ اب میں یہ سوچ رہی تھی کہ میری اس کاوش سے راؤ حیات اللہ اور آصف علی خان صاحب آمنے سامنے آ گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے میرا کوئی کام بن ہی جائے۔ اس رات میں کافی اُلجھی رہی تھی۔

دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد دادا ابو، میں، نادر اور گھر کے دوسرے افراد ڈرائنگ روم میں بیٹھے صغیرہ کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔ دادا ابو اور نادر کسی نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ انہیں کہاں سے اس مہم کا آغاز کرنا چاہئے۔ نادر نے کہا۔

''دادا ابو پہلے ہم اس راؤ حیات اللہ کو دیکھ لیتے ہیں جو کہنے کو تو میرا دادا ہے لیکن اس نے جو چکر چلایا ہے اس کی اسے سزا ملنی چاہئے۔''

''بس یہی احساس ہے نادر کہ وہ تمہارے باپ کا باپ ہے اور زخمی ہے۔''

''دادا ابو ایک بات بتاؤں آپ کو۔ رحم دلی اچھی چیز ہوتی ہے لیکن جب کوئی زندگی کے درپے ہوجائے تو میرے خیال میں پھر زیادہ نیک اور شریف بننا بے وقوفی کی علامت ہے۔''

''میں جانتا ہوں، بیٹا، سوچتا ہوں اس بارے میں لیکن کیا کروں اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ کسی کو دکھ دینا مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''اور کوئی ہمیں دکھ دے ڈالے۔'' نادر نے کہا۔

''ہاں!''

اسی وقت نجانے کیا ہوا۔ ایک ہنگامہ سا ہوا۔ کچھ ملازم چیختے چلاتے چلے آ رہے تھے۔ پھر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور ایک ڈی ایس پی ایک انسپکٹر اور چار سپاہی دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔ گھر کے سب لوگ بدحواسی سے کھڑے ہوگئے تھے۔ ایک ایس آئی نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

''سر یہی وہ لڑکی ہے۔ میں اسے پہچانتا ہوں۔''

''پکڑ لو اسے گرفتار کرلو۔'' ڈی ایس پی نے اشارہ کیا اور دو ایس آئی میری طرف دوڑے۔ نجانے کیا ہوا بالکل غیر اختیاری طور پر میں نے ڈرائنگ روم کے پچھلے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ حالانکہ میرے اعصاب کشیدہ ہوگئے تھے اور میں ایسے کسی عمل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس وقت یوں لگا جیسے کسی مشینی قوت نے مجھے دوسرے دروازے کی طرف دھکیل دیا ہو۔ میں نے دروازہ کھولا اور غڑاپ اندر داخل ہوگئی۔ ایک لمحے کے لئے رک کر میں نے سوچا کہ اب کیا کروں۔

اسی وقت ڈرائنگ روم سے آواز ابھری۔

''آفیسر کیا کر رہے ہو تم.....؟''

''سر ہمیں افسوس ہے۔''

''جانتے ہو تم اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔''

''ہم یہ سب کچھ اپنے طور پر نہیں کر رہے ہیں سر۔''

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ فوراً باہر نکل جاؤ۔''

''سوری سر۔ ہم یہ حکم نہیں مانتے ہماری درخواست ہے کہ آپ اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دیں۔'' پولیس آفیسر کی آواز ابھری۔

''یہ نہیں ہوسکتا۔ وہ میری مہمان ہے۔'' آصف علی نے کہا لیکن کچھ نہ ہوا۔

مجھے معلوم تھا کہ دوسری طرف راہداری ہے جس کا اختتام اس جگہ ہوتا ہے جہاں اگر سامنے کی طرف چلا جائے تو اور کمرے شروع ہو جاتے ہیں اور اگر بائیں سمت کی

سیڑھیوں سے اترا جائے تو پرانی حویلی کا علاقہ شروع ہو جائے۔ میں بجلی کی طرح دوڑتی ہوئی اس پرانی حویلی والے راستے سے نیچے اُتر گئی، ایک بار میں نے گردن گھما کر دیکھا تھا۔ پولیس والے میرے پیچھے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ ان میں ایس آئی رینک کے دو افراد بھی تھے۔ بھگدڑ کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

میں دیوانوں کی طرح منہ اٹھائے حویلی کی طرف دوڑ پڑی اور چند لمحوں کے بعد پرانی حویلی کے پاس پہنچ گئی۔ پولیس والے مجھ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ اندر داخل ہو کر میں رکے بغیر آگے بڑھتی رہی مجھے اپنے چھپنے کے لئے جگہ کی تلاش تھی۔ مجھے ایسی کوئی جگہ نظر نہ آئی جہاں میں خود کو پوشیدہ کرسکتی۔ ادھر پولیس والے بالکل قریب آ چکے تھے۔ میرے پاس اب کوئی چارہ کار نہیں تھا چنانچہ میں ایک دیوار سے پشت لگا کر ہانپنے لگی۔ پھر میں نے پولیس والوں کو اپنے سامنے دیکھا۔ میری ساری جان آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ بس اب پولیس والے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے والے ہیں اور اس کے بعد میری گردن پھانسی کے پھندے میں جھول جائے گی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے گردن پکڑی۔ اس وقت مجھے ایک پولیس والے کی آواز سنائی دی۔

''کہاں گئی؟''

''پتہ نہیں.....دوسرے نے کہا۔''

''تم ادھر جاؤ اور تم اس طرف.....ایس آئی کانسٹیبلوں کو ہدایات دینے لگا اور وہ منتشر ہوگئے۔ ہدایات دینے والا ایس آئی میرے بالکل سامنے مجھ سے صرف چار فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا اور مجھے دیکھ رہا تھا۔ میری حیرت عروج کو پہنچ گئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا یہ لوگ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں مجھے سامنے پا کر بھی گرفتار نہیں کر رہے۔

میں انہیں دیکھتی رہی، کچھ لمحوں کے بعد یہ لوگ بھی باہر نکل گئے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ باہر اب بھی بھاگ دوڑ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں وہیں ساکت و جامد کھڑی رہی۔ پھر یہ آوازیں مدھم ہوگئیں۔ پولیس والے چلے گئے تھے۔

بہت دیر تک میں اپنی جگہ دم روکے کھڑی رہی اس کے بعد تھک کر زمین پر بیٹھ

گئی۔ میرے خدا کیا کروں۔ میں نے اپنے بارے میں آصف علی خان کو بتا دیا ہے۔ راؤ حیات نے فوراً وار کر دیا ہے۔ یعنی پولیس کو میری حقیقت بتا کر ادھر دوڑا دیا۔ اب ان میں کون کامیاب ہوتا ہے کون ناکام یہ تو وقت ہی بتائے گا اور مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر آصف علی خان مجھے راؤ کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے تو نادر صاحب مجھ سے شادی کرنے پر تلے ہوئے ہیں، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میری تو مشکل ہی کچھ اور ہے۔ میں بھلا شادی وادی کے چکر میں کیا پڑوں گی۔ اس کا ایک ہی حل ہے یہاں سے نکلوں۔ بعد میں دیکھوں گی کہ اپنے لئے کیا کر سکتی ہوں۔

بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبی رہی، پھر جب ہر طرف خاموشی طاری ہوگئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتی ہوئی وہاں سے باہر آئی۔ ایک دو دروازوں سے گزر کر میں کچھ اور آگے بڑھ کر ایک دروازے سے اندر داخل ہوئی تو میرا دل دھک سے ہوگیا۔ وہی خوبصورت ڈرائنگ روم میرے سامنے تھا جسے میں پہلے ایک بار دیکھ چکی تھی۔ وہی شاندار فرنیچر، وہی حسین پردے اور ڈیکوریشن کا انتہائی قیمتی سامان، پھر میری نگاہ ایک صوفے پر پڑی تو میرا سر چکرانے لگا۔ میں نے انہیں معمر خاتون کو دیکھا جن سے میں پہلے بھی مل چکی تھی۔ تبھی میرے کانوں نے ایک دم نسوانی آواز سنی۔

''آؤ۔''

مجھے یوں لگا جیسے میرے قدم خود بخود آگے بڑھ گئے ہوں۔ میں ان کے سامنے پہنچ گئی۔

''بیٹھو.....نرم آواز پھر ابھری۔ اور میں ان کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گی۔'' تم ایک مشکل میں گرفتار ہو کر یہاں آئی ہو اس لئے میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔

''شش.....شکریہ.....'' میرے منہ سے بمشکل آواز نکلی۔

''لیکن، میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''جی۔''

''اس کے بعد تم کبھی یہاں نہیں آؤ گی۔''

''جی اس وقت میں مجبور تھی۔''

''ہاں مجھے معلوم ہے۔''

''میں آئندہ کبھی اس طرف نہیں آؤں گی۔''

''یہ ضروری ہے بیٹی.....ورنہ ہمارے سارے معاہدے ٹوٹ جائیں گے۔'' معمر عورت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''معاہدے۔''

''ہاں۔ اس خاندان سے ہمارے صدیوں سے معاہدے ہیں۔ میرا خیال ہے عائشہ تمہیں اس بارے میں بہت کچھ بتا چکی ہے۔''

''جی وہ۔''

''ایک اور بات تم سے کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ شہ نام کو اپنی طرف نہ بڑھنے دو.....'' معمر عورت نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''شہ نام بچہ ہے، ابھی وہ جس عمر سے گزر رہا ہے وہ ناپختگی کی عمر ہے۔ اس عمر میں بچے سب سے متاثر ہو جاتے ہیں لیکن انجام بہتر نہیں ہوتا۔ میں تمہیں کھل کر بات بتاتی ہوں۔ شہ نام بہت کچی عمر کا بچہ ہے اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ اس عمر میں صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ وہ تمہاری طرف مائل ہوگیا ہے۔ لیکن بیٹے تم آدم زاد ہو اور ہم آتشی مخلوق۔ بات تمہارے علم میں بھی آ چکی ہے۔ تمہارا اور شہ نام کا ملاپ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ یہ مسئلہ بجائے اس کے کہ تمہارے لئے خطرناک بن جائے تم خود سمجھداری سے کام لو۔ یہاں تمہارے حالات جو کچھ بھی ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ شہ نام تم تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ مناسب نہیں ہوگا۔ تم براہ کرم یہاں سے چلی جاؤ۔ اب اس وقت بھی ہم نے تمہاری مدد کی ہے کہ تمہیں پولیس کے ہاتھوں میں نہیں جانے دیا میں جانتی ہوں کہ تم یہاں سے جا کر اپنے لئے تحفظ کا بندوست کرو۔ شہ نام جگہ جگہ تمہاری مدد کرنے کی کوشش کرے گا اور مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔ لیکن میں بالکل یہ نہیں

چاہوں گی کہ وہ بار بار تم تک پہنچے۔ میں اس پر بھی پابندی لگا دوں گی چاہے اس کے لئے مجھے اسے قید کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں اسے قید کردوں گی۔ سمجھ رہی ہو نا تم۔ براہ کرم مجھے کسی ایسے عمل پر مجبور مت کرو۔ فوراً یہ جگہ چھوڑ دو۔ یہاں سے باہر جاؤ گی میں تمہیں یہ آسانی فراہم کروں گی۔ لو اپنی ضرورت کے لئے یہ کچھ رقم رکھ لو۔ تمہارے کام آئے گی۔'' یہ کہہ کر اس معمر عورت نے کچھ نوٹ نکال کر میری طرف بڑھائے۔ میں نے انہیں لینے سے گریز کیا تو اس نے انہیں میرے لباس میں رکھ دیا۔ میں ایک عجیب وغریب صورتحال سے دوچار تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ شہ نام کے لئے میرے دل میں کوئی احساس پیدا نہیں ہوا تھا۔ میرا تو ٹائپ ہی کچھ مختلف تھا۔ میں کچھ دیر سوچتی رہی پھر میں نے کہا۔

''جی میں آپ کی بات مانوں گی۔''

''ٹھیک۔ آؤ میرا ہاتھ پکڑو۔'' عمر رسیدہ خاتون نے کہا اور میں نے کچھ نا سمجھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایک لمحے کے لئے مجھے یوں لگا جیسے ایک دم چاروں طرف تاریکی سی چھا گئی ہو۔ بس ایک لمحے کی بات تھی دوسرے لمحے میں نے آنکھیں کھولیں اور میرا سر چکرا گیا۔ میں ایک خوبصورت سے پارک کی بنچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر سڑک پر ٹریفک چل رہی تھی۔ میں دنگ رہ گئی۔ آج تک دنیا میں میں نے وہ سب کچھ دیکھا تھا جس کی اصلیت کبھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔ پراسرار کہانیوں یا پراسرار واقعات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اور میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسی کوئی صورتحال مجھے درپیش ہوسکتی ہے لیکن یہ سب کچھ بھی میرے ساتھ ہونا تھا۔ میں کسی جادوئی اثر کے زیر تحت اس طرح آصف علی خان صاحب کی حویلی سے یہاں تک آ گئی تھی۔ کافی دیر تک تو یہ سارے واقعات صرف ایک قصہ کہانی کے طور پر میرے ذہن میں رہے لیکن وہی والی بات ہے کہ جب نگاہوں کے سامنے سب کچھ آ جائے اور عقل اس کی توجیح نہ کر سکے تب بھی برداشت تو کرنا ہی ہوتا ہے۔ میں سوچنے لگی کہ یہ اچھا ہی ہوا کم از کم ان تمام وحشتوں سے عارضی طور پر نجات مل گئی جو مجھ پر مسلط تھیں۔ اب کیا کروں۔ پھر ایک دم خیال آیا کہ ان معمر خاتون نے اور تو جو کچھ کیا یا نہ کیا لیکن مجھے مناسب مقدار میں یہ کرنسی دے کر

فوری طور پر کسی مشکل سے بچا لیا ہے۔ کم از کم تھوڑا سا سکون لینے کی آسانی تو ہو جائے گی۔ میں کوئی جاہل لڑکی نہیں تھی اور پھر ان چند دنوں میں یہاں کے ماحول کو میں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ فوری ضرورت ایک چھت کی تھی جس کے نیچے بیٹھ کر سوچا جا سکے اور یہ چھت کسی ہوٹل کے سوا اور کون سی ہو سکتی تھی۔

چنانچہ اپنی جگہ سے اُٹھی، پارک سے باہر نکل آئی۔ یہ پارک کیا تھا بس سڑک کے کنارے ایک خوبصورت قطعے پر پھول وغیرہ لگا دیئے تھے اور بنچیں ڈال دی گئی تھیں۔ لیکن خوش قسمتی سے تھوڑے ہی فاصلے پر مجھے سٹی ہوٹل کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ دیکھنے ہی سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ ہوٹل زیادہ بڑا نہیں ہے اور درمیانے درجے کا ہے۔ لیکن بہرحال اسے خوبصورت بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔ ایک بار پھر دل ہی دل میں ان خاتون کو دعائیں دیں جنہوں نے بے شک ایک حیرت انگیز طریقے سے مجھے یہاں تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن کرنسی دے کر انہوں نے مجھے شدید مشکلات کا شکار ہونے سے بچا لیا تھا۔

میرا رخ ہوٹل کی جانب ہو گیا۔ اس دوران میں یہ طے کر چکی تھی کہ مجھے کیا کہہ کر ہوٹل میں داخل ہونا ہے۔ کاؤنٹر کلرک سے میں نے ایک کمرہ طلب کیا تو اس نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا اور بولا۔

''آپ ملک سے باہر سے آئی ہیں میڈم۔''

''نہیں بھائی میں مقامی ہی ہوں۔ میرے کچھ اور ساتھی آنے والے ہیں۔ لیکن انہیں آنے میں کچھ روز لگ جائیں گے۔ اس دوران مجھے اس شہر میں کمرہ درکار ہے۔'' میں نے بہت صاف ستھری اردو میں کہا۔ اور اسی بات نے اسے مطمئن کر دیا کیونکہ چہرے سے میں خالص مقامی نہیں لگتی تھی۔ اس نے مجھے دوسری منزل کا ایک کمرہ دے دیا۔ میرے سامان کے بارے میں پوچھا تو میں نے اس سے یہی کہا کہ میرا سامان ان باقی لوگوں کے پاس ہے اور وہی اسے لے کر آئیں گے اور ہمیں دوسرے کچھ کمروں کی ضرورت بھی ہوگی۔ اس بات نے بھی کاؤنٹر کلرک کو مطمئن کیا تھا۔

بہرحال میں اپنے کمرے میں آ گئی اور پھر دروازہ بند کر کے اس طرح بستر پر لیٹ

گئی جیسے برسوں کی مشقت کے بعد آرام کا کچھ وقت ملا ہو۔ وہ جو کہا جاتا ہے نا کہ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں'' میری اس وقت یہی کیفیت تھی۔ کسی کے کہنے کے مطابق اس طرح اتھل پتھل ہوئی تھی کہ ہوش وحواس ہی رخصت ہوجانے چاہئے تھے۔ لیکن تمام تر لوٹیں لگانے کے بعد اب ذرا دل کو قرار آ گیا تھا۔ اور سوچ رہی تھی کہ جو کچھ بھی کرنا ہے سوچ سمجھ کر ہی کرنا ہے۔ جلد بازی جان کا عذاب بن سکتی ہے۔ بلکہ زندگی کا عذاب تک بن سکتی ہے۔ حالات پر ابھی سوچنا بے معنی ہے۔ ذرا آرام سے سوچوں گی۔

تھوڑی دیر تک آرام کرنے کے بعد میں نے اپنے لئے کافی اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں طلب کیں۔ لباس سے کرنسی نکال کر دیکھی۔ اچھی خاصی مقدار تھی۔ چنانچہ یہاں سے بھی ذرا سا اطمینان ہوا۔ ویٹر نے تھوڑی دیر کے بعد میری طلب کردہ چیزیں سرو کردیں اور عمدہ قسم کی کافی کی کچھ پیالیوں نے دل ودماغ کو واقعی سکون دیا۔ سونے کا بھی وقت نہیں تھا ورنہ لیٹ کر سو جاتی۔ ہوٹل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کپڑے وغیرہ بھی اور نہیں تھے میرے پاس اس سلسلے میں سوچا تھا کہ تھوڑی سی خریداری بھی کرلوں گی۔ غرض یہ کہ یہاں میں نے کئی گھنٹے گزار دیئے۔ رات کا کھانا کھایا اور پھر سونے کے لئے لیٹ گئی۔ لیکن بستر پر لیٹنے کے بعد میں سوچوں میں گھر گئی۔ میں نے سوچا کہ اب یہاں میرے دشمنوں کی تعداد کتنی ہے۔ اشتیاق سے ملاقات کے بعد یہ بات تو اچھی طرح پتا چل گئی تھی کہ ایئرپورٹ پر اترتے ہی مجھ پر جو قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ ان میں میرے ہی کرم فرما، میرے محب، میرے رشتے دار، میرا اپنا خون ملوث تھا۔ وہ لوگ اس جائیداد کو بچانا چاہتے تھے جس کے حصے دار میرے ابو تھے۔ اور ابو کی زندگی کی اطلاع بھی مجھے مل گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کم از کم ان تمام مشکلات کے بعد تھوڑا سا سکون مجھے دے دیا تھا۔ چنانچہ حسین نگر کے باسی میرے دشمن تھے اور میری زندگی کا خاتمہ چاہتے تھے۔ میری تائی صاحبہ نجانے کون کون۔ نام تو بہت سے علم میں تھے۔ پہلے تو جب بھی میں نے ان کے بارے میں سوچا تھا میرے دل میں بڑی محبتیں اُبھرتی تھیں۔ پھوپھی سائرہ، ماموں اکبر حسین، فیض حسین تایا اختر حسین، تائی نیرہ بیگم اور نجانے کون کون۔ جب ابو بھی ان کا

تذکرہ کرنے بیٹھتے تھے تو ان کا لہجہ بے شک محبت بھرا ہوتا تھا لیکن انداز میں تلخی ہوتی تھی اور یہ احساس بھی کہ وہ سب اپنے سب سے بڑے بیگانے ہیں۔ لیکن وہ بیگانے ہی نہیں بلکہ بدترین دشمن بھی تھے۔ اور پھر اشتیاق صاحب جو مجھ سے شادی کرنے کے خواہش مند ہوگئے تھے اور اپنے اہل خاندان کو ڈبل کراس کررہے تھے لیکن کوشش بہت زبردست تھی۔ اگر میں واقعی ان کے چکر میں آجاتی تو انہیں تو بڑا فائدہ ہوسکتا تھا۔ لیکن افسوس وہ اس فائدے محروم رہے تھے۔ بہرطور یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ اشتیاق صاحب کے بعد راؤ حیات اللہ ارے باپ رے باپ وہ پولیس راؤ حیات اللہ کے علاوہ اور کس نے بھیجی ہوگی۔ بے شک پولیس کے وہاں آنے سے آصف علی خان صاحب اور نادر برگشتہ ہوگئے ہوں گے۔ اس طرح میں نے حیات اللہ کا انکشاف کرکے حیات اللہ کے لئے بھی ایک سخت دشمنی کھڑی کردی تھی۔ لیکن آصف علی خان صاحب شریف آدمی تھے اور حیات اللہ کو میں دیکھ چکی تھی۔ پولیس سے جس شخص کے اتنے اچھے تعلقات ہوں وہ کس طرح کا بندہ ہوسکتا ہے۔ اس کے بارے میں خود ہی فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔ تھوڑی بہت مقامی معلومات کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ان دو دشمنوں کے بعد جو مسلسل میری تاک میں ہوں گے۔ مجھے کرنا کیا چاہئے۔ صرف ایک ہی خیال دل میں آیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہوسکے اپنے سفارتخانے پہنچ جاؤں اور وہاں جاکر تمام تر صورتحال گوش گزار کردوں۔ یہ ایک آخری قدم تھا۔ اس کے بعد اور کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے مجھے یہاں کسی کی مدد لینی تھی۔ پھر گہری نیند سوگئی۔

دوسری صبح بڑی احتیاط کے ساتھ ناشتہ وغیرہ کیا۔ ویٹروں کو ٹپ وغیرہ دیا اور اس کے بعد جب دن خوب چڑھ گیا تو باہر نکل آئی۔ یہ خطرہ مول لیئے بغیر چارہ کار نہیں تھا میں ہوٹل سے باہر نکل کر پیدل ہی چل پڑی اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ تھوڑے ہی فاصلے پر کچھ سپر اسٹور وغیرہ نظر آرہے تھے۔ ایک بڑے اسٹور پر داخل ہوکر میں نے ریڈی میڈ گارمنٹس کا سیکشن دیکھا اور بغیر کسی ڈرامہ کئے میں نے اپنے لئے وہاں سے کچھ لباس اور ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس خریدا۔ یہ خریداری کرکے میں ایک بار پھر ان محترمہ کو

دعائیں دیتی ہوٹل واپس آ گئی جنہوں نے میرے ساتھ یہ کرنسی دینے کا احسان کیا تھا۔

ہوٹل میں آنے کے بعد میں نے غسل کیا اور پھر اپنا لباس تبدیل کر لیا اس دوران ایک شخص کو میں نے اپنی نگاہوں میں رکھ لیا تھا۔ یہ ایک پڑھا لکھا نوجوان سا آدمی تھا۔ یہ روم سپروائزر تھا اور میرے پاس پوچھنے آیا تھا کہ مجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ ویٹر سے میں نے کہا کہ وہ ذرا روم سپروائزر کو بلا لائے اور کچھ دیر کے بعد وہ شخص اندر داخل ہو گیا۔

''آپ کا نام کیا ہے جناب؟'' میں نے بڑے احترام سے پوچھا۔

''میرا نام محمود ہے میڈم۔ کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی ہم لوگوں سے۔''

''نہیں محمود صاحب جیسا کہ میں نے اپنے بارے میں عرض کیا تھا کہ ہم لوگوں کو ملک سے باہر جانا ہے اور میں اور میرے چند ساتھی اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ابھی ایک دو دن میں یہاں پہنچیں گے۔ میں برطانیہ کے سفارتخانے جانا چاہتی ہوں تاکہ وہاں میں ایک انٹرویو دے سکوں۔ کچھ اور رابطے بھی کرنے ہیں مجھے ان سے۔ آپ مجھے گائیڈ کر سکیں گے۔''

''کیا؟'' اس نے سوال کیا۔

''میں برطانوی سفارتخانے کا راستہ نہیں جانتی۔''

''وہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میں آپ کو لے کر باہر چلتا ہوں۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں صحیح طور پر پتہ بتا دوں گا وہ آپ کو برٹش ایمبیسی چھوڑ آئے گا۔''

''انتہائی شکریہ محمود صاحب۔ آپ براہِ کرم یہ کام کر دیجئے گا'' اور یہ مشکل اس طرح حل ہو گئی۔ میں آخر کار ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر برطانوی سفارتخانے کی جانب چل پڑی۔

راستے میں میرے ذہن میں چرخہ چلتا رہا تھا۔ اگر برطانوی سفارتخانے نے اس بارے میں سوری کیا کہ کیا اس تمام کارروائی میں پولیس سے رابطہ کرنا ہے تو کیا کروں گی۔ اپنی دانست میں سوال جواب تیار کئے۔''

''مگر میں نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں ہے۔''

''پولیس کے پاس ایسی رپورٹ تو ہے۔''

''اس سلسلے میں آپ کا کیا مشورہ ہے۔''

''ہمیں حالات کا جائزہ لینا ہوگا۔ میں نے کہا کہ مجھے بالکل سچائی سے ساری داستان سنانی ہوگی۔ یہی ایک مناسب طریقہ کار تھا۔ سفارتخانے پہنچ کر میں اپنی بپتا سناؤں گی اور بتاؤں گی کہ میں کس مشکل کا شکار ہو گئی ہوں۔

محمود نے سارے انتظامات کر دیئے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور کو اس نے برٹش ایمبیسی کا پورا پتہ سمجھا دیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے برٹش ایمبیسی نظر آ گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی روکتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''میڈم آپ کی مطلوبہ جگہ آ گئی۔''

''شکریہ ڈرائیور، میں نے کہا۔ ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے ہی میں نے پرس کھول کر ٹیکسی کے بل کی رقم نکال کر ڈرائیور کو دی۔ پھر میں نے دروازہ کھولا اور نیچے اترنے لگی۔ اس وقت پیلے رنگ کی ایک فٹیلے ٹیکسی کے بالکل قریب آ کر رکی اور بجلی سی کوند گئی، میں اترنے کے لئے جھکی تھی کہ ٹیلے سے برق رفتاری سے اترنے والوں نے کسی وزنی چیز سے میرے سر اور گردن پر تابڑ توڑ وار کئے اور میں اوندھے منہ گرنے لگی لیکن انہوں نے مجھے گرنے سے بچا لیا۔ بس یہ میرا آخری احساس تھا۔

پتہ نہیں کتنی دیر کے بعد ہوش آیا۔ ہوش آیا تو سب سے پہلا احساس سر کے پچھلے حصے میں دکھن کا تھا۔ میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ اس وقت کوئی میرے قریب آیا..... یہ کوئی اجنبی شکل نہیں تھی میں اسے اچھی طرح پہچان چکی تھی۔ یہ صغیرہ تھی۔

''تم.....'' میرے منہ سے نکلا۔

''کچھ چاہیے.....'' وہ بولی۔

''پانی مل جائے گا'' میں نے سوال کیا۔

''لاتی ہوں..... وہ بولی۔ اور پھر اس نے کمرے میں رکھے ایک چھوٹے الیکٹرک واٹر کولر سے پانی نکال کر مجھے دیا۔ میں نے پانی پیا اور گلاس اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

''صغیرہ میرے سر میں بہت تکلیف ہے۔''

''میں تمہیں پین کلر دیتی ہوں۔''

''پلیز.....'' میں نے کہا۔ صغیرہ نے مجھے ایک گولی دی اور میں نے اسے پانی سے نگل لیا۔ تکلیف تو تھی ہی لیکن میں دوسرے انداز میں بھی سوچ رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ مجھے راؤ حیات اللہ نے اغواء کرایا ہے۔ لیکن کس طرح؟

ابھی زیادہ سوچنے بھی نہیں پائی تھی کہ صغیرہ نے کہا ''میں باہر جا رہی ہوں دروازہ باہر سے بند ہوگا کوئی کوشش مت کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔''

''صغیرہ کیا وقت ہو رہا ہے۔''

''ساڑھے چار بجے ہیں۔ کیوں بھوک لگ رہی ہے۔''

''لگ تو رہی ہے۔''

''انتظار کرو۔''

''کیا مطلب۔''

''ساڑھے پانچ بجے چائے کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت جو مانگو گی مل جائے گا۔''

صغیرہ کا جواب جاہلانہ تھا خاموشی کے سوا کیا چارہ کار تھا۔ البتہ جب وہ چلی گئی تو میں پھر سوچ میں ڈوب گئی۔ راؤ چالاک آدمی تھا۔ اسے پتہ تو سب چل ہی گیا تھا کہ میں نے اس کا راز فاش کر دیا ہے اس نے فوری انتقامی کارروائی کی اور پولیس کو میرا پتہ بتا دیا۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا ہوگا کہ میں پولیس کے ہاتھ نہیں آئی۔ تب اس نے سوچا ہوگا کہ میں اپنے سفارتخانے ضرور جاؤں گی چنانچہ اس نے میرے لئے وہاں انتظام کر دیا اور میں اس کے چنگل میں آئی.....'' ایسا ہی ہوا ہے یقیناً ایسا ہی ہوا ہے۔

لیکن اب راؤ مجھ سے کیا چاہتا ہے، پولیس والی کارروائی بھی انتقامی تھی اور مجھے اغواء کرا کے بھی وہ شاید مجھے کچھ سزا دینا چاہتا ہے۔'' کیا چاہتے ہو یار لوگو..... میں نہ تو جرائم پیشہ ہوں نہ جرم کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن تم لوگ مجھے مجبور کر دیتے ہو..... ایسا نہ کرو..... میں بھی حلوہ نہیں ہوں۔ آسانی سے تم لوگ مجھے ختم نہیں کر سکتے اور حیات اللہ

تم۔ تمہیں تو فوری سزا ملنی چاہئے۔

ساڑھے پانچ بجے صغیرہ ہی میرے پاس آئی۔

''راؤ صاحب ناشتے کے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور صغیرہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔..... ایسی عمارت تھی یعنی وہ نہیں تھی جس میں، میں راؤ کے پاس پہلے رہی تھی، کمرے میں راؤ موجود تھا۔

میرے سلام کا اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ میز پر کھانے کی بہت سی چیزیں لگی ہوئی تھیں۔ میں واقعی شدید بھوکی تھی چنانچہ پہلے میں نے اچھی طرح پیٹ بھر لینا مناسب سمجھا تھا اس کے بعد نہ جانے کیا صورت حال پیش آئے۔ راؤ حیات اللہ نے صرف چائے پی تھی۔ میں نے کئی بار اسے اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں تھا۔ آخر کار میں نے چائے کی دو پیالیاں پی کر اس کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔

''شکریہ راؤ صاحب۔''

''اپنے آپ کو بہت اسمارٹ سمجھتی ہو۔''

''نہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم نے آصف علی پر میرا راز کھول دیا۔''

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''صغیرہ نے نہیں بتایا آپ کو؟'' میں نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا اور راؤ مجھے گھورنے لگا۔

☆.....☆.....☆

.....

کچھ دیر تک وہ مجھے خونخوار نگاہوں سے گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ ''تجھے تفصیل بتادی تھی میں نے۔ مجھے نہ تو آصف علی کی دولت سے دلچسپی تھی نہ میں اس سے اور کوئی غرض رکھنا چاہتا تھا۔ میرے سینے میں تو بس بدلے کی آگ روشن تھی۔ میں تو بس اپنے بیٹے کی موت کا انتقام چاہتا تھا۔ تو نے مجھے اس سے محروم کر دیا تو نے دوسری بار مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا۔ راؤ آصف اب ہوشیار ہو گیا۔ میرا مقصد اب پوری طرح ناکام ہو گیا۔

''جواب دوں راؤ حیات اللہ۔''

''کیا جواب دے گی تُو؟ کیا جواب دے سکتی ہے تُو؟''

''راؤ حیات اللہ۔ تم نے بڑی نیچ حرکت کی تھی۔''

''کتیا..... کتیا..... یہ نیچ حرکت تو میں اب کروں گا۔ میں نے تو تجھے بڑی عزت کا مقام دیا تھا۔ مگر عزت تجھے راس نہیں آئی۔''

''بس..... یا اور کچھ کہو گے؟''

''تو کیا کہتی ہے؟''

''آصف علی خان نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ تم جانتے ہو میرا مشن کیا ہے۔ کیا تمہارے مقصد کے لئے میں نادر سے شادی کر لیتی۔ میری اپنی زندگی ہے، میرا مستقبل ہے۔ میں اپنے مستقبل کو قتل کر دیتی۔''

''غصے میں آ کر میں نے پولیس کو تیرے بارے میں اطلاع دیدی تھی لیکن اگر پولیس تجھے پکڑ لیتی تو بعد میں مجھے افسوس ہوتا تیرے ساتھ تو کچھ اور ہی سلوک ہونا چاہئے تھا۔''

''تمہیں معلوم ہے مجھے وہاں سے اغواء کر لیا گیا تھا۔''

''اغواء۔''

''صغیرہ نے تمہیں نہیں بتایا۔''

''ہاں اس نے بتایا کہ تم وہاں سے غائب ہو گئی تھیں۔''

''مجھے اغواء کیا گیا تھا اور جانتے ہو مجھے اغواء کرنے والے کون تھے۔'' میرا کزن، جس نے میرے اوپر حملے کرائے تھے، وہ لوگ میری جائیداد کو ہڑپ کرنے کیلئے مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ بڑی مشکل سے میں ان کے چنگل سے فرار ہوئی۔''

''مجھے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، تُو نے میرا بہت بڑا مان توڑ دیا..... میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ تم مجھے سزا دو۔''

''ایسی سزا جسے تو یاد کرے گی۔''

''حیات اللہ..... میں تمہاری غلام نہیں ہوں کہ سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق کروں۔ اب تم مجھے یہاں سے جانے دو، اس سے پہلے کہ میں اپنی مدافعت پر آمادہ ہو جاؤں۔ مجھے یہاں سے جانے دو۔''

''جانے دوں۔ تجھے جانے دوں..... چلی جانا جلدی کیا ہے۔ کچھ لوگ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان سے مل لو..... آ جاؤ۔ لے چلو اسے لے چلو۔''

چار آدمی اندر گھس آئے تھے۔ یہ شکل سے ہی بُرے لوگ معلوم ہوتے تھے۔

''چلو.....'' ان میں سے ایک نے خونخوار لہجے میں کہا اور میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ راؤ حیات اللہ بھی ہمارے پیچھے آیا تھا۔ وہ شدید غصے میں ڈوبا ہوا لگ رہا تھا اور میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

یہ لوگ مجھے لئے ہوئے ایک ہال نما کمرے میں آئے تھے۔ راؤ حیات اللہ نے اپنے ہاتھوں سے دروازہ بند کیا تھا اور پھر اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''تُو نے مجھ سے میرا آخری سہارا بھی چھین لیا ہے۔ حالانکہ میں کوئی پرتشدد عمل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب مجبوری ہے۔ میں نادر کو قتل کردوں گا۔ اس طرح میں آصف علی کے دل کو زخموں سے چور کردوں گا اور تو..... میں اگر چاہوں تو تجھ سے سب کچھ چھین لوں۔ لیکن..... لیکن..... پھر اس نے ان چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے خوفناک لہجے میں کہا۔

''مارو۔ اسے، اتنا مارو کہ یہ مرجائے۔ ختم کردو اسے۔''

''راؤ حیات اللہ۔ میرا لہجہ سرد ہوگیا۔''

''زندگی کی بھیک مانگنا چاہتی ہے۔''

''نہیں۔''

''پھر کیا کہہ رہی ہے۔''

''میں تمہیں زندگی کی بھیک دینا چاہتی ہوں۔''

''مجھے.....''

''ہاں راؤ حیات اللہ۔ تمہیں، حالانکہ تم نے شروع ہی سے میرے ساتھ سودے بازی کا رویّہ اختیار کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میرے دل میں تمہارے لئے ایک عزت تھی۔ اس وقت تم نے وہ عزت میرے دل سے نکال دی۔ تم مجھے ان سے سزا دلوانا چاہتے ہو۔''

''چندا میاں بکھیر دو اس کو۔ اس کا غرور خاک میں ملا دو۔ چھین لو اس سے سب کچھ۔ راؤ حیات اللہ نے غضبناک لہجے میں کہا۔''

''آؤ۔'' میں نے پوزیشن لیتے ہوئے کہا۔ اس وقت میرا بھی غیض وغضب جاگ اُٹھا تھا۔ میں نے دروازے کی سمت سنبھال لی تاکہ ان میں سے کوئی فرار نہ ہوسکے، ان میں سے ایک نے یہ سوچ کر مجھ پر جھپٹا مارا تھا کہ وہ دوسروں پر سبقت حاصل کرلے لیکن میں بائیں سمت جُھکی اور میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے کئی گھمیریاں دیں اور

دور زمین پر اسے مارا۔ اس کی دلآویز کراہ اُبھری تھی۔ باقی تینوں نے سوچا کہ پہلے نے غلطی کی اور سزا پائی اس لئے وہ تینوں بیک وقت مجھ پر جھپٹے۔ میں اس کے لئے بھی تیار تھی۔ میرے حلق سے ایک خونخوار بلی جیسی آواز نکلی اور میرے ہاتھوں کی انگلیوں نے ان میں سے ایک کا جبڑا چھین لیا۔ دوسرے کی گردن پر خون اُگلنے کے نشانات پڑ گئے اور تیسرے کی کمر پر زوردار لات پڑی۔ مگر اب رکنے کا وقت نہیں تھا میں نے ان کو رُوئی کی طرح دُھننا شروع کردیا اور وہ کرب سے چیخنے کراہنے لگے۔ راؤ حیات اللہ پر خاطر خواہ اثر ہوا تھا اور وہ ایک دیوار سے جالگا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ چار غیر معمولی سے آدمی میرے لئے بڑی معمولی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ میں نے انہیں منٹوں میں ٹھکانے لگا دیا۔ راؤ حیات اللہ نے فرار کی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے اس نے دیکھا بھی تھا اور میرے بارے میں بہت کچھ سوچا بھی تھا۔ لیکن یہ نہیں سوچا ہوگا کہ اس نے کہ میں اس طرح ان لوگوں کو ٹھکانے لگا دوں گی جنہیں اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ میرے سامنے بھیجا تھا۔ راؤ حیات اللہ کے لئے میرے دل میں واقعی اتنی بری کیفیت نہیں تھی لیکن اس کے چند الفاظ نے مجھے اس سے مکمل طور پر باغی کردیا تھا اور وہ الفاظ یہی تھے کہ اسے اس کے غرور کی سزا دے دو۔ اس کا غرور مٹی میں ملا دو۔ اس کا مقصد کیا تھا، صاف سمجھ میں آتا تھا کہ وہ انہیں مجھے بے عزت کرنے کی اجازت دے چکا تھا۔ پھر ایک ایسے شخص کے بارے میں بھلا دل میں کیا گنجائش رہ سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اسے بھی نشانے پر رکھا تھا اور اسے خاطر خواہ سبق دینا چاہتی تھی۔

وہ چاروں بالکل بے بس ہوگئے تھے اور اب ان میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اپنے پیروں پر اٹھ کر بھی کھڑے ہوسکیں۔ راؤ حیات اللہ جیسے کسی سحر میں گرفتار تھا اور کچھ لمحوں کے بعد وہ اس سحر سے نکل آیا۔ اس نے اس طرح آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا جیسے اس دوران سو گیا ہو اور پھر ان چاروں کو دیکھا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔

''راؤ حیات اللہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب سے تھوڑی دیر پہلے تک میرے دل میں تمہارے لئے عزت تھی، بے شک میرے ایک عمل سے تمہیں مجھ سے اختلاف ہوگیا

تھا لیکن تم نے بھی مجھے ایک ایسے کام کے لئے بھیجا تھا جو بہر حال مناسب نہیں تھا۔ آصف علی سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی اور میں صرف تمہارے ہاتھوں بلیک میل ہو کر اس سے دشمنی کر رہی تھی اور اسے ایک ایسا غم دینا چاہتی تھی جو تمہیں خوش کر دے۔ بدقسمتی سے وہ کام ہو گیا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ نادر میرے بغیر بہت زیادہ متاثر ہو جائے گا۔ لیکن اس کے بعد تم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا راؤ حیات اللہ میں اسے بھی معاف کر سکتی تھی لیکن اس وقت کیا تم میرے دوستوں میں رہے، کیا تم نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ مجھے بے عزت کر دیں۔ راؤ حیات اللہ یہاں سے ہر طرح کے رشتے تو ختم ہو گئے۔ اب میرے اور تمہارے درمیان صرف ایک دشمن کا رشتہ ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے ہر کام تمہاری مرضی کے مطابق ہو سکتا ہے۔ راؤ حیات اللہ غلطی ہو گئی تم سے۔ تم نے میری شخصیت کے پہلو تو دیکھے لیکن میں نے تمہیں یہ بات بتائی تھی کہ میں یہاں آتے ہی اپنے عزیز و اقارب کی دشمنی کا شکار ہو گئی۔ ایک ایسی جگہ جسے میں نے کبھی اچھی طرح دیکھا بھی نہیں۔ اگر میں اپنے نادیدہ دشمنوں سے بچتی رہی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ کم از کم مجھے بچنے کا فن آتا ہے اور اس فن کا مظاہرہ آخر کار تم نے کرا ہی ڈالا۔ اب کیا کرو گے یہ بتاؤ۔''

راؤ حیات اللہ کے چہرے پر ایک لمحے کیلئے پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''تُو نے میری ساری خواہشوں کو خاک میں ملا دیا۔ میں اب تک جو کچھ کرنا چاہتا تھا وہ کرتا رہا تھا لیکن اب میرے تمام راستے بند ہو گئے۔ آصف علی کو ساری صورتحال معلوم ہو گئی اور یہ بھی پتا چل گیا کہ میں ناکام رہا ہوں ٹھیک ہے اس ناکامی کی وجہ تُو ہے اور اب میرا اور تیرا فیصلہ ہونا چاہئے۔''

یہ کہہ کر راؤ حیات اللہ آگے بڑھا۔ میرے دل میں واقعی اب اس کے لئے کوئی عزت نہیں تھی۔ وہ تو خیر میرا کیا ہی مقابلہ کر سکتا تھا۔ وہ میرے قریب آیا تو میں نے اس کی پنڈلی پر ایک ٹھوکر ماری۔ وہ جھکا تو میرا الٹا ہاتھ اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ زمین پر جا گرا۔

''بہت بُرا کیا تو نے راؤ حیات اللہ۔ کسی بزرگ کے یہ الفاظ نہیں ہونے چاہئے

تھے۔ ایک بے بس لڑکی کے بارے میں اگر خوش بختی سے میں ان کا مقابلہ نہ کر سکتی تو تُو میری بے حرمتی کا تماشہ دیکھتا۔ انتقام لیتا مجھ سے۔ چنانچہ تو اس قابل نہیں ہے کہ تیری بزرگی کا احترام کیا جائے تو جس طرح ایک معصوم لڑکی کے ساتھ وحشیانہ سلوک کی اجازت دے سکتا ہے اسی طرح میں اب اس بات پر اختیار رکھتی ہوں کہ تیری بزرگی کو نظر انداز کر کے تجھے تیرے اس مکروہ فعل کی سزا دے دوں۔''

میں نے ایک ٹھوکر اس کے کمر کے پچھلے حصے پر ماردی تو وہ لڑھک کر کئی قدم دور جا گرا۔ میں نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اٹھایا اور اس کے بعد میرے ہاتھ جنونی انداز میں چلنے لگے۔ چند ہی لمحوں کے بعد اس کے چہرے سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی دل خراش چیخیں نکل رہی تھیں۔ پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور میرے آخری ہاتھ نے اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔ میں نے اسے ایک طرف دھکا دے دیا تھا۔ پھر میں نے حقارت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کمال کی ہے یہ دنیا، کسی کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ جاؤ تو وہ بے بس سمجھ لیتا ہے۔ کوئی حیثیت نہیں دیتا اور اگر سینہ تان کر کھڑے ہو جاؤ تو سب ٹھیک ہو جاتے ہیں واہ بھئی واہ حضرت مجھے بے آبرو کروانا چاہتے تھے۔ پڑے ہوئے ہیں اب ٹیڑھے میڑھے۔ یہ کرلو وہ کرلو، ایسا کرلو، ویسا کرلو۔ کہیں باہر سے آہٹیں سنائی دیں تو میں نے فوراً ہی دروازے کی آڑ میں پناہ لے لی اور انتظار کرنے لگی۔ قدموں کی آہٹیں اسی طرف آ رہی تھیں۔ پھر دروازہ کھلا اندر قدم رکھنے والی صغیرہ تھی۔ اس نے اندر کے ماحول کو دیکھا اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ وہ جلدی سے آگے بڑھی اور راؤ حیات اللہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے راؤ حیات اللہ کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''راؤ صاحب..... راؤ صاحب کیا ہو گیا..... کیا ہو گیا؟''

''میں بتاتی ہوں صغیرہ۔'' میں نے کہا اور صغیرہ اس طرح اچھل پڑی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔''

''کیا سمجھا تھا تم لوگوں نے مجھے۔ کیا سمجھ لیا تھا۔ کسی کو اتنا بے بس سمجھنا چاہئے۔ لو لو۔ کسی کو اتنا بے بس سمجھنا چاہئے، کسی کو چوہا سمجھ لینا چاہئے۔ یہ کمینہ مجھے ان لوگوں سے

بے عزت کرانا چاہتا تھا۔ دیکھ لو کتنی عزت کے ساتھ پڑا ہوا ہے اور صغیرہ سن۔ قتل نہ میں نے ان میں سے کسی کو کیا ہے نہ تجھے قتل کروں گی۔ لیکن ایک بات اس راؤ حیات اللہ کو سمجھا دینا کہ جتنی بے بس میں ہوں یا نظر آتی ہوں اتنی ہوں نہیں۔ برائی پر آمادہ ہوئی تو اس کی اینٹ سے اینٹ سے بجا دوں گی ہر طرح کے حالات سے نمٹ لوں گی۔ کیا سمجھیں۔ ادھر آ میرے پاس۔'' میں نے کہا اور صغیرہ کانپنے لگی۔

''میں کہہ رہی ہوں ادھر آ میرے پاس۔'' میں نے کہا اور صغیرہ پھر بھی آگے نہ بڑھی تو میں خود اس کے پاس پہنچ گئی۔

''میں جا رہی ہوں مگر تجھے ہوش میں نہیں رہنا چاہئے۔'' میں نے ایک کھڑا ہاتھ اس کی گردن کی ایک ایسی رگ پر مارا جس کے بعد ہوش و حواس قائم رکھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ صغیرہ نے منہ کھول کر چیخنے کی کوشش کی لیکن رگ پر جو ہاتھ پڑا تھا اس سے آواز بھی بند ہو جاتی تھی۔ چنانچہ وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہی۔

اب یہاں میرے لئے کچھ نہیں تھا بلکہ زیادہ وقت یہاں گزارتی تو کوئی بھی خطرہ پیش آ سکتا تھا۔ اپنی نازک پوزیشن کا مجھے احساس تھا۔ چنانچہ میں یہاں سے جانے کے لئے چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد کوٹھی سے باہر نکل آئی اپنا حلیہ وغیرہ میں نے یونہی ہاتھ سے درست کر لیا تھا اور سوچ رہی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ راؤ حیات اللہ کے بارے میں مَیں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر یہ پھر راستے میں آیا تو میں اسے اپنی اصل دکھا دوں گی۔ وہ حشر کروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ کوئی منزل نہیں تھی اب میرے سامنے اور میں سوچ رہی تھی کہ کرنا کیا چاہئے سب سے پہلے کوئی پرسکون جگہ جہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر اپنے لئے کچھ سوچ سکوں علاقوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی تھی۔ بس چل پڑی تھی۔

نجانے کتنی دور تک پیدل چلتی رہی۔ ذہن میں کوئی خاص بات نہیں آ رہی تھی۔ سڑک کے کنارے کنارے پیدل ہی جا رہی تھی کہ اچانک بریکیں لگنے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ اتنی دیر میں سامنے رکنے والی ٹیکسی ریورس ہو کر پیچھے آنے لگی۔ میں یہی سمجھی تھی کہ ٹیکسی ڈرائیور مجھے پیدل چلتے ہوئے دیکھ کر یہ سوچ رہا

ہو کہ شاید مجھے ٹیکسی درکار ہے ٹیکسی میرے قریب ہی آ کر رک گئی۔ لیکن ڈرائیونگ سیٹ پر ایک جانی پہچانی شکل دیکھ کر میں ایک دم سے سر کو جھٹکنے لگی۔ یہ وہی ٹیکسی ڈرائیور تھا جو مجھے لے کر طاہر بیگ کے دفتر تک پہنچا تھا۔ اس نے گردن نکال کر کہا۔

''سلام بہن صاب۔ آپ نے قادر بخش کو پہچانا نہیں۔''

''ارے قادر بخش تم۔''

''پیدل کدھر جاتی ہو بہن صاب۔ آؤ بیٹھو گاڑی میں بیٹھو۔''

''قادر بخش وہ.....''

''ادھر کسی سے ملنے کو آئے ہو آپ۔''

''نہیں بس ایسے ہی۔''

''آؤ بیٹھو۔'' قادر بخش نے دوبارہ کہا۔ انداز ایسا تھا کہ میں منع نہیں کر سکی اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

''بہن صاب میں نے آپ کو بہت تلاش کیا پر آپ نہیں ملے۔ تب میں نے سوچا کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کو کوئی بھائی بنانا بھی پسند نہیں کرتا۔ دل بہت ٹوٹا تھا پر آپ اس وقت نظر آیا تو میں اپنے آپ کو روک نہیں سکا۔''

''ارے نہیں قادر بخش۔ خدا کی قسم ایسی بات نہیں۔ بس بڑی مصیبتوں کا شکار ہوں میں۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ قادر بخش کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر اس نے ایک پارک کے پاس گاڑی روک دی۔ یہ جگہ بالکل سنسان تھی۔ بس تھوڑے فاصلے پر ایک ناریل پانی والا نظر آ رہا تھا۔ اچانک ہی میرے ہونٹوں پر پیاس جاگ اٹھی۔ لیکن قادر بخش نے شاید ناریل پانی کے لئے ہی ٹیکسی روکی تھی۔ کچھ کہے بغیر نیچے اُتر گیا اور پھر دو ناریل اسٹرا کے ساتھ لے کر آ گیا۔

''بہن صاب پیو۔''

''شکریہ قادر بخش۔''

''بہن صاب میں نے جان بوجھ کر ادھر ٹیکسی روکی ہے۔ بات یہ ہے کہ میں

سڑکوں پر ٹیکسی چلاتا ہوں۔ طرح طرح کے لوگ مجھے ملتے ہیں۔ تھوڑا بہت تجربہ ہو گیا ہے انسانوں کے بارے میں۔ تھوڑا بہت اندازہ لگا لیتا ہوں کہ کون کس وقت کیا سوچ رہا ہے اور اسے کیا پریشانی ہے۔ بہن صاب میرے کو محسوس ہوا کہ آپ پریشان ہیں۔ اس دن بھی میرے کو یہی لگا تھا بہن صاب خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے دل میں آپ کے لئے کوئی لالچ نہیں ہے۔ بس کبھی کبھی دل میں بہت سی باتیں آ جاتی ہیں اور بندہ سوچتا ہے کہ کسی کے لئے کچھ کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں بہن صاب کہ بے اوقات آدمی دل سے کچھ بھی سوچے مگر کسی کیلئے کچھ نہیں کر پاتا۔ آپ کو بھول گیا تھا۔ آپ سامنے آئیں تو سب کچھ یاد آ گیا۔''

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال جاگا۔ انسان دنیا میں مختلف انداز کے ہوتے ہیں کسی کی سوچ کچھ اور کسی کی سوچ کچھ۔ بہت بڑے لوگ کبھی کبھی بہت برے لوگ ہوتے ہیں اور بہت چھوٹے لوگ کبھی کبھی بہت اچھے قادر بخش خلوص ایثار کا پیکر تھا۔ میرے دل میں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس سے کچھ وقت کے لئے کوئی پناہ گاہ مانگ لوں۔ ناریل کا پانی پیتے ہوئے میں یہ سوچتی رہی پھر میں نے قادر بخش سے کہا۔

''قادر بخش تمہارا رویہ میرے ساتھ بھائیوں جیسا ہی رہا ہے۔ خود مجھ سے ہی غلطی ہوئی لیکن میں کیا بتاؤں تمہیں کس طرح کی پریشانی مجھے لاحق ہے۔''

''بہن صاب میری ایک بہن تھی۔ بس اللہ نے اسے واپس لے لیا میری بیوی رحمانی ہے ایک بچہ ہے اور بس میں ہوں۔ ایک کچی بستی میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا ہوں۔ بہن صاب میرا آپ کا کوئی ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا آپ یقین کرو گے کہ جب آپ میرے کو پہلی بار نظر آئے تو ایک دم میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں آپ کو بہن کہہ کر پکاروں۔ معافی چاہتا ہوں بہت چھوٹا آدمی ہوں لیکن دل تو سب کا ہوتا ہے۔''

''میرے بھائی میں خلوص دل سے تمہیں بھائی کہہ رہی ہوں قادر بخش تھوڑے سے وقت کے لئے مجھے کوئی ایسی جگہ چاہئے جہاں میں سر چھپا سکوں کیا تم میری مدد کرو گے۔'' قادر بخش بری طرح چونک پڑا۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ پھر

بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''بھائی کا گھر چلے گا؟''

''کیوں نہیں چلے گا۔''

''ایک کمرہ ہے اس کے آگے دالان ہے، اس کے آگے صحن ہے، غسل خانہ وغیرہ ہے۔ کچھ دیواریں ہیں اس گھر کی۔ پر اوپر ٹھنڈی سایہ دار چھت ہے۔ رحمانی ہے جو ہمیشہ یہ کہتی رہی ہے کہ قادر بخش اگر تیرا کوئی بھائی بہن ہوتا تو میں اتن خدمت کرتی اس کی کہ وہ زندگی بھر تیرا احسان مانتا۔ چلو گی بہن صاب میرے گھر۔''

''چلوں گی قادر بخش۔ مجھے میری پریشانیوں کے ساتھ اپنے گھر لے جائے گا تو.....''

''ابھی بہن صاب ابھی۔''

میں نے ایک سکون سا محسوس کیا۔ اس شخص کے چہرے پر جو جذباتی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ اس میں صرف سچ ہی سچ تھا اور ایسے سچ جھٹلائے نہیں جا سکتے۔ قادر بخش نے جلدی جلدی اپنے ناریل کا پانی ختم کیا۔ بہت خوش نظر آ رہا تھا وہ۔ اور پھر اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ خوشی سے پاگل ہو رہا ہو۔ یہ ٹھکانہ سب سے مضبوط اور سب سے بہترین ٹھکانہ تھا۔ زندگی کا ایک انوکھا رُخ۔ میرے وطن میرے دیس کا ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور۔ لیکن دل کا اس قدر امیر کہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس سے زیادہ دولت مند شخص شاید روئے زمین پر دوسرا نہ ہو۔ بہرحال وہ ٹیکسی ڈرائیو کرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک کچی بستی میں ایک مکان کے سامنے اس نے ٹیکسی روک دی اور پھر جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ پھر میری طرف آ کر اس نے تھوڑا سا دروازہ کھولا اور بولا۔

''ابھی ایک منٹ رکو بہن صاب۔'' پھر اس نے قریب والے دروازے کو زور زور سے بجایا اور کچھ لمحوں کے بعد ایک تقریباً چھ سات سال کے بچے نے دروازہ کھول دیا۔

''آؤ بہن صاب۔'' میں اندر داخل ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک چھوٹے سے باورچی خانے سے ایک سانولے رنگ کی تیکھے نقوش کی نوجوان عورت آٹے میں سنے

ہوئے ہاتھ لئے باہر آ گئی۔

''ارے قادر تم خیر ہے۔'' اس نے کہا اور پھر ایک دم چونک پڑی پیچھے میں نظر آ گئی تھی۔ قادر بخش نے کہا۔

''لے رحمانی تیری نند لے آیا ہوں۔' رحمانی نے خوشگوار نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

''منہ دھویا ہے، شیشہ دیکھا ہے کبھی؟''

''کیوں بھئی ایسی کیا بات ہے؟''

''اپنی شکل اور ان کی شکل دیکھ، میری نند کہہ رہا ہے انہیں۔''

''پوچھ لے خود۔'' میں آگے بڑھی اور میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھابھی میں تمہاری نند ہی ہوں قادر بخش میرا بھائی ہے۔ میرا سگا بھائی۔''

''بی بی صاب یہ تو پاگل ہے کہہ دیا ہوگا آپ نے ذرا پیار سے اسے بھائی اور ہو گیا ہوگا یہ پاگل کہ چلو بہن میری بیوی سے ملو۔ آپ آؤ جی۔ آپ آؤ۔ سچی بات کہیں آپ سے آپ اس کے ساتھ نہ بھی آتیں اور ویسے آ جاتیں تب بھی ہمیں اتنی ہی اچھی لگتیں۔ آپ نے ہمیں بھابھی کہہ دیا جو آپ یقین کرو ایسا لگا جیسے کسی نے ہمارے گلے میں سونے کا ہار ڈال دیا ہو۔ آپ آؤ جی۔''

دالان میں تخت پڑا ہوا تھا وہ جلدی سے اندر بھاگی اور ایک اجلی چادر لے آئی۔ یہ چادر اس نے تخت پر بچھائی اور بولی۔

''بیٹھو جی دیکھو برا مت ماننا ہماری باتوں کا۔ ایسی باتیں تو کہنی ہی پڑتی ہیں۔ وہ راجہ بھوج اور گنگو تیلی کا قصہ تو سنا ہوگا آپ نے۔''

''اگر تم نے میرے بھائی کو تیلی کہا تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔''

''بیٹھو جی بیٹھو۔ خدا کی قسم اتنا اچھا لگ رہا ہے۔ اللہ کرے آپ ہمارے گھر کچھ دنوں کے لئے مہمان رہ جاؤ۔''

''بس دعائیں بھی سوچ سمجھ کر مانگنی چاہئیں۔'' میں نے تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہم ابھی آئے تم لوگ باتیں کرو۔'' قادر بخش نے کہا اور تیزی سے کچھ سنے بغیر باہر نکل گیا۔

''ہاں جی تو بات ہو رہی تھی کہ۔''

''ہاں میں وہی کہہ رہی تھی کہ بعض دعائیں دیکھو کتنی جلدی پوری ہو جاتی ہیں۔ اس وقت تم کوئی ایسی دعا مانگ لیتیں کہ اللہ میاں مجھے رہنے کے لئے ایک بہت اچھا سا گھر دے دے۔ قادر بخش کو خوب دولت دے دے تو تمہاری وہ دعا بھی پوری ہو جاتی۔''

''اللہ آپ کی زبان مبارک کرے جی۔ پر ہم سمجھے نہیں۔''

''تم نے کہا تھا نا کہ اللہ کرے آپ ہمارے ہاں کچھ دن رہ جائیں تو رہنے کے لئے ہی تو آئی ہوں میں۔''

''خدا قسم!'' رحمانی نے خوشی کے عالم میں کہا اور میں ان مخلص لوگوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ ایسے لوگ مجھے نہیں ملے تھے۔ اپنے دیس آ کر جو کچھ مجھ پر بیتی تھی وہ بڑی دلدوز تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ یہاں تو سب برے ہی لوگ رہتے ہیں لیکن قادر بخش اور اس کی بیوی کا خلوص دیکھ کر میرے ذہن کی برف پگھل رہی تھی۔ میں نے کہا۔

''رحمانی تمہارے بیٹے کا نام کیا ہے؟''

''نادر جی نادر۔''

''پڑھتا ہے یہ؟''

''ہاں جی اسکول جاتا ہے۔ کبھی ایک دن کی چھٹی کر لے تو قادر بخش اس کی دو دن کی چھٹی کر دیتا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''اتنا مارتا ہے کہ دو دن تک اس سے اٹھا بھی نہیں جاتا۔''

''ارے..... رے..... رے..... رے۔ بچوں کو اتنا مارنا تو نہیں چاہئے۔''

''کہتا ہے کہ اسے ٹیکسی نہیں چلانے دے گا۔ پڑھا لکھا کر افسر بنائے گا۔''

''خدا کرے میرے بھائی کی یہ خواہش پوری ہو۔''

''آمین جی آمین۔''

''تم سوچ تو رہی ہوگی رحمانی کہ یہ نند کہاں سے ٹپک پڑی تو میں تمہیں ساری تفصیل بتانا چاہتی ہوں۔''

''مجھے کوئی تفصیل مت بتاؤ بہن جی سب سے پہلے مجھے اپنا نام بتاؤ۔''

''شرمین ہے میرا نام۔''

''ہائے کتنا پیارا ہے۔''

''کیوں۔ بہت پسند آیا ہے میرا نام۔''

''بڑا پیارا ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ جتنی پیاری تم ہو تمہارا نام نہ جانے کیسا ہوگا۔ مگر تمہارا نام تمہاری طرح پیارا نکلا۔ رحمانی نے معصومیت سے کہا۔ پھر جلدی سے بولی۔ چائے پیوگی۔''

''ہاں پیوں گی۔''

''میں پانی چڑھا دوں۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''یہ قادر بخش کہاں گیا؟''

''کچھ لینے گیا ہوگا۔ رحمانی نے جواب دیا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی جو سامنے ہی تھا۔ میں اس چھوٹے سے گھر کے ماحول کو دیکھنے لگی۔ قادر بخش ٹیکسی چلاتا ہے۔ کچھ نہ کچھ کما ہی لیتا ہوگا۔ تین افراد سادہ سی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اس سادگی کا بھی اپنا ہی الگ مزہ ہے۔ اگر وقت اجازت دے تو زندگی کے اس رخ کا بھی جائزہ لیا جائے۔

قادر بخش بازار سے گرم گرم جلیبیاں اور سموسے لایا تھا۔ چائے کے ساتھ ان اجنبی چیزوں نے اپنا مزا الگ ہی دیا تھا۔ میں نے خاص طور سے جلیبی کو حیرت سے دیکھا۔

''یہ کیا ہے.....؟'' میں نے پوچھا۔

''تم نہیں جانتیں؟'' رحمانی نے کہا۔

''نہیں۔''

''جلیبی اور سموسے۔''

''دونوں چیزیں انوکھی ہیں۔ مگر مجھے ایک بات پر حیرت ہے۔''

''کونسی بات پر۔''

''یہ عجیب چیز تو بڑی ٹیڑھی میڑھی ہے اتنے باریک پائپ میں یہ لیکوئڈ کیسے بھرا گیا ہوگا۔ میری اس بات پر قادر بخش اور رحمانی خوب ہنسنے لگے۔

بڑا اچھا وقت گزرا ان کے ساتھ۔ رات کو انہوں نے میرے لئے سونے کا انتظام کمرے میں ہی کیا تھا اور خود باہر سو گئے تھے۔ بہرحال رات کی تنہائیاں میرے لئے سوچوں کے پہاڑ لائی تھیں۔ اب کیا کروں..... میرا وطن، میرے باپ کا دیس۔ یہاں میرے دشمنوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ دشمن، دشمن، ہر طرف دشمن..... راؤ حیات اللہ، تائی صاحبہ، اشتیاق اور اب نہ جانے کون کون۔ بیکار ہے اب شرافت بیکار ہے۔ اپنی زندگی، اپنے حقوق کا تحفظ ضروری ہے ابھی میں نے دیکھا ہی کیا ہے۔ خود کو ان لوگوں کی بھینٹ کیوں چڑھا دوں۔ مقابلہ کرنا ہے ان سب سے دیکھوں گی حسین نگر والو۔ تم لوگوں نے میری جائیداد کو ہڑپ کرنے کے لئے جو چکر چلائے ہیں ان سب کو ملیامیٹ نہ کردوں تو میرا نام بھی شرمین حیات نہیں۔ جہاں تک رہا لندن واپسی کا سوال تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اب وہاں میرا تھا ہی کون۔ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو سلامت رکھے اشتیاق نے میرے اوپر یہ احسان کیا تھا کہ مجھے میرے باپ کی زندگی کی خبر دے دی تھی۔ مجھے ضرور ملیں گے فی الحال مجھے ان دشمنوں سے نمٹنا تھا۔ انہوں نے مجھے حلوہ سمجھ رکھا تھا۔ بتاؤں گی انہیں کہ میں حلوہ نہیں ہوں۔ اس وقت ایک خیال میرے دل میں آیا۔ مجھے مارنے والے یہ تو جانتے ہیں کہ میں لندن سے آئی ہوں۔ میرا ایک اسٹیٹس ہے وہ مجھے ایسی ہی جگہوں پر تلاش کریں گے جو میرے شایان شان ہوں کسی کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ میں کسی ٹیکسی ڈرائیور کے گھر میں ہوں۔ اس لحاظ سے یہ میرے لئے ایک محفوظ جگہ ہے کہیں ان غریب لوگوں پر بوجھ بننا بھی ٹھیک نہیں ہے ان کے لئے رقم کہاں سے لاؤں..... دیکھوں گی کہ کیا کرسکتی ہوں۔

دوسرے دن میں نے رحمانی سے پوچھ لیا۔ اس وقت قادر بخش کام پر گیا ہوا تھا.....رحمانی ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔

''پوچھو.....'' رحمانی نے خوشی سے کہا۔ مجھے مہمان بنا کر وہ بے چارے بہت خوش تھے۔

''یہ ٹیکسی قادر بخش کی اپنی ہے۔''

''نہیں۔ مالک کی ہے۔''

''قادر بخش اپنی ٹیکسی کیوں نہیں لے لیتا۔''

رحمانی مسکرائی پھر بولی۔ کوئی آسان ہے جی۔ اور پھر قادر تو ابھی قرضہ ہی ادا کر رہا ہے۔

''قرضہ؟''

''ہاں جی۔ ٹیکسی لی تھی اس نے چوری ہوگئی مل کر ہی نہ دی۔ قسطوں پر لی تھی۔ قسطیں دینی پڑ رہی ہیں۔ اس مالک کی ٹیکسی چلا رہا ہے۔ آدھی دہاڑی ملتی ہے آدھی قسطوں میں کٹتی ہے۔ رحمانی نے بتایا۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی تھی۔''

تین دن گزر گئے۔ میرے دشمن میرے لئے نہ جانے کیا کیا کرتے پھر رہے ہوں گے۔ اچھی بات تھی نہ انہیں میری خبر تھی نہ مجھے ان کی البتہ میرا ذہن سوچوں کی آماجگاہ رہتا تھا۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہت غور کرنے کے بعد آخر کار میں نے ایک فیصلہ کیا۔ مرزا طاہر بیگ کے گھر کی تلاشی لوں.....اس کا آفس ریکارڈ دیکھوں۔ ممکن ہے مجھے وہاں سے کوئی ایسا نشان مل جائے جس سے بات آگے بڑھے۔

میں نے قادر بخش سے کہا۔ قادر بھائی میرے پاس ایک پتہ ہے۔ میں وہاں جانا چاہتی ہوں۔

''پتہ بتاؤ بہن صاب۔'' میں نے قادر بخش کو طاہر بیگ کے گھر کا پتہ بتا دیا۔ اس نے کہا کہ وہ شام تک مجھے یہ بتا دے گا کہ وہ جگہ کہاں ہے۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ اس نے گھر کا پتہ تلاش کر لیا ہے۔ وہ بولا۔

''وہ گھر خالی پڑا ہے۔ گیٹ میں تالا لگا ہوا ہے۔''

''قادر بھائی۔ میں رات کو اس گھر میں داخل ہونا چاہتی ہوں۔''

''کیوں.....'' وہ حیرت سے بولا۔ اور میں سوچنے لگی کہ اب مجھے قادر بخش کو اپنے بارے میں بتا دینا چاہئے۔ کچھ لمحے سوچنے کے بعد میں نے قادر بخش سے کہا۔

''بھائی قادر بخش۔ تم بہت معصوم انسان ہو۔ اس دن جب میری تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تب بھی تم نے بھائیوں کی طرح میرے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔ بے غرض اور بے لوث۔ میں اس دن بھی تم سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ لیکن کچھ ایسے حالات کا شکار تھی میں کہ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ تقدیر مجھ پر نا مہربان ہوگئی ہے وقت میرا دشمن بن گیا ہے۔ لندن میں رہتی تھی۔ میرے والد کا تعلق یہیں حسین نگر سے ہے۔ حسین نگر میں میرا پورا خاندان رہتا ہے۔ میرے والد کے ساتھ ان کے بھائیوں نے یعنی میرے تایا وغیرہ نے بدسلوکی کی۔ ہماری بہت بڑی جائیداد ہے یہاں یہی جائیداد بھائیوں کے درمیان دشمنی کا باعث بنی۔ میری تائی ایک خطرناک اور غاصب عورت ہیں۔ ان لوگوں نے ہماری جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ میرے والد لندن جاتے رہتے تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ ان کے اپنے ان کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کو یعنی مجھے اور میری ماں کو وہ بتاتے رہتے تھے پھر میری ماں کا انتقال ہوگیا اور میرے والد یہاں آتے جاتے رہے۔ آخر کار اب سے کچھ عرصے پہلے میرے والد یہاں آئے ہوئے تھے۔ وہ واپس نہیں پہنچے اور ایک طویل عرصے سے ان سے رابطہ نہ رہا تب میں یہاں آئی لیکن یہاں قدم رکھتے ہی مجھ پر قاتلانہ حملے شروع ہوگئے۔ میں نے قادر بخش کو وہ تمام تفصیلات بتا دیں جو میری زندگی سے وابستہ تھیں۔ قادر بخش اور رحمانی منہ کھولے میری کہانی سن رہے تھے یہاں تک کہ میں نے راؤ حیات اللہ وغیرہ کے بارے میں بھی مختصراً بتایا۔ یہ نہیں بتایا کہ میں مارشل آرٹس وغیرہ کے ذریعے ان لوگوں کو زخمی کر آئی ہوں۔ بس اتنا بتا دیا کہ میں ان کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی ہوں۔ ساری کہانی سننے کے بعد قادر بخش نے بے بسی سے ہاتھ ہلائے اور بولا۔

''میں کیا کر سکتا ہوں اس سلسلے میں، کچھ کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر پاؤں گا، میں تو

سیدھا سادہ آدمی ہوں، مجھے کچھ نہیں معلوم بہن صاب۔''

''قادر بھائی اس شہر میں آپ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ بڑے بڑے رشتے داروں پر بھاری ہے۔ اگر مجھے آپ کے گھر کی یہ چھت نہ ملتی تو میں نجانے کیسی کیسی مشکلوں کا شکار رہتی۔ قادر بھائی میں جدوجہد کرنا چاہتی ہوں۔ حسین نگر میں میرے دشمنوں کی تعداد بھری ہوئی ہے۔ وہ یہاں تک میرے تعاقب میں ہیں۔ لیکن میں آپ کو ایک بات بتا دوں، میں ان سے ڈرتی نہیں ہوں۔ بہت نڈر ہوں میں۔ میں تو بس اپنے باپ کے دیس میں اپنے باپ کی تلاش میں آئی تھی۔ مجھے یہ پتا چل گیا ہے کہ میرے باپ زندہ ہیں۔ کہاں اور کس طرح ہیں یہ اللہ جانتا ہے۔ قادر بھائی میں جدوجہد کرنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کو کسی پریشانی کا شکار نہیں ہونے دوں گی یہ میرا وعدہ ہے۔ تھوڑا سا میرا ساتھ دے دیجئے۔''

''کیسی بات کرتی ہو شرمین بہن، ہماری زندگیاں حاضر ہیں تمہارے لئے۔'' قادر بخش سے پہلے رحمانی نے کہا۔

''میں دیکھ چکی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ یہ گھر فرشتوں کا گھر ہے یہاں تین افراد نیکیاں کما رہے ہیں۔ فی الحال دعاؤں کے علاوہ اور کچھ نہیں دے سکتی وقت جو بھی فیصلہ کرے گا وہ بعد کی بات ہے۔ دیکھیں گے کہ وقت کیا کہانی سناتا ہے۔''

''تو پھر اب آپ اس وکیل صاحب کے گھر جانا چاہتے ہو؟''

''ہاں قادر بھائی۔''

''آپ بالکل فکر مت کرو۔ ہم آپ کے ساتھ ہے۔'' قادر نے بتایا۔

''میں وہاں تلاشی لینا چاہتی ہوں۔ ہوسکتا ہے وہاں مجھے کوئی ایسی چیز مل جائے جو میرے باپ کا پتہ دے دے۔ اصل میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے والد صاحب کے ایک اور وکیل سے بھی تعلقات ہیں اور ان کا اصل وکیل وہی ہے۔ میں یہ بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے آپ میرے کو جو بولے گا میں اس کے لئے تیار ہوں۔'' قادر بخش نے کہا۔ یہ بھی میرے لئے بہت بڑا سہارا بن گیا تھا۔

پھر پروگرام کے مطابق قادر بخش مجھے مرزا طاہر بیگ کی کوٹھی پر لے گیا۔ اس کوٹھی سے بڑے بھیانک واقعات وابستہ تھے۔ مجھے مرزا طاہر بیگ کی لاش یاد آ گئی ویسے بھی میرا پہلے بھی یہی اندازہ تھا کہ یہاں طاہر بیگ کے اہل خانہ نہیں رہتے۔ پتا نہیں اس کی کیا کہانی ہے۔ لیکن بہرحال اب تو ساری کہانیاں گم ہوگئی تھیں۔ مرزا طاہر بیگ کے بنگلے کے سامنے کے گیٹ میں تالا لگا ہوا تھا۔ قادر بخش کو میں نے ایک ایسی جگہ کھڑے ہونے کے لئے کہہ دیا تھا جہاں وہ کسی الجھن کا شکار بھی نہ ہو۔ حالانکہ اس نے محبت سے کہا تھا۔

''اگر آپ بولو بہن صاب تو میں بھی آپ کے ساتھ اندر چلوں۔''

''نہیں قادر بخش تم باہر رکو۔'' میں نے کہہ دیا تھا۔ آخر کار مجھے ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں سے میں اندر داخل ہوسکتی تھی۔ بات یہ نہیں تھی کہ میں اس وقت ان حالات کا شکار ہوئی تھی تو چست و چالاک ہوگئی تھی۔ میں اپنی بہنوں کو یہ بتاتی چلوں کہ اس بدلے ہوئے وقت کی مانگ کچھ اور ہی ہے۔ کسی بھی جگہ کمزور پڑو گی تو بے بسی کا شکار ہو جاؤ گی۔ اپنے آپ کو اس طرح چست و چالاک رکھو کہ کسی کے لئے نرم چارہ بھی نہ ثابت ہو۔ میں کافی پھرتیلی تھی اور پھر یہ پھرتی اس وقت میرے کام آ رہی تھی۔

بہرحال میں اندر داخل ہوگئی۔ میں نے کچھ ایسی چیزیں ساتھ لے لی تھیں جو اس وقت میرے کام آ سکتی تھیں۔ لیکن ان کی ضرورت نہیں پڑی بس ایک خیال تھا دل میں کہ ہوسکتا ہے کہ مرزا طاہر بیگ نے اپنے ضروری کاغذات اس رہائش گاہ میں رکھے ہوں۔ کوٹھی بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ ماحول بہت ہی خوفناک سا تھا۔ روشنیاں موجود تھیں۔ میں ایک ایک کمرے کی تلاشی لیتی پھری۔ پھر ایک کمرہ مجھے لائبریری کے طور پر نظر آیا۔ یہاں پر الماریاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اگر کچھ مل سکتا ہے تو اسی کمرے میں مل سکتا ہے میں نے سوچا تھا اور پھر اس کے بعد میں نے تلاشی لینا شروع کر دی تھی۔ الماریاں فائلوں اور کاغذات سے بھری ہوئی تھیں۔ میں روشنی کر کے ان تمام فائلوں کو دیکھتی رہی۔ بہت دیر اس طرح گزر گئی اور اس کے بعد اچانک ہی ایک فائل میرے ہاتھ آئی جس پر حیات حسین لکھا ہوا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ میرے والد کے نام کا فائل ہی تھی

اور اس پر حسین نگر بھی لکھا ہوا تھا۔ یہ فائل میرے لئے بڑی قیمتی حیثیت رکھتی تھی۔ میں نے ایک نگاہ اس پر ڈالی یہاں بہت زیادہ دیر نہیں رک سکتی تھی۔ فائل کو ایک طرف رکھ کر میں اور دوسرے کاغذات کو تلاش کرنے لگی، لیکن اس فائل میں ہی سب کچھ تھا۔ میں نے باقی چیزوں کو انہی کی جگہ چھوڑا مجھے کیا غرض پڑی تھی کہ انہیں سنبھال کر رکھتی۔ میں نے فائل اپنے قبضے میں لے لیا اور اس کے بعد باہر نکل آئی۔ قادر بخش میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر سنبھل گیا اور بولا۔

''خیر ہے بہن صاب؟''

''ہاں قادر بخش۔''

''کچھ کام بنا؟''

''ہاں!'' میں نے جواب دیا اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ قادر بخش نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔ حقیقتاً میں نے بڑا زبردست فیصلہ کیا تھا اور شاید اس وقت میری خوش نصیبی میرا ساتھ دے گئی تھی کہ اب مجھے یہ فائل مل گئی تھی۔ خدا خدا کر کے گھر پہنچی۔ ذہن میں شدید تجسس تھا۔ میں نے قادر بخش سے کہا۔

''قادر بھائی مجھے یہ ایک فائل ملی ہے جس پر میرے باپ کا نام درج ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اندر بیٹھ کر اس کا جائزہ لے لوں روشنی جلانی پڑے گی۔''

''بہن صاب آپ میرے کو اس طرح شرمندہ مت کرو۔ بھائی ہوں آپ کا کیا خیال ہے آپ کو کسی بات پر روکوں گا۔ ابھی رحمانی آپ کو چائے بنا کر دے گی۔''

''ہاں رحمانی بہن مجھے چائے دیجئے۔''

قادر بخش اور رحمانی میرے لئے فرشتے ہی ثابت ہوئے تھے۔ نجانے کیوں میرے دل کو ایک ڈھارس سی ہوگئی تھی اور میں سوچنے لگی تھی کہ اب میں واقعی تنہا نہیں ہوں۔ یہاں میرے ہمدرد بھی ہیں۔

چائے آ گئی اور اس کے بعد میں فائل کھول کر بیٹھ گئی۔ میری جائیداد کی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔ کچھ نام اور پتے، کچھ نوٹس بھی تھے۔ بعض نوٹس میں مرزا طاہر بیگ نے

اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ میں نے ایک نوٹ پڑھا۔ لکھا تھا۔

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حیات حسین کی بہت بڑی جائیداد کو ہتھیانے والوں میں کئی نام شامل ہیں، لیکن نیرہ بیگم اور اختر حسین کا نام سرفہرست ہے۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں حیات حسین کے دشمن ہیں۔ حیات حسین بھی چالاک آدمی ہے۔ اس نے اپنے سارے معاملات میرے سپرد نہیں کئے۔ غالباً وہ اس وقت سے بگڑا جب اسے میری اور نیرہ بیگم کی ملاقات کا پتہ چلا، بڑی آسامی ہے لیکن نیرہ بیگم نے بڑے مضبوط انتظامات کر رکھے ہیں۔ دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔''

پھر ایک پتہ نظر آیا جس کے بارے میں مجھے یہ شبہ ہوا کہ وہ نیرہ بیگم مقامی رہائشی ہے۔ یعنی حسین نگر سے ہٹ کر۔ میں نے اس پتے کو پوری طرح ذہن نشین کر لیا کیونکہ میری دوسری منزل یہی ہو سکتی تھی۔ آدھی رات سے زیادہ تک میں اس فائل کی ورق گردانی کرتی رہی اور مجھے بہت کچھ مل گیا۔ اس فائل کو پوشیدہ رکھنا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ اس سے بہت سے معاملات وابستہ تھے۔

میں نے لائٹ بند کی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ باہر وہ دونوں بھی جاگ رہے ہیں۔ آہ کاش کوئی ایسا ذریعہ ہاتھ آ جائے کہ میں ان لوگوں کی مشکلات میں خود بھی حصہ لے سکوں۔ بہرحال یہ بعد کی باتیں تھیں۔ وہ نیا پتہ جو مجھے ملا تھا اب میرے لئے مکمل دلچسپی کا باعث تھا اور میں اسے اچھی طرح ٹٹول لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ وقت گزرتا رہا۔ میں نے بہت سے فیصلے کر لئے تھے۔

دوسرے دن ناشتہ کرتے ہوئے میں نے قادر بخش سے کہا۔

''بھائی قادر بخش آپ اپنا کام کریں مجھے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے وہ لیتے آئیں، میں اب آپ سے کچھ وقت مانگوں گی۔''

''آپ میرے کو بتاؤ کیا چاہئے آپ کو۔'' میرے پاس اسلحہ وغیرہ تو ہو نہیں سکتا تھا اور نا ہی میں قتل و غارت گری کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے ایک فیصلہ کیا۔ اب میرے ہاتھ میں کچھ آ جانا چاہئے یعنی کوئی رقم وغیرہ۔ بہرحال یہ بھی دیکھنا تھا۔ میں آخر کار قادر بخش کے ساتھ اس پتے پر پہنچ گئی جہاں پتا نہیں کون میرا منتظر تھا۔ قادر بخش نے کہا۔

''میں ادھر کھڑا ہے بہن صاب۔''

''قادر بھائی ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں آپ سے۔''

''ہاں بولو بہن۔''

''دیکھئے ہوسکتا ہے یہ جگہ ایسی ہو جہاں مجھے زیادہ وقت گزارنا پڑے۔ ایک بات کا میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اپنی بھرپور حفاظت کروں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ واپس چلے جاؤ۔''

''ارے آپ واپس کیسے پہنچو گی۔''

''میں نے کہا نا ہوسکتا ہے مجھے یہاں زیادہ وقت گزارنا پڑے۔ چنانچہ میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔ آپ میرے لئے بالکل فکر مت کریں۔''

''مجھے بہت عجیب لگے گا۔''

''نہیں میری بات مان لیجئے۔''

''جیسا آپ بولو بہن صاب۔ آپ کا تو معاملہ ہی ایسا ہے کہ آپ کے ساتھ ضد نہیں کرنا چاہئے۔''

قادر بخش کو میں نے واپس بھیجنے کے بعد اپنے آپ کو مکمل طور سے آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے اس عمارت کا ایک بھرپور جائزہ لیا۔ عمارت بہت زیادہ شاندار نہیں تھی۔ اس کی چار دیواری سے اندر داخل ہونے میں کوئی دقت کی بات نہیں تھی۔ غالباً گھر کے مالکان اس چار دیواری کو غیر محفوظ سمجھ کر اونچا کرانے کی کوشش کر رہے تھے اور یہاں بہت سی اینٹیں احاطے کی دیوار میں لگائی گئی تھیں۔ لیکن ایک جگہ انہوں نے دیوار

کے ساتھ اینٹوں کے انبار بھی لگا دیئے تھے۔ ایسے انبار جن پر چڑھ کر دیوار پر اور پھر دیوار کی دوسری جانب کودا جاسکتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کوٹھی میں اس وقت کون کون رہتا ہے لیکن جو معلومات مجھے فائل سے حاصل ہوئی تھیں ان سے یہ ضرور پتا چلتا تھا کہ اس کوٹھی کا کچھ نہ کچھ تعلق تائی صاحبہ یعنی نیرہ بیگم سے ضرور ہے۔

بہرحال اینٹیں اس انداز میں بکھری پڑی تھیں کہ میں اپنا کام جاری رکھ سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنا وزن سنبھال کر ان اینٹوں پر پاؤں رکھے اور اوپر آخر کار دیوار پر اٹھ کر اندر مدھم روشنیوں کا جائزہ لے کر دیوار کے دوسری جانب پہنچ گئی۔ میں نے انتہائی احتیاط کی تھی اور اپنے قدموں کی کوئی آواز نہیں پیدا ہونے دی تھی۔ نجانے اس وقت مجھ پر کیا جنون سوار تھا۔ میں نیرہ بیگم کے بارے میں سوچتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اگر تائی صاحبہ بھی اس عمارت میں موجود ہوئیں تو میں انہیں پہچانوں گی کیسے اب یہ تو فضول باتیں ہیں کہ انسان اپنوں کو پہچان لیتا ہے۔ جس اپنے کو کبھی دیکھا ہی نہ ہو وہ سامنے آ جائے تو کوئی آواز تو نہیں سنائی دے گی۔

بہرحال میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی اور اس دروازے کی جانب چل پڑی جو عمارت کا عقبی دروازہ تھا۔ اچانک ہی مجھے ایک ہولناک غراہٹ سنائی دی اور اس کے بعد ایک سایہ سا مجھے اپنے اوپر جھپٹتا ہوا محسوس ہوا۔ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ مارشل آرٹس انسان کی حسیات کو ہزار گنا بڑھا دیتا ہے۔ میں نے ایک دم سے دونوں ہاتھ اوپر کر دیئے اور وہ شے جس نے مجھ پر چھلانگ لگائی تھی اپنے نرم وجود کے ساتھ میرے ان ہاتھوں پر آئی۔ بف کی آواز سی نکلی اور میں نے اس شے کو اپنے ہاتھوں پر سنبھال کر کافی دور پھینک دیا۔ میری آنکھوں نے مدھم روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ وہ ایک خطرناک کتا تھا جو آواز نکالے بغیر حملہ آور ہوتا ہے بشرطیکہ اسے یہ احساس ہو جائے کہ سامنے والا پکا دشمن ہے اور اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرنی چاہئے۔ وہ ہوشیاری سے حملہ کرتا ہے اور گردن دبا لیتا ہے۔ جس نسل کا وہ کتا تھا اس کے جبڑوں سے کوئی گردن شاید ہی کبھی باہر نکالی جاسکتی ہو۔ اس کے وار نپے تلے ہوتے ہیں اور کبھی خالی نہیں جاتے۔ میں نے اپنی روایتی پھرتی

اور مارشل آرٹس کے مخصوص داؤ کے ذریعے اسے دور پھینک دیا تھا۔لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے لباس سے وہ لمبا چاقو بھی نکال لیا جو میں نے قادر بخش سے منگوایا تھا اور جس کا پھل تقریباً گیارہ انچ لمبا تھا۔کتا دور جا کر گرا تھا اس کے منہ سے ایک آواز نکلی تھی اور اس کے بعد پھر اس نے اسی انداز میں مجھ پر چھلانگ لگائی تھی لیکن اس بار میں پوری طرح تیار تھی جیسے ہی وہ میرے اوپر پہنچا میں نے اسے جھکائی دے کر اپنا چاقو استعمال کیا اور اسے آدھا کاٹ دیا۔اس کی آنکھیں باہر نکل پڑیں اور صرف اس کی کمر کی ریڑھ کی ہڈی باقی رہ گئی۔اس کے خون کے فوارے نے میرے پورے لباس کو بھگو دیا اور وہ مجھ سے دور ہٹ کر جا گرا۔لیکن اب وہ دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے پاؤں لٹکی ہوئی آنتوں میں الجھ گئے اور وہ زمین پر لوٹے لگانے لگا۔البتہ ایک فائدہ ہوا تھا کہ کے حلق سے آواز نہیں نکلی تھی لیکن چند ہی لمحوں کے بعد کسی طرف سے روشنی ہوئی اور اندر سے نکلنے والی ایک عورت نظر آئی۔میں نے اس روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔دوسرے ہاتھ میں ٹارچ بھی تھی۔اس کے منہ سے ایک آواز نکلی۔

''جیکی.....جیکی.....ہیلو.....ہیلو جیکی.....ہیلو جیکی.....'' غالباً وہ کتے ہی کا نام پکار رہی تھی۔میری نگاہیں کتے کی طرف پلٹیں تو میں نے اسے بے بسی کی نگاہوں سے اپنی مالکن کو دیکھتے ہوئے پایا۔اس کی آنکھوں میں تیز چمک تھی۔گہری سرخ آنکھیں جن پر شاید خون کی چادر چڑھ گئی تھی یا یہ اس کی اپنی فطرت کا اظہار کر رہی تھیں۔وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ناکام تھا۔میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔عورت کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔میں نے تو روشنی میں اسے دیکھ لیا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔البتہ کتے کے ہاتھ پاؤں گھسیٹنے سے جو آوازیں بلند ہو رہی تھیں وہ اسے سمت کا اندازہ لگانے میں مدد دے سکتی تھیں اور اس کے بعد جو ہوتا وہ ظاہر ہی بات ہے میرے لئے بہت ہی خطرناک ہوتا کیونکہ میرے پاس آتشی ہتھیار نہیں تھا۔سوائے اس چاقو کے جس سے اب بھی خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

میں چاقو سنبھالے ہوئے ایک طرف ہٹ کر دیوار کی اوٹ میں سیدھی کھڑی ہو گئی۔مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں میں اپنے آپ کو چھپا سکوں جو آواز جیکی جیکی کہہ کر پکار رہی تھی وہ کافی خوبصورت تھی۔پھر میں نے اس دراز قامت عورت کو دیکھا جو ایک خوبصورت گاؤن پہنے ہوئے تھی۔اس نے دوبارہ آواز دی۔

''جیکی کہاں مر گیا تو.....جیکی او جیکی.....'' پھر اس نے اور زور سے آواز دی۔

''کتے کے بچو تم سب کہاں مر گئے کسی کی آواز نہیں آ رہی۔'' غالباً یہ الفاظ اس نے اپنے کسی نوکر کو مخاطب کر کے کہے تھے۔پھر وہ ٹارچ روشن کئے آگے بڑھتی ہوئی اس سمت چل پڑی جدھر سے کتے کے ہاتھ پاؤں گھسیٹنے کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں اور پھر اچانک خون میں ڈوبا ہوا دم توڑتا ہوا کتا اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا اور اس کے حلق سے ایک دہشت بھری آواز نکلی۔''

''اوہ نو.....نو.....'' پھر وہ دوڑتی ہوئی کتے کے قریب پہنچ گئی۔اس دوران میں تیزی سے پیچھے ہٹ کر ایک باڑھ کی عقب میں آ گئی تھی۔یہاں سے میں ان دونوں کو دیکھ سکتی تھی۔یعنی کتے کو اور عورت کو۔عورت کتے کے قریب پہنچ چکی تھی اور اس کے انداز میں رو دینے والی کیفیت تھی۔

''اوہ جیکی مائی ڈارلنگ.....جیکی مائی ڈارلنگ۔'' پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد شاید دروازے کا چوکیدار تیزی سے اس کے قریب آ گیا تھا۔اس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی۔چوکیدار نے قریب آ کر پوچھا۔

''کیا ہوا میڈم؟'' اور پھر چوکیدار نے بھی کتے کو دیکھ لیا جو اب دم توڑ چکا تھا۔چوکیدار شدید حیرانی سے بولا۔

''اوہ۔خدایا یہ کیا ہوا.....اس کا تو سارا آنت باہر نکلا پڑا ہے۔''

''مجھ سے پوچھ رہا ہے تو۔دیکھ کون ہے،کہاں مر گیا،کس نے مارا ہے اسے۔ابھی ابھی مارا ہے۔میں نے اس کی دم توڑنے کی آوازیں سنی ہیں۔''

''آپ نے کسی کو دیکھا میڈم؟''

''میڈم کے بچے بکواس کئے جارہا ہے، یہ تو دیکھے گا یا میں دیکھوں گی۔ چوکیدار تو ہے یا میں۔'' عورت کی غرائی آواز ابھری اور چوکیدار نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ کی روشنی چاروں طرف ڈالنی شروع کردی۔

اچانک ہی چوکیدار کی ٹارچ کی روشنی اس باڑھ پر پڑی جس کے پیچھے میں موجود تھی۔ میں تھوڑی سی گردن اٹھائے یہ تمام منظر دیکھ رہی تھی۔''

☆.....☆.....☆

.....

اور چوکیدار کی تیز آنکھوں نے بھانپ لیا کہ باڑھ کے پیچھے کوئی موجود ہے دوسرے لمحے اس نے رائفل سیدھی کر کے گولی چلا دی اور اگر میں پھرتی سے نیچے نہ بیٹھ جاتی تو گولی نے مجھے ہلاکر رکھ دیا تھا۔ باڑھ کی ٹہنیاں ٹوٹیں، پتے ٹوٹے اس کے بعد دوسری گولی پھر تیسری اور ایک کے بعد دوسری گولی چلائی جانے لگی۔ مجھے صورتحال کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا چنانچہ میں برق رفتاری سے بھاگی اور کسی ایسی دوسری جگہ کی تلاش کرنے لگی جہاں پہنچ کر میں بچ سکتی۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں لیکن پھر تقدیر نے میری رہنمائی کی۔ میں عمارت کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھی کہ ایک جگہ مجھے کچھ دباؤ محسوس ہوا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ دروازہ ہے۔ دوسرے لمحے میں دروازے سے اندر جا پڑی پھر پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھی چاقو اب بھی میرے ہاتھ میں تھا اور میں اندازہ لگا رہی تھی کہ آس پاس کوئی موجود ہے یا نہیں۔ لیکن کوئی سرسراہٹ یا کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ یہ کوئی ایسا دروازہ تھا جو ایک پتلی سی کوریڈور میں کھلتا تھا۔ اس کوریڈور میں غالباً بچا کچا سامان پھینکا جاتا تھا کیونکہ بہت سے ڈبے، گتے کے کارٹن وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ میں ان کے اوپر سے گزرتے ہوئے اندر کی جانب چل پڑی۔ مجھے خوف ہو رہا تھا کہ یہاں کے لوگ ہوشیار ہوگئے ہیں اور پتا نہیں اب میرے باہر نکلنے میں کتنی دقت پیش آئے کمبخت، کتے نے گڑبڑ کردی تھی۔ بس سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا

کروں اگر ان لوگوں نے کسی کی موجودگی محسوس کر کے پولیس وغیرہ بلالی تب تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ میں نے دل میں سوچا۔ پھر اس خیال کے تحت میں اس راہداری سے نکل کر مزید آگے بڑھی اور عمارت کے اندرونی حصے میں داخل ہوگئی۔ دروازہ اتفاقیہ طور پر کھلا ہوا ملا تھا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آگے کیا ہے۔ کوٹھی کے بیشتر کمرے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بس ایک آدھ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ باہر سے باتیں کرنے اور بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ خدانہ کرے یہ نوبت پیش آجائے کہ مجھے کسی انسان کو قتل کرنا پڑے۔ میں بہرحال ایک مشن پر تھی اور اس مقصد کی تکمیل کرنا چاہتی تھی لیکن میرے دل میں یہ نہیں تھا کہ کسی انسانی زندگی کو میرے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچے۔ بہرطور یہ صورتحال بڑی سنسنی خیز تھی۔ دفعتاً سامنے والی راہداری میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا بائیں ہاتھ ایک کمرے کا دروازہ نظر آیا۔ اس کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا۔ میں پھرتی سے اندر داخل ہوگئی اور میں نے خوفزدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ غالباً کوئی بیڈروم تھا۔ میرے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں مسہری کے نیچے گھس جاؤں۔ مسہری بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ جدید قسم کی تھی۔ لیکن بہرحال میں اپنے جسم کو سکوڑ کر کسی نہ کسی طرح مسہری کے نیچے رینگ ہی گئی۔

تقدیر بہرحال میرا ساتھ تو دے رہی تھی کہ میں صحیح وقت پر صحیح جگہ پہنچ گئی کیونکہ کچھ ہی لمحوں کے بعد کمرے میں ایک چٹ کی آواز کے ساتھ تیز روشنی پھیل گئی۔ مسہری کے نیچے سے میں نے چند پاؤں دیکھے غالباً دو مرد تھے اور تیسری عورت۔ اس کے انتہائی سفید پاؤں سلیپروں میں جھلک رہے تھے۔ وہ سب سہمے سہمے گفتگو کر رہے تھے۔

''ہوسکتا ہے کوئی چور ہو اور چوری کی نیت سے داخل ہوا ہو۔'' مرد کی آواز ابھری۔

''بے وقوفی کی باتیں کر رہا ہے تو جیکی کسی عام آدمی کے قابو میں نہیں آ سکتا تھا۔ ایک لمحے میں چیر پھاڑ کر ختم کر دیتا ہے وہ۔ تمہیں پتا ہے کہ وہ دونوں کس طرح مارے گئے تھے۔ اگر وہ ہمارے دشمن نہ ہوتے تو لینے کے دینے پڑ جاتے، جیکی نے چند لمحوں کے اندر

انہیں ختم کر دیا تھا اور ان کی لاشیں چھپانا مشکل ہو گیا تھا ہمیں۔''

''سب لوگ چاروں طرف دوڑتے پھر رہے ہیں دیکھیں وہ کہاں سے ہاتھ آتا ہے۔ میرا تو اندازہ یہ ہے کہ وہ جیکی کی موت کے بعد یہاں کے حالات دیکھ کر بھاگ گیا۔''

''گیٹ سے تو کوئی اندر داخل نہیں ہوا چوکیدار نے یہی بتایا ہے۔''

''میں سمجھ گیا کہ وہ کدھر سے داخل ہوا۔ دیوار کی اس طرف اینٹیں چنی ہوئی ہیں۔ یقیناً انہی چنی ہوئی اینٹوں سے چڑھ کر اندر آیا ہوگا۔''

''ان کتے کے بچوں سے کہا تھا کہ اینٹیں اندر رکھ دو، کیا کوئی ادھر بھی گیا ہے۔''

''میں خود گیا تھا۔ اندازہ یہی ہوا ہے کہ جو کوئی بھی اندر آیا تھا وہ ان اینٹوں سے چڑھ کر اندر آیا تھا اور ممکن ہے وہیں سے واپس بھی بھاگ گیا ہو۔''

''اوہ مائی گاڈ..... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ مجھے اختلاج ہونے لگا ہے۔''

''آپ حکم دیجئے کیا کریں؟''

''نہیں کوئی حکم نہیں دیتی۔ بس یہ ہدایت کر دو کہ آج رات کوئی سونے کی کوشش نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ گہری نیند سو جاؤ اور اس کے بعد جاگنا ہی مشکل ہو جائے۔'' عورت کا لہجہ خونخوار ہو گیا۔

''نہیں میڈم بھلا ان حالات میں سونے کی کیا گنجائش ہے جیکی کی لاش کا کیا کیا جائے۔''

''اب وہ کس کام کا، اسے کسی بورے میں پیک کر کے باہر پھنکوا دو یا یہیں کسی گٹر میں بہا دو۔''

''نہیں گٹر میں وہ سڑ جائے گا۔ میں اسے بورے میں بند کر کے اس کی لاش کہیں دور پھنکوا دیتا ہوں۔''

''یہی میں کہنا چاہتی تھی۔ کوٹھی کے آس پاس اس کی لاش نہ پھینکی جائے۔ جاؤ میں تھک گئی ہوں، آرام کروں گی، میرا ذہن خراب ہو گیا ہے۔''

''میڈم آپ دروازہ اندر سے بند کر لیجئے۔''

ان میں سے کسی نے کہا اور عورت کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ غالباً وہ کوئی نڈر عورت معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ میں پستول بھی دیکھا تھا۔ ایک لمحے کے اندر میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ ممکن ہے یہ میری تائی صاحبہ ہی ہوں۔ آواز سے عمر کا اندازہ تو مشکل ہی ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں جو تھوڑی سی تفصیل اشتیاق سے معلوم ہوئی تھی وہ یہی تھی کہ وہ کافی خطرناک خاتون ہیں۔ بہرحال اب یہ تو چہرہ دیکھنے ہی سے پتا چلے گا کہ یہ کون صاحبہ ہیں۔

وہ تھوڑی دیر تک مسہری پر بیٹھی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور آگے بڑھ کر اس نے تیز روشنی بجھا دی۔ البتہ نائٹ بلب کی سرد روشنی کمرے کے ماحول کو اچھا خاصہ منور کئے ہوئے تھی میں خاموشی سے مسہری کے نیچے سانس روکے لیٹی رہی عورت مسہری پر لیٹ گئی تھی۔ بہرحال میرے لئے انتہائی ضروری تھا کہ میں سانسوں تک کو سنبھالے رکھوں۔ تیز سانس بھی اسے ہوشیار کر سکتی تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ اس تنگ مسہری کے نیچے میری کمر اکڑ گئی تھی۔ اِدھر مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سو چکی ہے۔ بہرحال جب بہت دیر گزر گئی اور اس کی گہری گہری سانسوں کی آواز تیز خراٹوں میں تبدیل ہوگئی تو میں آہستہ آہستہ مسہری کے نیچے سے رینگتی ہوئی باہر نکل آئی۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ اس کے پاس پستول موجود ہے۔ یہ پستول مجھے اپنے قبضے میں کرنا تھا۔ چنانچہ کھڑے ہونے کے بعد میں نے اس پر نگاہ ڈالی اس کا چہرہ میری ہی جانب تھا اور میں اس کے نقوش دیکھ سکتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بہت ہی شاندار عورت تھی اور یقینی طور پر میری تائی نہیں تھی چونکہ اس کی عمر اٹھائیس تیس سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن دلکشی بے مثال تھی۔

بہرحال مجھے اس کے حسن سے زیادہ اس کے پستول کی فکر تھی۔ چنانچہ میرے ہاتھ آہستہ آہستہ اس کے تکیے کے نیچے رینگنے لگے۔ ابھی میں پستول تک پہنچی بھی نہیں تھی کہ مجھے ایک حسین اور مترنم آواز سنائی دی۔

''ہیلو!'' میں جس طرح اچھلی تھی ایسی شاید زندگی میں کبھی خوفزدہ ہو کر نہیں اچھلی تھی۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی اور داہنے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ جس کا رخ میری ہی جانب تھا۔ اس کی روشن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ انتہائی عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اور میں اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اس وقت میرے دل میں خوف ہی خوف کا بسیرا تھا اور میں کسی قدر سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہینڈ سوئچ دبا کر تیز روشنی کر دی اور پھر اس کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے۔

''گڈ لارڈ..... گڈ لارڈ یہ ہوئی نا بات حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔ واہ اور پھر اتنی خوبصورت لڑکی مگر تھوڑی سی بیڈ لک ہو۔ میری جگہ اگر کوئی مرد ہوتا اور تمہیں دیکھتا تو یقین کرو ڈارلنگ اپنا سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتا۔ تم اتنی خوبصورت ہو اتنی خوبصورت ہو اور چور ہو۔ اے..... اے..... اے ایکشن مت دکھاؤ۔ چلو سیدھی ہو جاؤ اور سنو یہ پستول میں نے مذاق میں نہیں رکھا ہوا ہے۔ یہ دیکھو بھرا ہوا ہے اور میں اس وقت آدھی نیند کی کیفیت میں ہوں اگر انگلی دب گئی تو تمہارے سینے کا سوراخ مجھے اچھا نہیں لگے گا، کتنی پیاری شکل وصورت کی مالک ہو۔ کب سے یہ کام کر رہی ہو۔''

ظاہر ہے میں ان باتوں کا کیا جواب دیتی، وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی اور گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیتی رہی پھر اس کے بعد بولی۔

''مگر کافی خطرناک معلوم ہوتی ہو، پوری ایمانداری سے بتانا کہ میرے جیکی کو تم نے ہی ہلاک کیا ہے نا۔ سیدھی ہو جاؤ..... سیدھی ہو جاؤ۔ تم شاید جھک کر میرا پستول تلاش کر رہی تھیں۔''

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر سیدھی ہوگئی۔ عورت نے اپنے جسم کا زاویہ بدلا۔ بڑی خوبصورت تھی وہ بھی ایک بھرپور بدن کی مالک۔ اس نے چند لمحات کے بعد کہا۔

''اچھا اب زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہیں کرنا۔ اصل میں تم مجھے جانتی نہیں ہو۔

کم از کم چوری کرنے کے لئے اگر کسی گھر میں گھسا جائے تو یہ تو معلوم کرلیا جائے کہ وہ ہے کون۔ میں اپنے بارے میں تمہیں کیا بتاؤں۔ ہوسکتا ہے آگے چل کر تمہیں خود ہی پتا چل جائے۔'' اب وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی لیکن پستول کی طرف سے اس نے ایک لمحے کے لئے بھی غفلت نہیں برتی تھی۔ میں نے کئی بار اس کے ہاتھ کی ڈائریکشن دیکھی تھی۔ میرا فاصلہ اس سے اتنا زیادہ نہیں تھا کہ اگر مجھے ذرا بھی موقع مل جاتا تو میں اس کی پستول پر ہاتھ ڈال دیتی۔ بہرحال ان لمحات میں وہ مجھ پر حاوی تھی اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

''بتایا نہیں تم نے کتنے عرصے سے یہ کام کررہی ہو۔ ویسے ایک بات کہوں۔ تھوڑی سی بے وقوف ہو۔ جس قدر حسین ہو اپنی دلکشی سے کام لے کر مردوں کو چٹکیوں میں بے وقوف بنا سکتی تھیں تم اور وہ تمہیں سب کچھ دینے پر آمادہ ہوجاتے۔ اتنا بڑا خطرہ مول لیا تم نے۔ چوری کرنے کے لئے جیکی کچھ اونگھ میں ہی ہوگا جو تمہارا شکار ہوگیا ورنہ تم یقین کرو اتنا خونخوار ہے وہ بلکہ بے چارہ تھا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ تمہارے چیتھڑے کرکے رکھ دیتا۔ اچھا چلو چھوڑو یہ بتاؤ کیا چرانا چاہتی تھیں ..... دولت کی ضرورت ہے ..... دیکھو میرے پاس کتنا کچھ موجود ہے۔ میں تمہیں حسرت میں مبتلا کرنا چاہتی ہوں۔'' عورت نے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی پھر اس نے اپنے بیڈ کی سائیڈ پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور مجھے ایک سنسناتی ہوئی آواز سنائی دی جیسے کوئی غول چل رہا ہو۔ میری نگاہیں بے اختیار آواز کی سمت اٹھ گئیں۔ بالکل سامنے ہی ایک دیوار میں ایک پلیٹ سی ہٹتی جارہی تھی دیوار کے رنگ سے یہ پلیٹ مختلف نہیں تھی۔ البتہ اس کے پیچھے جو شے مجھے نظر آئی اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میری آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔ یہ ایک خاصی بڑی الماری تھی۔ اور اس الماری میں بے شمار کاغذات بھرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس الماری میں ہی ایک خانے کو کھولا اور بولی۔

''ذرا دیکھو جا کر ..... قریب جاؤ ..... قریب جاؤ ..... سنو میں اپنے منہ سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی تعمیل چاہتی ہوں۔ کیا سمجھیں۔''

''کیا کہہ رہی ہو تم۔''

''تجوری ہے وہ اس میں دیکھو کیا ہے۔ یہ اس کی چابی ہے۔'' اس نے کہا اور ایک چابی میری جانب اُچھال دی جسے میں نے اپنے ہاتھ میں لپک لیا۔''

''تالے میں لگاؤ تجوری کھل جائے گی۔'' وہ بولی اور ایک دم میرے ذہن میں ایک پروگرام ترتیب پانے لگا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر تجوری کے قریب پہنچ گئی میں نے تجوری کی چابی لگائی تو تجوری کا ہینڈل کھٹ کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔''

''کھولو اسے دیکھو۔'' اس نے کہا۔ میں نے ہینڈل پر زور لگایا تو تجوری کا ڈھکن کھلنے لگا۔ میری آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن اچانک ہی پھر ایک ایسا عمل ہوا جس نے مجھے ایک دم ششدر کردیا۔ تجوری ہی سے ایک آواز نکلی تھی اور اس کے ساتھ ہی میرے ہینڈل پکڑنے والے ہاتھ کی کلائی میں ایک اسٹیل کی ہتھکڑی فٹ ہوگئی۔ میں نے بری طرح زور لگا کر اپنے ہاتھ کو اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی لیکن فولادی ہتھکڑی میری قوت سے زیادہ حیثیت رکھتی تھی۔ عورت کی آواز ابھری۔

''کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تو زندگی بھر افسوس کرتی رہو گی۔ دیکھو ذرا تجوری میں جھانک کر دیکھو دوسرا ہاتھ تو خالی ہے۔ نا۔''

میں ایسی ڈرامائی سچویشن کی توقع نہیں کر پا رہی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ صرف جسمانی قوتوں سے ہی دنیا کا ہر کام ممکن نہیں ہوتا۔ تھوڑی سی عقل بھی بڑی ضروری ہے۔ میں اپنے آپ کو سمجھتی تو بہت کچھ تھی لیکن مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں ایک ناتجربے کار لڑکی ہوں۔ بہرحال میں نے تجوری پر نگاہ ڈالی تو اس میں بہت کچھ موجود تھا جس کی تفصیل بتانا بے کار ہے۔ عورت آہستہ آہستہ میرے قریب آ گئی۔ پستول اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ پھر وہ بولی۔

''یہ سب بھی تمہیں مل سکتا ہے لیکن میں کیا بتاؤں کہ مجھے کیا کرنا ہے اس کے لئے۔ کاش میں ایک مرد ہوتی تو تمہیں یہ سب کچھ دینے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ چلو خیر ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا سلوک کروں تمہارے ساتھ۔''

''میں تم سے زندگی کی بھیک نہیں مانگوں گی۔ بہت بڑی مصیبت میں گرفتار تھی میں۔ سمجھ لو آج میں نے دو ہی فیصلے کئے تھے کہ خودکشی کرلوں یا پھر اپنی مصیبتوں کا خاتمہ۔ اتنی رقم کا حصول جس سے میری ماں کا علاج ہو سکے جس سے میری بہنیں زندگی پا سکیں۔''

میں اپنی دانست میں ایک کامیاب اداکاری کر رہی تھی اور اسے جذباتی کر کے اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی جو ہتھکڑی کی شکل میں میری کلائی میں آ پڑی تھی۔ لیکن وہ کمبخت میری توقع سے کہیں زیادہ سنگدل تھی۔ میری ان باتوں سے وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی اور اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہو..... ہو..... بڑی مشکل کا شکار ہوئی ہو، یعنی تمہاری غربت اور پریشانی نے تمہیں چوری پر مجبور کیا ہے لیکن بی بی ایک بات بتاؤ چوری اچھی بات تو نہیں ہے۔ نوجوان ہو، خوبصورت ہو، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بہت خوبصورت ہو۔ اپنے لئے بہت کچھ حاصل کر سکتی ہو، میرا ہی گھر رہ گیا تھا تمہیں ڈاکے ڈالنے کے لئے۔ خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میں تمہارا تعارف ایک ایسے آدمی سے کرا دیتی ہوں جو صحیح معنوں میں تمہاری مشکلات کا حل دریافت کر سکتا ہے۔ ایک منٹ رک جاؤ۔'' یہ کہہ کر وہ ٹیلی فون کی جانب بڑھ گئی۔ میں نے مایوسی سے ہونٹ سکیڑے اور دل میں سوچا کہ کمبخت تو ایسے باز نہیں آئے گی۔ میں تو خاموشی سے اپنا کام کرنا چاہتی تھی۔ مگر تو مجھے خاموش نہیں رہنے دے گی۔ البتہ یہ جو مصیبت ہاتھ میں آ پڑی تھی اس نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ میں نے چونک کر اس زنجیر کو دیکھا جو ہتھکڑی سے منسلک تھی اس کی مضبوطی کا اندازہ لگانے لگی۔ میں نے وہ جگہ بھی دیکھی جہاں یہ زنجیر اندر کسی چیز سے منسلک تھی۔ صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ مارشل آرٹس میں بہت سے ایسے تجربے کئے تھے میں نے اور میری دوستوں نے جو الگ نوعیت کے حامل تھے..... انہی میں ایک بہت ہی زبردست ہٹ بوسٹن ہک کے نام سے تھی۔ بوسٹن ہک وہ خطرناک وار تھا جو دشمن پر آخری ضرب لگانے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اس سے دشمن کے بازو، پنڈلی یا شانے کی ہڈی توڑی جا سکتی تھی۔ لیکن ہک لگا کر ہی لطف ہی آ جاتا تھا بڑی دیر تک اپنے ہاتھ کی ہڈی کڑکڑاتی رہتی تھی۔ میرے کان عورت کی

آواز کی جانب منتقل ہو گئے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی.....

''ہاں تم آؤ تو سہی بہت حسن پرست بنتے ہو۔ آج میں تمہیں ایک ایسا تحفہ پیش کروں گی۔ ارے یار میری بات سنو پہلے آ جاؤ..... ہو کہاں..... کیا واقعی..... کتنی دیر میں پہنچ سکتے ہو۔ چلو ٹھیک ہے یہ تو اچھا ہوا کہ تم میری کوٹھی کے قریب ہی ہو..... جانتی ہوں جانتی ہوں ہو گے کسی نائٹ کلب میں..... چلو ٹھیک ہے آ جاؤ..... آ جاؤ..... میں انتظار کر رہی ہوں۔'' اس نے فون بند کر دیا اور میری طرف دیکھنے لگی پھر مسکرا کر بولی۔

''تعجب کی بات ہے۔ ویسے تم چور لگ تو نہیں رہیں۔''

''میں نے کہا نا میڈم میں چور نہیں ہوں بس میری بدقسمتی آپ خدا کے لئے مجھ پر رحم کریں۔''

''رحم کرنے والا آ رہا ہے نا ابھی بس چند منٹ انتظار کر لو۔'' وہ بولی اور ہنستی ہوئی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ میں نے چاروں طرف دیکھا میرے حواس ابھی گم نہیں ہوئے تھے۔ میں سوچ رہی تھی کہ جو کچھ بھی ہوگا میرا ہاتھ آزاد کرانے کے بعد ہی ہوگا اور اگر میرا ہاتھ آزاد ہو گیا تو پھر دیکھ لوں گی ایک ایک کو۔ بوسٹن ہک لگانے کیلئے خود کو تیار کرنا آسان کام نہیں تھا۔ بہت عرصے کے بعد ایسی کوئی ضرورت پیش آئی تھی۔ بہرحال میں نے دانت بھینچ کر اپنے آزاد ہاتھ سے بوسٹن ہک لگایا اور کامیاب رہی ہتھکڑی کی زنجیر ٹوٹ گئی تھی اور اب میں شیر ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کو مزید دھوکا دینے کیلئے میں نے سامنے والی ایک کھڑکی کو تاکا جس میں صرف شیشہ لگا ہوا تھا سلاخیں نہیں تھیں۔ کرائے کے ایک ہاتھ نے شیشہ چور چور کر دیا لیکن اس کھڑکی سے فرار بے حد خطرناک تھا۔ اچانک مجھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور اس وقت اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں دوبارہ مسہری کے نیچے گھس جاؤں اور بعد میں حالات کا مقابلہ کروں۔ چنانچہ میں سانپ کی طرح رینگ کر مسہری کے نیچے پہنچ گئی۔ دوڑتے ہوئے قدم دروازے کے پاس پہنچے اور پھر وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ عورت کی آواز ابھری.....

''اوہو.....نکل گئی.....نکل گئی.....'' یہ کہہ کر وہ کھڑکی کی جانب دوڑی اس کے ساتھ دوسرا جو کوئی بھی تھا وہ بھی اس کے پاس پہنچا تھا۔

''کمبخت چھلاوہ تھی۔''

''باہر دیکھیں۔''

''چھوڑو یار۔نکل گئی کمبخت مگر تعجب کی بات ہے یہ زنجیر کیسے ٹوٹ گئی۔''

''زنجیر بھی ٹوٹ گئی.....ارے یہ کیا کر ڈالا ہے تم نے۔'' مرد کی آواز اُبھری۔ یہ نہ جانے کیوں یہ آواز مجھے کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھی۔

''چھوڑو یار۔''

''باہر تلاش بھی نہیں کرو گی۔''

''جیکی زندہ ہوتا تو.....''

''ایک بات کہو۔'' دوسری آواز نے کہا۔

''چھوڑو میں اداس ہوگئی۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔''

''میڈم میری بات سنئے۔ جیکی جیسے خوفناک کتے کو چاقو سے ہلاک کر دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ آپ نے اس پر غور ہی نہیں کیا اور پھر یہ زنجیر.....تجوری تو بند کر دیں میری بھی رال ٹپک رہی ہے۔''

لیکن دوسری کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں غور کر رہی تھی کہ یہ آواز کس کی ہے اور دوسرے لمحے میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔ یہ آواز سو فیصدی اشتیاق کی تھی۔ میرے کزن کی۔ جس نے مجھے قید بھی رکھا تھا اور اغواء بھی کیا تھا۔ او.....ہو.....ڈانڈے مل رہے ہیں۔ مرزا طاہر بیگ کے پاس سے ملنے والا میرے ابو کا فائل، اس میں اس گھر کا پتہ۔ یہ میڈم جو یقیناً میری تائی نہیں ہوسکتی تھیں اور اشتیاق کا ان سے تعلق.....مگر اشتیاق خطرناک آدمی تھا۔ وہ دوسرے انداز میں سوچ رہا تھا کیونکہ میرا اس سے واسطہ پڑ چکا تھا اور میں اپنے ہاتھ دکھا چکی تھی۔ میڈم کی آواز ابھری۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو اشتیاق۔'' میڈم کے منہ سے اس کا نام سن کر میرے خیال

کی تصدیق ہوگئی۔''

''بس کیا کہنا چاہتا ہوں کہہ نہیں سکتا۔ سوائے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوگی۔''

''یہ تو میں بھی کہہ چکی ہوں کہ وہ معمولی لڑکی نہیں تھی۔''

''تم پاگل ہو۔'' اشتیاق کی آواز جھنجھلائی ہوئی تھی۔

''کیا مطلب؟''

''مگر یہ ہو نہیں سکتا۔'' اشتیاق جیسے خود سے باتیں کر رہا تھا۔

''تمہارا دماغ کچھ خراب نہیں ہو رہا اشتیاق؟''

''جو کچھ میں سوچ رہا ہوں وہ دماغ خراب کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر ہو نہیں سکتا۔''

''کیا نہیں ہوسکتا۔ اب تم مجھے نہیں بتاؤ گے۔''

''یہی کہ شرمین حیات یہاں تک پہنچ جائے۔''

''شرمین حیات.....''

''ہاں!''

''یعنی تمہاری کزن؟''

''نہیں.....آپ کی خالہ۔'' اشتیاق نے کہا۔

''یار تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ وہ بھلا یہاں کیسے پہنچ سکتی ہے۔''

''اتنی معمولی حیثیت کی مالک نہیں ہے وہ۔ مجھ جیسے آدمی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئی۔''

''ہاں تم تو جیسے چنگیز خان ہو۔''

''میں سچ مچ پریشان ہوگیا ہوں۔''

''تو جاؤ نا اسے تلاش کرو باہر۔''

''جی ہاں وہ تو انتظار کر رہی ہوگی آپ کا۔ زنجیر توڑ کر نکل گئی۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں وہ معمولی لڑکی نہیں ہے۔''

''بابا تم اس کی تعریفوں کے پل مت باندھو۔ خواہ مخواہ میرا جیکی مارا گیا۔''

''اسے یہاں کا پتہ آخر کیسے چلا۔''

''تم نے ہی بتایا ہوگا۔'' میڈم کی آواز ابھری۔

''تم مجھ پر طنز کئے جارہی ہو..... ایک لڑکی کو نہیں سنبھال سکیں تم۔ ویسے ہی اتنی زبردست شخصیت کی مالک ہو۔''

''جناب عالی میں نے تو سوچا تھا کہ آپ کو ایک تحفہ دے دیا جائے۔ مگر آپ کی تقدیر ہی خراب ہے۔''

''میڈم میں پریشان ہوگیا ہوں۔ چلو باہر چل کے دیکھیں تو سہی کہاں دفن ہوگئی۔ ویسے تمہارے چوکیدار وغیرہ تو بے کار ہی ہیں۔''

''مجھے جیکی پر اتنا بھروسہ تھا کہ میں نے کبھی اس طرح کی کسی بات پر غور نہیں کیا۔''

''مصیبت نہ بن جائے وہ کہیں ہمارے لئے۔ روپوش ہوگئی ہے۔ دیکھو حسین نگر کب پہنچتی ہے۔''

''پہنچ بھی گئی تو تم اتنے سارے لوگ ہو کیا تم اسے سنبھال نہیں سکتے۔''

''یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں۔ پتا نہیں کیا کیا کرتی پھر رہی ہے۔''

''کر رہی ہوگی چلو چھوڑو۔''

''بھئی میں بری طرح الجھا ہوا ہوں، بلاوجہ اپنے گھر جارہا تھا مجھے یہاں بلا لیا تم نے۔''

''تو جاؤ بابا احسان کس پر کر رہے ہو۔'' میڈم کی آواز بھی جھنجھلائی ہوئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''آؤ چلو باہر چلتے ہیں ..... یہی بیٹھے جھک مارتے رہو گے۔ مجھے برا بھلا کہتے رہو گے۔''

''نہیں میں تمہیں برا بھلا نہیں کہہ رہا ہوں۔'' اس بار اشتیاق کی آواز کچھ مدھم سی تھی پھر وہ دونوں دروازے کی جانب بڑھ گئے اور میں صورتحال کا جائزہ لینے لگی۔ بے

وقوف عورت نے یہ نہیں سوچا تھا کہ دوبارہ بھی میں یہی مسہری استعمال کرسکتی ہوں۔''

اب اس وقت اس کھڑکی کی طرف متوجہ ہونا بے وقوفی کی بات تھی۔ میں انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئی تھی کہ میں کھڑکی سے باہر نکلی ہوں۔ وہ لوگ اسی طرف دیکھ بھال کر رہے ہوں گے۔ چنانچہ میں نے سیدھے سیدھے دروازے کا رخ کیا اور اس کے بعد مختلف چیزوں کی آڑ لیتی ہوئی احاطے کی دیوار کی جانب بڑھنے لگی۔ باہر بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ وہ بچے کھچے ملازموں کے ساتھ مجھے اس سمت تلاش کر رہے تھے۔ ٹارچ کی روشنیاں بالکل ہی مختلف سمت گردش کر رہی تھیں۔ یہ ٹارچ غالباً چوکیدار کی تھی جو ان کے ساتھ مجھے تلاش کر رہا تھا۔ چنانچہ مجھے احاطے کی دیوار کودنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی اور اس کے بعد میں اپنے ذہن میں انتہائی سنسنی خیز خیالات لئے ہوئے تیزی سے وہاں سے آگے بڑھنے لگی۔ جو کچھ میں کر رہی تھی حقیقت میں یہ میرا کام نہیں تھا۔ لندن میں بڑی پرسکون اور بڑی پروقار زندگی تھی میری۔ کبھی کسی مجرمانہ عمل کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔ مارشل آرٹس سے دلچسپی بس شوق کی طرح سے تھی۔ لیکن یہاں اپنے وطن آنے کے بعد مارشل آرٹس جس طرح میرے کام آیا تھا وہ ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ شاید یہ فیصلہ بھی آسمانوں ہی میں ہوا تھا کہ مجھے کبھی کسی اس طرح ایک مجرمانہ زندگی میں داخل ہونا پڑے گا حالانکہ یہ زندگی میرے لئے جرم نہیں تھی۔ میں تو مجبور تھی مجھے مشکل میں پھنسا دیا گیا تھا۔ حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ بیشک عیش و آرام سے زندگی گزار رہی تھی لیکن کبھی یہ خیال دل میں نہیں آیا تھا کہ کوئی بہت بڑی دولت میرے ہاتھ لگے یا میں دنیا کی امیر کبیر خاتون بن جاؤں کبھی غور ہی نہیں کیا تھا اس بارے میں۔ ماں کی موت کے بعد آنٹی کے ساتھ زندگی خوب پرسکون گزر رہی تھی۔ ساری ضرورتیں پوری ہوجاتی تھیں اور کہیں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اب وقت نے مجھے مجبور کردیا تھا کہ وہی سب کچھ کروں جو اپنی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اب تو میں اپنے وطن ہی کی ہوگئی تھی، ناکاغذات تھے میرے پاس نا پاسپورٹ اور زندگی گزارنے کا کوئی اور سامان۔ کہیں جانے کی کوشش بھی کرتی تو

کامیاب نہ ہو پاتی۔ جہاں تک میرے سفارتخانے کا تعلق تھا تو بس ایک امید ایک آس ہی تھی۔ چاروں طرف تو دشمن لگے ہوئے تھے راؤ حیات اللہ بھلا اتنی آسانی سے میرا پیچھا کب چھوڑے گا۔ باقی رہا آصف علی خان کا معصوم خاندان تو کسی کو مصیبت میں پھنسانے سے کیا حاصل۔ راؤ حیات اللہ کی ان سے دشمنی چل رہی تھی۔ وہ جانیں اور وہ جانیں، انکشاف تو میں نے کر دیا تھا اس دشمنی کا اور آصف علی خان بھی ایسے بے حیثیت نہیں تھے کہ راؤ حیات اللہ سے بعد میں بھی مار کھا جاتے بلکہ یہ تو ایک طرح سے اچھا ہوا تھا کہ ایک شخص کی دشمنی ان کی نگاہوں کے سامنے آ گئی تھی۔ اب اس دشمنی کی وجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ دنیا میں نجانے کیا کیا مشکلیں لوگوں کے ساتھ ہیں۔ میں بھلا کیا کر سکتی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آگے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ بات تو بالکل پتا چل گئی تھی کہ جو پتہ مجھے اس فائل سے حاصل ہوا تھا اس کا تعلق میرے اہل خاندان سے ضرور تھا۔ وہ خوبصورت عورت کون تھی جس سے میری مڈبھیڑ ہوئی ویسے انتہائی چالاک عورت معلوم ہوتی تھی۔ تصدیق اس طرح ہوگئی تھی کہ اشتیاق کو خصوصی طور پر وہاں بلایا گیا تھا۔ میں نے اشتیاق کی اور اس عورت کی باتوں پر غور کیا۔ اشتیاق اسے میڈم میڈم کہہ کر بلا رہا تھا اور دونوں کے درمیان کافی بے تکلفی معلوم ہوتی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آگے کیا کرنا چاہیے۔ اس رات کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ دوسری صبح رحمانی نے حلوہ پوری کا ناشتہ پیش کیا۔ بہت ہی اچھے لوگ تھے یہ۔ جہاں ایک طرف میرے آس پاس برے لوگوں کا مجمع لگا تھا وہیں قادر بخش جیسا بھائی بھی مل گیا تھا۔ یہ احساس ہی میرے لئے ایک عجیب وغریب نوعیت کا حامل بن گیا تھا اور میں سوچتی رہی تھی کہ قادر بخش کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا، یار جب ان لوگوں نے مجرم اور قاتل بنا ہی دیا ہے تو ایک گناہ اور سہی۔ وہ تجوری یاد آ گئی تھی جس کے اندر بہت کچھ بھرا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی الماری میں چنے ہوئے وہ کاغذات بھی کیا ان کاغذات میں مجھے اپنے باپ کے بارے میں کچھ مل سکتا ہے۔ میرے ذہن میں کچھ خانے اور کھل گئے میں نے کبھی یہ تو غور نہیں کیا تھا کہ میری شخصیت میں کوئی ضدی

کیفیت ہے۔ کبھی کوئی بھی شاید فطرت ہی الگ پائی تھی یعنی یہ کہ ضرورت سے زیادہ بڑی چیزوں کا تصور ہی نہیں کرتی تھی اور جن چیزوں کا تصور کیا انہیں ڈیڈی نے میرے لئے مہیا کر دیا۔ بات ہی ختم ہوگئی۔ چنانچہ دولت کی میری نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن رحمانی سے جو باتیں ہوئی تھیں ان میں ایک حسرت تھی۔ قادر بخش کے لئے ایک ٹیکسی خریدنے کی حسرت، بچے کے لئے بہتر زندگی کی حسرت۔ میں نے حلوہ پوری کا ناشتہ کرتے ہوئے قادر بخش سے کہا۔

''قادر بھیا یہ تکلیفیں میرے لئے کی جا رہی ہیں نا۔''

''کونسی تکلیفیں بہن صاب۔''

''یہی.....''

''ارے کیسی باتیں کرتی ہیں آپ، اب آپ کا بھائی اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہے کہ اپنی بہن کو حلوہ پوری کا ناشتہ نہ کرا سکے۔''

''ایک بات کہوں قادر بھائی، بہنیں بھی کسی سے کم نہیں ہوتیں۔ آپ کی کوئی بہن تھی۔''

''نہیں.....کبھی نہیں تھی۔''

''میرا بھی کوئی بھائی نہیں تھا۔ میں بھی تھا کی بات کر رہی ہوں.....میرا مطلب یہ ہے کہ اب اللہ نے مجھے بھائی دے دیا ہے۔''

''بہت بڑی بات ہے بہن صاب.....اصل میں بات یہ ہوتی ہے کہ بندہ جب نیک نیتی سے کسی چیز کے بارے میں سوچتا ہے تو اللہ بھی اس کی مدد کرتا ہے۔ آپ یقین کرو بہن صاب آپ کے لئے ہمارے دل میں بس ایک بھائی کا جذبہ ابھرا تھا۔ سو ہم نے آپ کو بہن صاب کہہ دیا۔ اس میں نا کوئی کاروباری بات تھی نا کوئی اور ایسا خیال کہ آپ ہمیں کرائے سے زیادہ پیسے دو گی یا کچھ اور.....''

''نہیں بھیا میں جانتی ہوں۔ میں بھی بے وقوف نہیں ہوں، انسانوں کو سمجھنا آتا ہے مجھے۔''

''بس بہن صاب یہی ایک بات تھی جس نے آپ کو ہمارے لئے دوسروں سے

الگ تھلگ کر دیا اور ہم نے آپ کو اپنی بہن مان لیا۔''

''قادر بھائی ایک کام کروں گی میں، جب بات بھائی بہن کی ہے نا تو پھر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ بہنیں بھی بھائیوں سے اپنی باتیں منوانا جانتی ہیں۔''

''آپ حکم کرو میں بھائی بن کر دکھاؤں گا۔'' قادر بخش نے کہا۔

''اور اگر میں کہوں کہ میں بہن بن کر دکھاؤں گی تو آپ نہیں مانیں گے یہ بات۔'' قادر بخش ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

''کیوں نہیں مانوں گا۔''

''بس تو پھر ایک بات سمجھ لیجئے یہ جو چھوٹو ہے نا یہ میرا بھتیجا ہے اور یہ جو رحمانی ہے نا یہ میری بھابھی ہے۔ مجھے سارے رشتوں کے بارے میں معلوم ہے۔''

''اب میں آپ سے ایک بات ضرور پوچھوں گا جب آپ اتنی عزت دے رہی ہو اپنے بھائی کو آپ یقین کرو بہن صاب میں نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ قدرت مجھے ایسی کوئی بہن دے گی جو اتنی پیاری اتنی خوبصورت، اتنی بڑی حیثیت کی مالک ہوگی اور جب اللہ نے مجھے یہ سب کچھ دے دیا ہے تو میں اس کا شکر بھی ادا کرتا ہوں آپ سے میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اگر آپ برا نہ مانو میں ہاتھ جوڑتا ہوں، بات اگر میری اوقات سے بڑی ہو جائے تو آپ یہ سمجھ کر مجھے معاف کر دیں کہ چھوٹا آدمی ہوں زیادہ اونچا جانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن یہ خواہش ہر انسان کے دل میں ضرور ہوتی ہے کہ اگر کسی سے اتنی محبت ہو جائے تو اس کے بارے میں کچھ معلومات بھی ہو۔''

میں بھی اس شخص سے بہت مخلص ہوگئی تھی کیونکہ یہ واحد آدمی تھا جس نے بے لوث مجھے اپنا گھر دے دیا تھا اور وہ بھی ایسے لمحات میں جب میرے دشمن چاروں طرف میری گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ قادر بخش کو اس سلسلے میں اطلاع دینا ضروری تھا۔ میں نے کہا۔

''قادر بھائی بڑی عجیب کہانی ہے میری۔ آپ نے حسین نگر کے بارے میں سنا ہے۔''

''نہیں کیا ہے یہ؟''

''یہیں کا ایک علاقہ ہے۔ میرے والد وہیں کے رہنے والے ہیں اور میرا پورا خاندان وہیں آباد ہے۔ میرے والد کو ان کے بھائیوں نے گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ لندن میں جا کر آباد ہوگئے۔'' میں نے ایک ایک لفظ کر کے پوری کہانی قادر بخش کو سنا دی۔ رحمانی اور قادر بخش منہ پھاڑے میری یہ داستان سن رہے تھے۔ ان لوگوں کے لئے تو یہ واقعی ایک طلسمی کہانی تھی۔ میرے دل کی بھڑاس بھی نکل رہی تھی اور میں یہ احساس بھی نہ کر سکی تھی کہ اپنی کہانی سنانے کے دوران میری آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گر رہے ہیں۔ قادر بخش اور رحمانی کے چہرے پر بھی نم کے آثار تھے۔ اچانک ہی قادر بخش جذباتی ہوگیا۔ وہ بے اختیار آگے بڑھا اور اس نے میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر اس کی جذباتی آواز ابھری۔

''نہیں بہن بھائی ہے نا تیرے لئے۔ سو بار مر جائے گا سو بار جان دے دے گا۔ فکر کیوں کرتی ہے۔ تمہارے ابو ہیں میں اپنے باپ کو تلاش کروں گا۔ بھائی بن کر دکھاؤں گا تجھے ..... نہیں بہن بہنیں جب روتی ہیں نا تو بھائیوں کے دلوں میں ان کا ہر آنسو سوراخ بنا دیتا ہے۔ میں دیکھ لوں گا ایک ایک کو..... ایک ایک کو دیکھ لوں گا میں۔''

مجھے سچ مچ ایک نئے لمس کا احساس ہوا تھا۔ میں اس لمس سے ساری زندگی نا آشنا رہی تھی۔ میں نے کہا۔

''مجھے یقین ہے بھائی۔'' جیسے ہی میں بولی قادر بخش ایک دم اچھل کر پیچھے ہٹ گیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے رحمانی اور اپنے بچے کو دیکھا اور پھر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر گردن جھکا کر بولا۔

''بہن ..... بہن کوئی غلطی ہوگئی تو معاف کر دینا پر میں نے جو کچھ بولا سچ ہی بولا ہے۔ میں نے صرف کہانیاں ہی سنی ہیں خون کی، بہن میں بہت بڑی بڑی باتیں کرنا نہیں جانتا جاہل آدمی ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں خون تو سب کا خون ہی ہوتا ہے، ہوتی ہوں گی اس میں محبت اور چاہت ..... پر میرے دل میں بھی تمہارے لئے اب یہی خیال ہے کہ بے شک ہم دونوں ایک ماں کے شکم میں نہیں رہے پر ہم ایک ہیں۔''

''پکی بات۔'' میں نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لئے کہا۔

''ہاں بہن..... کاش کوئی اور ایسا ذریعہ بھی ہوتا جس سے دلوں کی بات کا یقین دلایا جاسکتا۔''

''میرا بھائی تو بہت اچھی باتیں کرتا ہے بھابھی۔'' میں نے رحمانی سے کہا۔ رحمانی بھی رو رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''نہیں ہمارا کوئی بھی نہیں ہے اس دنیا میں پرہم سچے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ قادر بھائی ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں میں آپ سے۔''

''بولو بہن اپنے بھائی کو حکم کرو۔'' قادر بخش نے پورے خلوص سے کہا۔

''دیکھیں قادر بھائی میرا بھی واسطہ زندگی میں ایسے واقعات سے نہیں پڑا لیکن جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا میں نے یورپ میں وقت گزارا ہے، تھوڑی بہت تعلیم بھی حاصل کی ہے..... میرا مطلب صرف اتنا سا ہے کہ اب مجھے مجبوراً ان لوگوں کے لئے دوسرے انداز میں سوچنا پڑے گا۔ قادر بھائی آپ جذبات سے کام نہیں لیں گے یعنی میرے لئے کسی آگ میں کودنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ جب کہیں میں بے بس محسوس کروں گی اپنے آپ کو تو آپ کا ہاتھ پکڑ لوں گی اور کہوں گی کہ آیئے قادر بھائی میرے لئے یہ کیجئے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں بہن صاب۔ آپ یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں بال بچوں والا آدمی ہوں، کسی مشکل میں نہ پڑوں۔ لیکن ایک بات میں بھی آپ کو بتائے دیتا ہوں مجھے بھی زندگی میں پہلی بار بہن ملی ہے اگر میں کہیں یہ بات دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کوئی مشکل ہے تو پھر میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔''

''وہ بالکل الگ بات ہے لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرا واسطہ جن لوگوں سے ہے وہ باقاعدہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ مجھے ان کی سطح پر سوچنا پڑے گا اور مزید میری یہ بات سن لیجئے آپ کہ کسی بھی مسئلے میں اگر آپ نے مجھ سے گردن ہلائی اور کہا کہ نہیں آپ کی

غیرت یہ چیز قبول نہیں کرتی تو خدا کی قسم آپ کو دھوکا دے کر چپ چاپ نکل جاؤں گی۔ اور دوبارہ کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گی۔'' قادر بخش اور رحمانی کا منہ حیرت سے کھل گیا وہ غالباً میری بات نہیں سمجھے تھے میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

دیکھیں قادر بھائی آپ کو ساری باتوں کا اندازہ ہو چکا ہے۔ مجھے نا دولت چاہئے نہ اپنی جائیداد اور نہ زمینیں۔ مجھے صرف اپنا باپ چاہئے۔ میں ان میں سے ایک ایک کو زندہ دفن کردوں گی۔ اگر کسی نے میرے باپ کو کوئی نقصان پہنچایا ہوگا تو اور اس کے لئے میں ہر مجرمانہ قدم اٹھاؤں گی۔ آپ نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ کا جو دل چاہے کیجئے گا۔ میرے پاس کافی رقم پڑی ہوئی ہے قادر بھائی وہ میرے لئے بے کار ہے۔ میں یہ چاہوں گی کہ اس سے آپ میری بھابھی اور میرے بھتیجے کے مستقبل کے لئے غور کریں گے''۔

''یہ رقم بیچ میں کہاں سے آ کودی۔'' قادر بخش نے حیرت سے منہ پھاڑ کر کہا.....

''بس جب ساری باتیں ہو رہی ہیں تو یہ بات بھی ہے اور آپ اس کے سلسلے میں زیادہ سوالات نہیں کریں گے مجھ سے اور وہی کریں گے جو میں چاہوں گی اور قادر بھائی ایک بات اور اب آپ کو بتا دوں، میں نے خدا کی قسم کھائی ہے اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں خاموشی سے یہاں سے روپوش ہو جاؤں گی۔''

''مگر بابا بھائی بہنوں سے رقم نہیں لیتے۔''

''مگر بہنیں جو جذبے اپنے دل میں رکھتی ہیں ان کی تکمیل بھی چاہتی ہیں۔''

''خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی آپ بتاؤ آپ کا کیا ارادہ ہے۔''

''آپ کو پوری تفصیل بتا چکی ہوں۔ اب آگے کا پروگرام بھی بتائے دیتی ہوں۔'' میں نے کہا۔ نجانے کیوں دل کو ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ واقعی باپ کے بعد بھائی ہی ہوا کرتے ہیں جو بہنوں کی پشت پر دیوار بن جاتے ہیں۔ یہ سادہ لوح شخص مجھے ایک سچا بھائی نظر آیا تھا۔

قادر بخش سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''آپ نے مجھے بتایا نہیں۔''

''کافی تفصیل تو آپ کو بتا چکی ہوں۔ میرے سامنے کچھ سوالات ہیں۔''

''کیا کیا۔''

''میرے دشمن۔ یوں تو حسین آباد میں میرے بہت سے رشتے دار ہیں۔ ان میں کون میرے دشمن ہیں کون دوست۔ مجھے نہیں معلوم۔''

''میرے جو دشمن سامنے ہیں۔ ان میں راؤ حیات اللہ، اشتیاق اور میری تائی صاحبہ ہیں۔ پہلے میں ان سے نمٹنا چاہتی ہوں۔''

''قادر بخش سوچ میں ڈوب گیا۔ دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔''ایک بات میں آپ کو بولوں بہن صاب۔''

''ضرور قادر بھائی۔ بولیں کیا بولتے ہیں آپ۔''

''دیکھو بہن صاب آپ بہت سمجھدار ہو۔ باہر کا ملک میں رہتے ہو۔ ادھر کے لوگ کا دماغ بہت بڑا ہے۔ قادر بخش تو ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ پر ایک بات بولوں میں آپ کو ہم ٹیکسی ڈرائیور لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہوتے کیونکہ ہمارا واسطہ ہر طرح کے لوگ سے پڑتا رہتا ہے اور ہم انہیں زندگی گزارتے دیکھتے ہیں، ان سب کے مسائل الگ الگ ہوتے ہیں۔ بہن صاب ان لوگ سے تھوڑا بہت تجربہ ہمیں بھی مل جاتا ہے۔ میں آپ کو یہ بولتا ہوں کہ آپ بے شک جو کچھ بھی کرو لیکن آپ کو صحیح بات اپنے خاندان والوں سے معلوم ہوگی۔ سارے ہی سارے آپ کے ابو کے دشمن نہیں ہوں گے، خاص طور سے آپ کی پھوپھیاں بھائی تو خیر غلط ہو جاتے ہیں، بہنوں کے دل میں پھر بھی محبت رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی آپ کو صحیح بات بتائے۔ لیکن ایک بات اور بھی بولوں میں آپ کو ابھی آپ اپنے ان دشمن لوگ کو دیکھو یہ جو کچھ کرتے ہیں پہلے ان کا خبر لو۔ بہن صاب اس کے بعد آپ کو اپنے سارے رشتے دار لوگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی اور ان میں سے کوئی بندہ ضرور ٹھیک نکل آئے گا جو آپ کو صحیح خبر دے گا اگر آپ اپنے سفارتخانے کا بات کرتے ہو اور ادھر جاتے ہو تو بے شک وہ لوگ آپ کا

قانونی مدد کریں گے، آپ کے اوپر قتل کا جو الزام ہے وہ بڑا خراب ہے کیونکہ کسی بھی ملک کا سفارتخانہ کسی ایسے قاتل کی کوئی مدد نہیں کرسکتا جس نے دوسرے ملک میں قتل کیا ہو۔ یہ ساری باتیں مجھے اخبارات سے معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ اخبار میں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ تو میں آپ کو یہ بولتا ہوں کہ پہلا بات تو یہ کہ جس طرح راؤ حیات اللہ نے اپنے بندے سفارتخانے پر لگا رکھے تھے اس نے یہ سوچا تھا کہ آپ سفارتخانے ضرور جاؤ گی صرف راؤ حیات اللہ ہی نہیں بلکہ میرا تو خیال ہے آپ کا تائی صاب اور وہ دوسرا کزن وہ لوک بھی آپ کو سفارتخانے میں ضرور تلاش کرے گا۔ ادھر کا خیال چھوڑ دو اپنی لڑائی خود لڑنی پڑتی ہے، اپنی لڑائی آپ خود لڑو آپ کا بھائی آپ کے ساتھ ہے۔ میں نے بھی کبھی بہن نہیں دیکھا، اب دیکھ رہا ہوں تو میرے دل میں بھی بہت سی باتیں آتی ہیں کیوں رحمانی تم کیا بولتی ہو۔''

''بالکل ٹھیک کہتے ہو قادر بخش، بندہ یا تو کوئی رشتہ قائم ہی نہ کرے۔ ہزاروں جھگڑوں سے نجات ملی رہتی ہے۔ جتنے رشتے اتنی ہی خرابیاں، لیکن اگر رشتہ قائم کرلے تو پھر اسے نبھائے۔ میں تمہارا بیوی ہوں پر میں تمہارے کو بولتی ہوں شرمین کا پورا پورا مدد کرو۔ یہ میری نند ہے۔'' کچھ اس طرح کہا تھا رحمانی نے یہ جملہ کہ میرا دل بھی بھر آیا۔ اچھے لوگ مل گئے تھے اور اپنے ہم وطنوں سے ساری شکایتیں دور ہوگئی تھیں میری۔ میں نے رحمانی کو گلے لگا لیا۔ قادر بخش مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''بہن اب میرے کو بولو تمہارا پہلا ارادہ کیا ہے۔''

''بھائی قادر بخش وہ عورت میری تائی تو نہیں ہوسکتی۔ کسی بھی قیمت پر نہیں ہوسکتی چونکہ جب اشتیاق وہاں آیا تھا اور اس نے اس سے باتیں کی تھیں تو مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ تائی وغیرہ نہیں ہیں اور پھر اس کی عمر بھی ایسی نہیں تھی۔ لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ ہمارے لئے بڑے کام کی ثابت ہوسکے گی۔ اس نے مجھے قید کرلیا تھا لیکن اس کی دماغی پہنچ کا اندازہ اس بات سے لگا لو ایک بار تو اس نے بڑی زبردست مہارت کا ثبوت دیا تھا اور مجھے مسہری کے نیچے سے پکار لیا تھا لیکن دوبارہ اس نے یہ نہیں سوچا کہ میں اسی

مسہری کے نیچے جاسکتی ہوں۔'' قادر بخش ہنس پڑا پھر بولا۔

''اسی کو بولتے ہیں کہ چراغ تلے اندھیرا یا پھر بغل میں بچہ شہر میں ڈھنڈورا، تو آپ اس کے پاس جاؤ گے۔''

''ہاں! میں اس سے معلومات حاصل کروں گی۔''

''کب جانا ہے؟''

''شاید آج ہی رات۔ اگر وہ نہ بھی ملی تو میں اس کے گھر کی تلاشی لوں گی۔ اس الماری کا تالا توڑوں گی جس میں وہ کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ مجھے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ وہاں سے ضرور ملے گا۔''

''ٹھیک ہے میں تمہیں ادھر لے جائے گا۔''

''قادر بخش دیکھو.....''

''دیکھو بہن صاب ایک بات میں بولوں آپ کو آپ یہی بولے گا نا کہ وہاں آپ کو یا مجھے کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے۔ بہن صاب آپ کو اگر اکیلا چھوڑ دوں گا میں تو کیا میرا دل میرے کو معاف کردے گا۔ ایسا بات مت بولو آپ کو خدا کا قسم ایسا بات مت بولو۔ میں بھائی ہے آپ کا۔ آپ کی ہر مشکل میں شریک ہے۔ اگر ضرورت پڑا تو میں حسین نگر آپ کے ساتھ جاؤں گا اور ساری معلومات حاصل کروں گا۔''

میرے دل کو بڑی تقویت کا احساس ہوا تھا، مجھے لگا تھا کہ واقعی اب میں یہاں تنہا نہیں ہوں۔ بہرحال اس کے بعد میں اپنے طور پر منصوبہ بندی کرنے لگی تھی۔ قادر بخش سے میں نے جس دولت کی بات کی تھی اس کا ایک ذرہ بھی میرے پاس نہیں تھا لیکن میرے ذہن میں وہ تجوری ضرور تھی جو میں نے اس گھر میں دیکھی تھی۔ اس میں بہت کچھ تھا اور اسی کے بل پر میں نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی۔ بہرحال یہ جذبے ہر سینے میں ہوتے ہیں جو لوگ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں انہیں کبھی کامیابی نہیں حاصل ہوتی اور وہ مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ اگر کوئی تمہارے لئے کچھ کرتا ہے تو اس کے پہلے عمل کے بعد تم پر یہ فرض عائد ہوجاتا ہے کہ تم بھی اس کے بارے میں بہتر انداز میں سوچو اور

اس کی مشکلات پر خود نگاہ دوڑاؤ۔ یہ گھرانا بظاہر پرسکون تھا لیکن دلوں میں جو کچھ پلتا ہے جو آرزوئیں آہستہ آہستہ سسکتی رہتی ہیں ان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔

رات کو میں تیار ہوگئی۔ آج مجھے بہت سے کام کرنے تھے۔ یہاں اس چھوٹے سے گھر میں میرے لئے ایک جگہ بنا دی گئی تھی اور مجھے وہاں اپنے لئے بہت سے انتظامات بھی کرنے تھے۔ آج کی رات انہی کیفیتوں کی حامل تھی۔ قادر بخش بھی اس طرح تیار ہوگیا تھا جیسے کوئی مہم جو کسی مہم پر جانے کی تیاریاں کرتا ہے اور اس کے بعد میں نے اسے ساری تفصیلات سمجھا دی تھیں۔

ہم لوگ ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ قادر بخش نے مجھے بتایا۔

''میں نے ایک کام کیا ہے۔''

''کیا؟''

''آپ یہ دیکھو'' اس نے مجھے تین اسٹیکر دکھائے۔ ان پر نمبر لکھے ہوئے تھے۔

''یہ کیا ہے؟''

''ٹیکسی کا نمبر پلیٹ۔''

''کیا مطلب؟''

''اس وقت ٹیکسی کی اصلی نمبر پلیٹ پر ایک اسٹیکر لگا ہوا ہے اور ٹیکسی کا نمبر بدل گیا ہے۔ اگر کوئی اس ٹیکسی کو دیکھ لے تو اس کو وہی نمبر پلیٹ ملے گا جو اس وقت اس اسٹیکر کی شکل میں لگا ہوا ہے۔ اس طرح وہ اگر کسی کو اطلاع دے گا تو یہ نمبر بتائے گا جو اس وقت اس اسٹیکر پر لگا ہوا ہے۔ میں ادھر سے نکلنے کے بعد فوراً اسٹیکر بدل دوں گا اس طرح ہم دشمن کو دھوکا دے دیں گے۔''

''ارے باپ رے قادر بخش تم استاد ہو۔''

''عقل کا کام کرنا پڑے گا بہن صاب، دشمن کو دھوکا دینا ہے۔ یہ کئی نمبر میں نے بنوا لیا ہے۔ ابھی ہم لوگ بھی سڑکوں پر نکلتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔''

''ویری گڈ.....زبردست عقل کا کام کیا ہے تم نے۔ ویسے قسم خدا کی قادر بخش میں

نے کبھی کسی جرم کے بارے میں نہیں سوچا مگر اب یہ بتاؤ کہ دنیا جب پینے پر آمادہ ہو جائے تو آخر انسان کیا کرے۔''

''مقابلہ کرے بھائی بہن مقابلہ کرے۔'' قادر بخش نے فخریہ کہا اور میں ہنسنے لگی۔

آخر کار ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں وہ عمارت واقع تھی۔ میں پوری طرح تیار تھی۔ ان لوگوں نے بھی کام دکھایا تھا۔ یعنی اینٹوں کا وہ ڈھیر وہاں سے ہٹوا دیا گیا تھا جہاں سے اس کے ذریعے اندر داخل ہوا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اور کوئی ایسی علامت نظر نہیں آئی جس سے یہ احساس ہوتا کہ وہ لوگ محتاط ہو گئے ہیں۔ ویسے بھی بس یہ ایک رسک ہی تھا کیونکہ ہوسکتا ہے میڈم نامی وہ عورت وہاں موجود نہ ہو لیکن میرے پاس دوسری سوچیں تھیں یعنی وہ تجوری جس میں سے مجھے ایک معقول رقم نکالنی تھی۔

میں نے اس جگہ سے اندر داخل ہونا مناسب سمجھا جہاں سے اس دن میں نے واپسی کا سفر اختیار کیا تھا۔ جوڈو کراٹے ماسٹر ہونے کی حیثیت سے میں آسانی سے وہ دیوار عبور کر گئی جو عام لوگوں کے لئے اتنی آسان نہیں تھی۔ اس کے علاوہ میں نے یہ بھی خیال رکھا تھا کہ ممکن ہے کہ کوئی اور کتا وہاں آ چکا ہو۔ پچھلی بار جس خطرناک کتے کو ہلاک کیا تھا، اس کی ہلاکت آسان کام نہیں تھی۔ بس میں نے اپنی مہارت سے کام لیا تھا اور کتے کے وار کو ناکام قرار دے دیا تھا۔

میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتی ہوئی آخر کار عمارت کے اندر داخل ہو گئی۔ پھر ایک الگ احساس سے واسطہ پڑا، میری چھٹی حس نے مجھے بتایا کہ آج عمارت میں ایک سے زیادہ افراد موجود ہیں۔ میں پوری طرح محتاط ہو گئی۔ نظر تو کوئی نہیں آیا تھا لیکن ہلکی ہلکی باتیں کرنے کی بھنبھناہٹ میرے کانوں میں گونجی تھی۔ ان لوگوں کو دیکھنے کی خواہش دل میں ابھری لیکن میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ وقت سے پہلے یہاں کے لوگ ہوشیار ہو جائیں۔ اب جو ہوگا بعد میں دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے اسی کمرے کا رخ کیا جس میں میری ملاقات میڈم سے ہوئی تھی۔ یہ کمرہ کافی وسیع و عریض تھا۔ شیشوں سے اندر جھانکنے پر یہ بھی پتا چل گیا کہ میڈم اندر موجود ہے اور اسی مسہری پر سو

رہی ہے جو میری مددگار بنی تھی۔ اندر داخل ہونے کا معاملہ تھا اور ایک دلچسپ صورتحال سامنے آئی تھی وہ یہ تھی کہ دروازے کے عین سامنے دوسری طرف وہ کھڑکی موجود تھی جس کا شیشہ میں نے توڑ دیا تھا۔ غالباً نیا شیشہ لگوانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ویسے بھی ٹائم زیادہ نہیں گزرا تھا اس وقت کھڑکی کا پردہ بھی ہٹا ہوا تھا غالباً نیا شیشہ لگوانے کے لئے شیشے والے کی خدمات حاصل کی گئی ہوں گی اور وہ ناپ وغیرہ لے کر گیا ہوگا۔ بس انسان ایسی ہی غلطیوں کا پتلا ہے۔ چالاک بنتا ہے تو اس طرح کہ جیسے اس سے زیادہ چالاک شخص روئے زمین پر دوسرا نہ ہو اور بے وقوفیاں کرتا ہے تو ایسی کہ پتا چلے کہ اس سے بڑا بے وقوف اور کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے اینٹیں وغیرہ ٹھیک کرا دی تھیں، سارے کام دیکھ لئے تھے، لیکن کھڑکی کا شیشہ فوری طور پر نہیں لگوایا گیا تھا۔ وہ کھڑکی بڑے آرام سے مجھے اندر جانے کی دعوت دے رہی تھی۔ چنانچہ میں دبے پاؤں بلی کی طرح چلتی ہوئی کمرے کے عقبی حصے میں پہنچ گئی اور پھر میں نے کھڑکی کی چوکھٹ پر ٹٹول کر دیکھا کہ وہاں شیشوں کے ذرات تو نہیں ہیں۔

☆.....☆.....☆

.....

یہاں بھی تقدیر نے میرا ساتھ دیا تھا۔ کھڑکی کی صفائی وغیرہ کردی گئی تھی اور شیشہ لگانے والا اس کی صفائی کرنے کے بعد ہی شیشے کا ناپ لے کر گیا تھا۔ میں نے کھڑکی پر ہاتھ جمائے اور میرا بدن اوپر اٹھنے لگا اور کچھ ہی لمحوں کے بعد میں کھڑکی کی دوسری طرف کود گئی۔ میں پوری طرح محتاط تھی کیونکہ اس عورت کے بارے میں اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بہت تیز و طرار اور پھرتیلی عورت ہے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ چنانچہ میں مطمئن ہوگئی اور اب میں سوچ رہی تھی کہ آغاز کس طرح کیا جائے۔ وہ تجوری بھی میری نگاہوں میں تھی جس میں لگی ہوئی ہتھکڑی کو میں نے توڑ دیا تھا۔ بظاہر تو اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ تجوری سے رقم ہٹا دی گئی ہوگی اگر انہیں اس بات کا ذرا بھی اندیشہ ہوتا کہ میں دوبارہ وہاں آسکتی ہوں تو یقینی طور پر دوسرے انتظامات بھی کئے گئے ہوتے۔ چنانچہ صورتحال پوری طرح میرے قبضے میں تھی۔ میں آہستہ آہستہ اس کی مسہری کے قریب پہنچ گئی۔ پچھلی بار تو مجھے اندازہ تھا اس مسہری کے تکیے کے نیچے پستول ہوا کرتا تھا اور سونے والی عورت کے بارے میں مجھے یہ بھی اندازہ تھا کہ وہ بہت احتیاط کرتی ہے۔ بہرحال میں نے پستول تلاش کرلیا اور اس کے بعد میں نے پستول کے چیمبر خالی کئے۔ میری تیز نگاہیں عورت کا جائزہ لے رہی تھیں اور میں نے کامیابی سے آج اپنا کام کیا تھا۔ پستول کو واپس اس کی جگہ رکھ کر میں مطمئن ہوگئی اور اس کے بعد میں نے سوئچ بورڈ پر بٹن

دبا دیا اور کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔ لیکن روشنی کے ساتھ ہی وہ بھی جاگ گئی۔ بلاشبہ شاندار عورت تھی اس نے مجھے دیکھا اور سانپ کی طرح پلٹ کر اس نے پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دو تین بار آنکھیں بھینچ کر اپنی آنکھوں کی کیفیت بحال کی اور اس کے بعد پھنکارتی ہوئی آواز میں بولی۔

''تم پھر آ گئیں۔''

جواب میں میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

''جی میڈم آپ ایسی پرکشش خاتون ہیں کہ آپ کے پاس بار بار آنے کو دل چاہتا ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے تم مجھے مجبور کررہی ہو کہ میں تمہارا خون کردوں۔ کیا چاہتی ہو مجھ سے؟''

''سب سے پہلے معافی چاہتی ہوں آپ سے کہ دوبارہ آپ کی نیند خراب کی۔ لیکن آج آپ کو میری تھوڑی سی مدد کرنا ہوگی۔''

''تمہارے باپ کی نوکر ہوں نا میں۔ اس دن تو خیر جو کچھ ہوا وہ ہوا ہی تھا لیکن اب میرے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ تمہیں سب دوں۔''

''آہا..... میں خود بھی آپ سے کچھ سیکھنا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے..... یہ لو۔'' اس نے کہا اور میری پنڈلی کا نشانہ لے کر فائر کردیا۔ ریوالور سے ایک مضحکہ خیز آواز نکلی اور گولی نہیں نکلی۔ میں اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کئی بار ٹریگر دبا دیا اور اس کے بعد حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی۔

''گڈ۔ آپ نے اپنا ریوالور مجھ پہ خالی کردیا میڈم۔ اگر اس میں گولیاں ہوتیں تو میرا کیا ہوتا گویا اپنی دانست میں آپ نے مجھ سے میری زندگی چھین لی اس لئے اب آپ مکمل طور پر میری دشمن بن گئی ہیں اور مجھے حق حاصل ہوگیا ہے کہ میں جو سلوک آپ کے ساتھ چاہوں کروں۔''

''کیا سمجھتی ہے تو کتیا۔ مجھے جانتی نہیں ہے ورنہ تیرے ہوش درست ہوگئے

ہوتے۔''

''ٹھیک ۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے ہوش درست کردیں۔ بدقسمتی سے میرے ہوش ہی تو آج تک درست نہیں ہوسکے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے جس طرح اپنے پیروں کے پنجوں کو زمین پر دبایا اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ مارشل آرٹس جانتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد وہی ہوا۔ اس نے اپنے بدن کو پنجوں پر سادھ کر میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ لیکن بیوقوف یہ نہیں جانتی تھی کہ اپنے کلب میں میرا بہت بڑا مقام تھا۔ میں نے اپنے جسم کو ہلکا سا موڑا اور اس کے بعد اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ پھر یہ ہاتھ مضبوطی سے اس کی گردن میں ڈال کر میں نے اس کی کمر پر ہاتھ ٹکایا اور اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اچھے خاصے تن و توش کی عورت تھی اور کوئی لڑکی تو لڑکی میرا خیال ہے کوئی مرد بھی اسے آسانی سے اٹھا کر زمین پر نہیں مار سکتا تھا۔ لیکن یہ داؤ ایک مشہور ریسلر کا تھا اور میں نے اس کو ذہن میں رکھ کر یہ داؤ اس پر مارا تھا۔ بے شک نیچے قالین بچھا ہوا تھا اور وہ کافی زور سے زمین پر گری تھی۔ میں نے اس کی پنڈلی پر اپنا پاؤں رکھا اور اس کے حلق سے ایک آواز سی نکل گئی لیکن اس نے فوراً ہی لاک کال دی اور گھوم کر ایک میری پنڈلی پر مارا۔ لیکن اسے میری مہارت کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کے پاؤں پر اچھل کر اس کا یہ وار خالی کردیا اور دوبارہ اس کی پنڈلی پر آ گئی۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی تو میں نے اس کے دونوں بازو نشانہ بنائے اور میرے بدن کا پورا زور اس کے بازوؤں پر آ گیا لیکن اس نے پیروں سے کام لیا اور میرے پیٹ کے گرد اپنے دونوں پاؤں پھنسا کر پوری قوت سے پیچھے دھکیلا لیکن میں الٹی قلابازی کھا کر سیدھی ہوگئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھی تو میں نے دونوں ٹانگیں جوڑ کر اس کے منہ پر ماری اور یہ ذرا ٹیڑھی ضرب تھی اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر جا پڑی لیکن تیز تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اچھا مقابلہ چل رہا تھا۔ اس نے ایک پلٹی کھائی اور ایک دم سے سیدھی کھڑی ہوگئی۔ اب وہ ایک لائٹ داؤ لگانے کے چکر میں تھی۔ بے وقوف عورت نے یہ داؤ بھی مجھ پر لگایا لیکن میں نے اس کے بازوؤں کو قینچی کی

گرفت میں لے کر اسے اٹھایا اور ایک بار پھر زمین پر دے مارا اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے لباس سے وہ چاقو نکال لیا جسے میں لے کر ساتھ آئی تھی اور اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوگئے تھے۔ یہ اندازہ تو اسے چند لمحوں میں ہوگیا تھا کہ اس کا مارشل آرٹس یا اس کی مہارت میرے سامنے بے کار رہی ہے۔ اور وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکی لیکن پستول کی ناکردگی اور اس کے بعد میرے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوگئے۔ میں نے جھک کر اس کے بال پکڑے اور پوری قوت سے اسے اٹھا لیا۔ پھر چاقو کی نوک میں نے اس کی گردن پر رکھی اور اس پر ہلکا سا دباؤ دیا تو اس کی کھال کٹ گئی اور خون کی بوندیں نکل کر اس کے سینے پر گرنے لگیں۔

''میں جانتی ہوں کہ تمہیں میرے بارے میں بہت کچھ بتا دیا گیا ہے۔ بے وقوف عورت میں نے تیری اور اشتیاق کی گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہے۔ اس لئے بننے کی کوئی کوشش بے مقصد ہوگی۔ میں تجھ سے کچھ سوال کرنا چاہتی ہوں۔ یہ جواب تجھے دینے ہوں گے ورنہ آرام سے تیری گردن کاٹ دوں گی۔ مجبوری ہے، میں نہ کوئی مجرمہ ہوں نہ قاتلہ لیکن اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے اور دشمنوں کی تعداد اتنی بڑھ چکی ہے کہ اگر اپنی زندگی بچانی ہے تو دشمنوں کی زندگیاں ختم کردی جائیں۔ چنانچہ پہلے تو چیخ پکار سے گریز کرنا۔ میں جانتی ہوں کہ باہر تمہارے آدمی موجود ہیں۔ دروازہ اندر سے بند ہے میں اس کھڑکی سے اندر آئی ہوں۔ پہلی بے وقوفی تم نے یہی کی ہے کہ تم نے فوراً اس کھڑکی کا شیشہ نہیں لگوایا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ تم نے مزید بے وقوفیاں بھی کی ہیں لیکن یہ ایک بڑی بے وقوفی ہے۔ بہرحال وہ اگر آ بھی گئے تو کم از کم میں تمہاری گردن پر چھری پھر دوں گی اور اس کے بعد کوئی دوسرا عمل کروں گی..... اٹھو اپنی جگہ سے اٹھو..... اٹھو.....''

میں نے چاقو سیدھا کیا تو وہ ایک دم سے بولی۔

''نہیں پلیز نہیں۔''

''آؤ۔'' میں اسے دھکیل کر ایک کرسی کی طرف لائی اور پھر میں نے اسے کرسی پر بٹھا دیا اور اس کے بعد چاقو کو اس کی نگاہوں کے سامنے لاتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے چہرے پر جگہ جگہ چاقو سے زخم لگاؤں گی۔ دیکھو اس چاقو کو اس کی نوک اگر تھوڑی سی ترچھی کر کے تمہارے گالوں پر پھری جائے تو یہ گوشت کو کھرچتی ہوئی نیچے آ جائے گی اور وہ نشان تم زندگی بھر نہیں مٹا سکو گی۔ کیا سمجھیں۔''

''نن..... نہیں پلیز ایسا مت کرنا۔'' وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

''ٹھیک ہے نہیں کروں گی لیکن اس کے لئے تمہیں تھوڑی سی قربانی دینی پڑے گی۔''

''سنو تم چاہتی کیا ہو آخر، جتنا مال و دولت درکار ہے تم اس تجوری سے نکال لو.....'' تجوری کی چابی بھی تکیے کے نیچے ہے اور سنو مجھے کوئی نقصان مت پہنچانا۔ میں.....''

''دیکھو..... تم پھر فضول باتیں کر رہی ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں ڈاکو نہیں ہوں۔ پہلے اور اب میں یہاں صرف کوئی اور چیز لینے آئی تھی۔ ہاں تم سے مجھے کچھ معلومات درکار ہیں اور تمہیں اس کے لئے زبان کھولنا پڑے گی۔''

وہ خاموشی سے میری صورت دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے کے نقوش بتا رہے تھے کہ وہ میرے سامنے نروس ہو چکی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ مارشل آرٹس کی ماہر بلیک بیلٹ وغیرہ ہو لیکن یہاں کم از کم میں یہ بات اس کی بیوقوفی ہی سمجھوں گی کہ اشتیاق کے بتانے کے باوجود اس نے اپنے آپ پر بھروسہ کیا اور اپنی حفاظت کا بندوبست نہیں کیا۔ اب وہ نروس ہو چکی تھی اور اس کی اپنی ذہنی اور جسمانی قوتیں جواب دے چکی تھیں۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سفاک لہجے میں کہا۔

''تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں، میرے ساتھ کیا ہوا ہے، سمجھ رہی ہو نا تم۔ پہلے تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کون ہو۔''

''مم..... میں..... میرا نام۔ میرا اصل نام سارہ ہے اور میں..... میں۔''

''ہاں! چلو چھوڑو۔ میں تم سے اشتیاق کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ اشتیاق کہاں رہتا ہے اس کا پتہ کیا ہے۔ وہ مجھے یہاں کہاں مل سکے گا۔''

''مم..... میں..... میں اس بارے میں کچھ.....'' اس نے جملہ پورا کرنا چاہا۔ مگر میں نے اسے جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔ میرے الٹے ہاتھ کا زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا اور اس کا چہرہ دوسری طرف گھوم گیا۔ نچلا ہونٹ بری طرح کچل گیا اور خون اس کی ٹھوڑی سے بہنے لگا۔ اس نے کسمسانے کی کوشش کی تو میں نے چاقو کی نوک اس کے شانے پر رکھ دی اور پھر ہلکے سے دباؤ کے ساتھ اسے نیچے تک کھینچ دیا۔ اس کی سفید جلد سے خون پھوٹ پڑا تھا۔ پتلا اور دلکش خون جس کی لکیر اس قدر خوبصورت بن گئی تھی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن وہ بری طرح چکرا گئی اس کی آنکھیں چڑھنے لگیں تو میں نے اس بار چاقو کی نوک اس کے سینے کے دوسرے رخ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''اپنے حسن کی تمام رعنائیوں سے محروم ہونے کی ابتداء کر چکی ہو تم کیا سمجھیں تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں اس وقت انسان نہیں جانور ہوں۔''

اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور اس کے حلق سے سسکیاں نکلنے لگیں۔ وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

''نہیں پلیز نہیں۔ تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو، میں اعتراف کرتی ہوں۔ مجھے زندہ رہنے دو۔ مجھے اس طرح ختم نہ کرو۔''

''زندہ رہنے کا طریقہ تم جانتی ہو، میرے تمام سوالات کا جواب دو۔'' میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ تکلیف سے سسکتی رہی۔ بار بار اس کی نگاہیں اپنے زخم سے ابلتے ہوئے خون پر پڑ رہی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔

''یہ تو نمونہ تھا اس کے بعد اگر تم نے کسی لفظ سے گریز کیا تو میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ زندگی بھر اس نقصان کا ازالہ نہیں کر سکو گی۔''

''اس نے خوفزدہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے اور بولی۔

''جتنا مجھے معلوم ہے میں بتا سکتی ہوں۔''

''ہوں، ٹھیک۔ اشتیاق کہاں رہتا ہے۔''

''خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم، اس کا تعلق حسین نگر سے ہے۔ میری اس سے دوستی

ہے۔ میں ایک فرم میں ملازمت کرتی ہوں۔ یہ کوٹھی نیرہ بیگم کی ہے، جو اشتیاق کی کوئی بہت ہی قریبی رشتہ دار ہیں۔ ویسے وہ کراؤن ہوٹل میں ملتا ہے شاید یہ ہوٹل اسی کی ملکیت ہے، لیکن وہ کسی کو بتاتا نہیں ہے۔ اکثر اس سے میری وہیں ملاقات ہوتی ہے۔ وہ مجھے بڑی بڑی رقمیں دیتا ہے۔ میں ایک کرائے سینٹر سے بلیک بیلٹ ہوں۔ لیکن تم نے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔''

''جب میں یہاں آئی تو اشتیاق نے مجھے میرے بارے میں کیا بتایا۔''

''تھوڑی سی تفصیل۔ یہی کہ تم اس کی کزن ہو، یہاں ایک بہت بڑی جائیداد ہے جس کا عظیم الشان حصہ تمہاری ملکیت ہے اور اگر تم نے اس کے لئے کلیم کر دیا تو وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے۔ وہ سب کے سب اسی جدوجہد میں مصروف ہیں کہ کسی طرح تمہارا خاتمہ کر دیں۔''

''میں بالکل نہیں جانتی، تمہیں میری بات پر یقین کر لینا چاہئے۔ اصل میں اشتیاق مجھے چاہتا ہے اور شاید مستقبل میں ہم لوگ شادی کر لیں۔ میں ذرا مختلف مزاج کی عورت ہوں۔ اس وقت میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی جب تم یہاں آئی تھیں اور تم نے میرے کتے کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس کے بعد تم میرے کمرے میں آئیں اور تم سے میں نے تجوری والا کھیل کھیلا۔ میں نے اشتیاق کو بلایا اور یہ چاہا کہ تمہیں اس کی تحویل میں دے دوں، تو وہ تمہیں دیکھ کر چونک پڑا اور اس کے بعد تم غائب ہو گئیں۔ لیکن وہ کافی پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے کہا کہ تمہیں ہر قیمت پر ان کے قبضے میں پہنچنا چاہئے۔''

''پھر اس کے بعد کیا ہوا؟''

''بس یوں سمجھ لو کہ وہ تمہیں ہر قیمت پر قتل کر دینا چاہتا ہے۔ مجھے بھی اس نے یہی ہدایت کی ہے کہ اگر کبھی دوبارہ تم میرے سامنے آ جاؤ تو میں تمہیں ہلاک کر دوں۔''

''اشتیاق کے بارے میں جو کچھ تم کہہ رہی ہو ٹھیک کہہ رہی ہو؟''

''ہاں! تم سے جھوٹ بولنا اب میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم اگر چاہو تو مجھے قتل کر سکتی ہو۔''

''لیکن تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔''

''میں نے کہا نا.....''

''نہیں بکواس مت کرو، تم ملازمت کرتی ہو۔''

''ہاں!''

''اور صرف تمہارا منصب یہ ہے کہ تم اشتیاق کی محبوبہ ہو۔ پھر یہ اتنی دولت تمہارے پاس کہاں سے آئی جو تجوری میں موجود ہے۔''

''یہ اشتیاق کی امانت ہے، یہ کوٹھی اسی نے مجھے دے رکھی ہے اور مجھے بہت ساری مراعات بھی۔ وہ مجھ پر بہت اعتماد کرتا ہے۔''

''گڈ اور تم یہ بتا چکی ہو کہ وہ کراؤن ہوٹل میں مل جاتا ہے۔ لیکن ڈیئر اب مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔ تمہاری دی ہوئی معلومات میرے لئے بے شک اطمینان بخش ہیں۔ لیکن تمہاری زندگی میرے لئے بالکل غیر اطمینان بخش ہے۔ دیکھو میں بے مقصد کسی کی جان لینا پسند نہیں کرتی، لیکن انسان جب خود برے حالات میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر انسانیت جیسی بہت سی باتیں اس کے ذہن میں نہیں آتیں۔ تمہیں قتل کر کے میں ہمیشہ افسردہ رہوں گی اور یہ بھی تمہیں بتا دوں کہ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا اور یہ میرا پہلا قتل ہوگا۔ میں یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتی لیکن کیا کیا جائے۔'' میرا لہجہ خود بخود سفاک ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ پھر وہ نیم بے ہوشی کی سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے بال پکڑے تو وہ کرب زدہ انداز میں چیخ پڑی۔''

''خدا کے لئے نہیں..... میں مرنا نہیں چاہتی، میں مرنا نہیں چاہتی۔ خدا کے لئے نہیں۔''

''میں بھی تمہیں مارنا نہیں چاہتی تھی..... لیکن میری مجبوری ہے۔'' میں نے چاقو کی دھار اس کی گردن پر رکھی تو وہ دہشت زدہ انداز میں کانپتی ہوئی بولی۔''

''دیکھو زندگی میں ایک بار، زندگی میں صرف ایک بار کسی کی زبان پر اعتبار کر لو۔ تم

مجھے اس لئے قتل کرنا چاہتی ہو نا کہ میں تمہارے بارے میں کسی کو کچھ بتا دوں گی۔ لیکن جو کچھ ہوا ہے میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ کسی اور ذریعے سے اگر کسی کو یہ واقعات معلوم ہو جائیں تو مجھ پر شک مت کرنا۔ میں تمہاری یہاں آمد اور ان تفصیلات کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ وعدہ کرتی ہوں مجھے صرف ایک بار زندگی دیدو۔ میں تمہیں اس احسان کا بدلہ دوں گی۔ کبھی کسی بھی مشکل میں پڑ جاؤ تو میرے پاس آ جانا، مجھ سے میری زندگی مت چھینو۔ میں نے تو ابھی اس دنیا کو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں ہے۔ دیکھو پلیز تم.....تم۔''

وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ بے شک یہاں آنے کے بعد حالات نے مجھے اس طرح دیوانہ کر دیا تھا کہ میں کچھ بھی کرنے پر مجبور ہو جاؤں ..... ارے میں کوئی جرائم پیشہ تھی۔ جرم کرنے اپنے ماں باپ کے وطن آئی تھی۔ کیا کیا نہیں ہوا میرے ساتھ ..... کرنے والے کوئی بھی تھے لیکن کسی نے میرا ساتھ دیا، کوئی ایسا تھا جس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا ہو۔ پھر میں کیوں کسی کے ساتھ رعایت کروں۔ لیکن اس احساس کے ساتھ ہی ایک محبت بھری آواز میرے کانوں میں اُبھری۔

''آپ کے لئے میرا زندگی حاضر ہے بہن صاب۔'' اور چاقو کا دباؤ خود بخود ہلکا پڑ گیا۔ میں ایک لمحے کے لئے اُلجھن کا شکار ہوگئی اور پھر میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے اگر اشتیاق نے تمہیں میرے بارے میں تھوڑی بہت تفصیل بتا دی ہے تو تمہیں یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میں اس قدر بدکار نہیں ہوں۔ لیکن ان کمبختوں نے میری زندگی کا مشن بنا دیا ہے اور میں نہیں جانتی کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ انہوں نے مجھ سے میرا باپ چھین لیا ہے۔ جائیداد اور دولت پر میں تھوکتی ہوں۔ لیکن میرا باپ تو مجھے واپس مل جانا چاہئے۔ بہرحال ممکن ہے میں ان لوگوں کے ہاتھوں ماری جاؤں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لوگ میرے ہاتھوں مارے جائیں۔ تم سے میں یہی کہوں گی کہ اس سلسلے میں فریق نہ بنو۔ باقی سب کچھ میں کرلوں گی۔''

''وعدے پر یقین کر سکتی ہو تو یقین کرلو۔ یہ ملاقات میرے سینے میں رہے گی۔ تم

سے میری دوسری ملاقات ہوئی ہی نہیں لیکن ایک بات میں تم سے کہہ دوں تم اسے اگر مان سکو تو مان لینا۔''

''کیا؟'' میں نے کہا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر بولی۔

''دیکھو میں مارشل آرٹس میں بلیک بیلٹ ہوں اس سے پہلے میں اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتی تھی اور میرا خیال تھا کہ کوئی ایک فرد مجھے زیر نہیں کر سکتا لیکن تم نے مجھے یہ سکھا دیا ہے کہ انسان کسی بھی جگہ آخری چیز نہیں ہوتا۔ میرا نام سارہ ہے، کون ہوں، کیا ہوں اس بات کو چھوڑ دو لیکن ایک پیشکش کرنا چاہتی ہوں۔''

''بولو۔''

''میں تمہارے ساتھ مکمل طور پر تعاون کروں گی۔ تم اگر چاہو تو مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔ اشتیاق جس طرح کا انسان ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں اُسے۔ وہ مجھ سے کھیل رہا ہے اور یہ بات بھی میرے علم میں ہے۔ میں تمہارے ساتھ تعاون کروں گی۔ اور اگر آگے کوئی مسئلہ ہوا تو میں تمہاری مدد کروں گی۔'' میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

''کیا تمہارا نام واقعی سارہ ہے۔''

''ہاں واقعی میرا نام سارہ ہے۔''

''ڈیئر سارہ میرا خیال ہے تم ذہانت سے کام لے رہی ہو۔ مجھے اس طرح رابطے کی پیشکش کر کے تم میرے آئندہ کے معاملات سے واقف ہونا چاہتی ہو۔ دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ میں ایک سیدھی سادی لڑکی تھی۔ لندن میں رہتی تھی۔ میرے پاپا مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ میری ماں مر چکی تھی۔ پاپا لندن آتے جاتے رہتے تھے۔ میں اپنی ایک آنٹی کے ساتھ رہتی تھی۔ پھر اچانک پاپا کا رابطہ مجھ سے ٹوٹ گیا۔ دیکھو جس کی ماں نہ ہو اور صرف باپ ہو۔ تم اس کی بے بسی کو شاید محسوس نہ کر سکو۔ میں صرف اپنے باپ کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ لیکن یہاں قدم رکھتے ہی مجھ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور اس طرح کا سلوک ہوا میرے ساتھ کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔

بڑا عجیب سا کھیل ہوا ہے میرے ساتھ۔ کیا بتاؤں تمہیں۔''

''یقیناً ایسا ہوا ہوگا۔ تقدیر کبھی کبھی اس طرح انسان کو ملیا میٹ کر دیتی ہے۔ میں بھی ایسے ہی مشکل حالات کا شکار ہوں بلکہ اب نہیں ہوں۔ یوں سمجھ لو تھی۔ ہوتا ہے زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ تمہارا نام شرمین حیات ہے نا۔ یہی نام ہے نا تمہارا۔''

''گڈ۔ جان گئیں مجھ کو۔ ہاں میرا نام شرمین حیات ہے۔ مگر کیوں پوچھ رہی ہو یہ بات۔''

''شرمین آج نجانے کیوں دل چاہ رہا ہے کہ میں بھی کسی کو اپنی داستان سنا دوں میرے دل میں بھی ایک آگ روشن ہے، میری آرزو ہے کہ کوئی مجھے سنے کسی کو اپنے بارے میں کبھی سچ نہیں بتایا۔ کبھی بھی سچ نہیں بتایا۔ جانو گی کہ میں کون ہوں۔''

''سارہ کوئی چال چل رہی ہو تم۔''

''کوئی قسم نہیں کھاؤں گی۔ بس سمجھ لو اس وقت مکمل عورت ہوں اور ایک عورت دوسری عورت کو اپنے دل کا راز بتانا چاہتی ہے۔ کیا سمجھیں۔'' میں نے اس کی صورت غور سے دیکھی۔ بظاہر یوں لگا جیسے سچ بول رہی ہو۔ ہوسکتا ہے سچ ہی بول رہی ہو۔ اب تک جو کچھ ہوا تھا وہ میری پسند کے مطابق نہیں تھا۔ اہل وطن کو جانا تو تھا لیکن اس طرح نہیں جس طرح جانا چاہتی تھی۔ نجانے کیوں میرے دل میں بھی ایک خواہش بیدار ہوگئی کہ میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ میں نے اس سے کہا۔

''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھ سے کوئی دھوکہ نہیں کرنا چاہتی۔''

دل پر بہت سے داغ ہیں کبھی کبھی یہ داغ بری طرح ہلتے ہیں، کوئی دھوکہ ہو تو زندگی کے بوجھ سے نجات دلا دینا اس سے زیادہ اور کیا کہوں کائنات میں بکھرے ہوئے حسین رنگوں میں یوں تو قدرت کی صناعی کے کروڑوں شاہکار نظر آتے ہیں، آسمان کو چھوتی ہوئی برف پوش پہاڑیاں، بلندیوں سے گزرتے ہوئے جھرنے، خوشنما وادیاں، سرسبز جنگل لیکن بعض خطے کچھ ایسے دلکش ہیں کہ ان کی تفسیر کے لئے صحیح الفاظ نہیں ملتے۔ پانچ دریاؤں کی سرزمین پنجاب بھی قدرت کی فیاضی سے مالا مال ہے اور اس کے باسی

اپنی روایات کے جھومر سجائے ہوئے اپنی ذات میں منفرد۔

دریائے چناب کے کنارے یوں تو بے شمار بستیاں آباد ہیں، لیکن چناب کی چنابیوں میں میری بستی جو بستی شاہ گڑھی کہلاتی ہے اپنے حسن و جمال میں بے مثال ہے۔ یہ بستی اپنی شادابیوں کا شاہکار ہے کھیتوں اور باغوں میں گھری ہوئی ہے اس بستی کے مشرقی گوشے میں ہماری آبائی حویلی اپنی شان و شوکت کے ساتھ ایستادہ ہے۔ یوں تو اس حویلی سے بہت سی داستانیں منسوب ہیں لیکن میں اس حویلی کے تازہ ترین واقعات کا تذکرہ کر رہی ہوں جب اس حویلی کی عزت آبرو، شان و شوکت کو قائم رکھنے کی ذمہ داری بیگم نور جہاں پر آ پڑی تھی اور ایسا وقت ہوا تھا جب راجہ حق نواز کی اچانک موت ہوگئی تھی۔ راجہ صاحب کی موت کے وقت ان کے تینوں بیٹوں کی عمریں پانچ، سات اور نو سال کی تھیں۔ نور جہاں بیگم نے بیوگی کا سفید دوپٹہ ضرور اوڑھ لیا تھا لیکن انہیں دنیا کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ چنانچہ بڑے خوف کے عالم میں انہوں نے شوہر کی موت کے بعد کی زندگی گزاری تھی اور آخر کار بیٹے جوان ہوگئے تھے اور اب نور جہاں بیگم تینوں بیٹوں کو ایک ساتھ دیکھتیں تو نگاہیں جھکا لیتی تھیں اور ان کا دل دہلنے لگتا تھا کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے۔ پوری زندگی بھر کی محنت یہی تینوں تو تھے ایک سے ایک گبرو جوان، باپ کے حسین نقوش لئے ایک سے ایک شیر، گل نواز کا قد چھ فٹ تین انچ، رب نواز کا چھ فٹ دو انچ اور شاہنواز کا چھ فٹ ساڑھے تین انچ، دودھ جیسے سفید اور چمکتے ہوئے بدن، پوری چھاتی کی چوڑائی میں کالے بالوں کے جھنڈ، ململ کے کرتے اور لاچے میں ملبوس گھر سے باہر نکلتے تو دیکھنے والی آنکھیں جھک جاتی تھیں، گلابی جسموں کا کندن دمکتا نظر آتا تھا اور ہونٹوں سے خود بخود سبحان اللہ نکل جاتا کہ پوری شاہ گڑھی میں ان سے چوڑی چھاتی کسی کی نہیں تھی۔

زمینوں اور جائیداد سے خوب پیسہ آتا تھا اس لئے کوئی تنگی کبھی نہیں ہوتی تھی ہاں دوسرے مسائل ضرور تھے جو کبھی کبھی نور جہاں بیگم کو ہراساں کر دیتے تھے ان میں سب سے برا مسئلہ بیٹوں پر نگاہ رکھنے کا تھا۔

روایتی قسم کے زمیندار کے بیٹے تھے۔ مزاج بھی جاگیرداروں جیسا ہی تھا اور رنگ ڈھنگ بھی وہی نور جہاں بیگم کو ان کا بچپن ہی سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا، جوانی کیا سنبھالتیں۔ ایک سے ایک آگے تھا نور جہاں بیگم کی عزت تو خیر سب ہی کیا کرتے تھے لیکن بیٹوں کی رنگین مزاجی کا مقابلہ بھلا کیا کرسکتی تھیں۔ چنانچہ تینوں کی داستانیں دبی زبانوں کے ذریعے نور جہاں بیگم تک پہنچتی رہتی تھیں اور وہ سینہ پکڑ کر رہ جاتی تھیں بہت سوچتی سمجھتی تھیں اور پھر حکیم ناصر الدین نے جو نور جہاں بیگم کے خاندانی معالج تھے ان کی مشکل کا حل پیش کردیا اور ایک بار جب ان کی طبیعت کافی خراب تھی تو انہوں نے نور جہاں بیگم سے کہا۔

''چھوٹا منہ بڑی بات بیگم صاحبہ آپ کی مشکل کا ایک ہی حل میرے ذہن میں ہے، یعنی وہ کردیجئے جو صدیوں سے ہوتا چلا آیا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ ایک ایک کرکے ان تینوں کی شادی کردی جائے۔''

''حکیم صاحب کیا یہ میرے بس کی بات ہے۔''

''دیکھئے آپ کے گھر کے معاملات میں بہت زیادہ مداخلت کی جرأت نہیں کرسکتا لیکن آپ کا معالج ہونے کی حیثیت اور آپ کا طبیب ہونے کی حیثیت سے یہ عرض کرسکتا ہوں کہ گھر کا سکون آپ کی صحت اور زندگی کے لئے انتہائی ضروری ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ چھوٹا منہ بڑی بات والی بات ہے، صاحبزادگان کی رنگین مزاجی سے فائدہ اٹھائیے۔ حسن پرستی تو زمینداروں کا سرمایہ ہوتی ہے۔ فائدہ اٹھائیے۔''

''مگر کیسے حکیم صاحب؟''

''احقر کو بھی خدمت کا موقع دیجئے۔''

حکیم صاحب بے لوث اور مخلص انسان تھے۔ انہوں نے کوششیں شروع کردیں اور احمد اللہ صاحب کی بیٹی شہناز کچھ اس طرح گل نواز کے سامنے آئی کہ گل نواز دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔ حکیم صاحب واقعی مسیحا ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے نور جہاں بیگم کا علاج صرف دواؤں سے نہیں بلکہ عمل سے بھی کیا۔ احمد اللہ صاحب حکیم صاحب کے دوست

تھے اور حکیم صاحب نے ساری منصوبہ بندی کچھ اس طرح کی تھی کہ احمد اللہ بھی اس منصوبے میں شریک ہوگئے شہناز کو پورے پلان کے ساتھ صرف گل نواز کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور گل نواز نے دل پکڑ لیا تھا۔ ویسے یہی مناسب تھا ورنہ اگر تینوں ہی دل پکڑ کر رہ جاتے تو نور جہاں بیگم کو سر پکڑ کر بیٹھنا پڑتا۔ اس وقت شہناز کو کسی دوسرے کے سامنے نہ لایا گیا۔ جب تک کہ گل نواز سے ان کا نکاح نہ ہوگیا اور اس کے بعد تو رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ بھابھیاں ماؤں جیسی ہوتی ہیں۔ البتہ دیوروں کے ہاتھ بھلا کون روک سکتا تھا۔ بھابھیوں کے سامنے آئے تو نگاہیں نہ ہٹیں۔ لیکن عورت کی نگاہ تیز ہوتی ہے۔ شہناز بیگم نے یہ بات سمجھ لی کہ دیوروں کو ذرا سنبھال کر رکھنا پڑے گا۔ زمینداروں کے رنگ ڈھنگ ہیں چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد شہناز نے زبان کھول دی اور دونوں دیوروں کو سمجھانا شروع کردیا کہ بڑی بھابھی اور ماں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

''دھت تیرے کی آپ نے تو سارا کیا دھرا مٹی میں ملا دیا بھابھی جان۔ چلئے ٹھیک ہے مان لیا کہ آپ ہماری ماں جیسی ہیں لیکن ماں بن کر دکھائیے۔ ورنہ بھائی سمجھ لیجئے اور یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ ہمارے لئے بھی اپنی جیسی ہی تلاش کرنا پڑیں گی آپ کو ورنہ..... ورنہ..... ورنہ اس سے آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ میری ذمہ داری ہے دیور جی اگر گھر میں چراغ ہی چراغ نہ جلادوں تو شہناز نام نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شہناز نے گھر میں چراغ ہی چراغ جلا دیئے اور یہ پہلا چراغ صبیحہ کا تھا۔ صباحت میں ایسی کہ انسانی نگاہ چہرے پر رُکے تو ہٹنے کا نام نہ لے۔ نقوش اتنے دلکش کہ رب نواز دیکھ کر پاگل ہی ہوگیا۔ پاگل ہونے کی کوشش شاہنواز نے بھی کی تھی اور تو اور خود گل نواز بھی گردن کھجانے لگے تھے اور یہ کہے بغیر نہ رہ سکے تھے کہ یار غلطی ہوگئی۔ ہمیں یاد کرنا چاہئے تھا کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔''

''ایک بات کہوں گل جی۔'' شہناز نے پیار بھرے لہجے میں شوہر سے کہا۔

''جیٹھ جی بھی باپ کی طرح ہوتے ہیں۔ سوچ لیجئے صبیحہ نے کل سے آپ کو ابو جان کہنا نہ شروع کردیا تو میرا نام نہیں۔''

''ارے باپ رے باپ آپ یہ سب کچھ کرا سکتی ہیں بیگم پتا ہے ہمیں مگر خدا کے واسطے یہ نہ کرائیں ورنہ ایک ہفتے میں چہرے پر جھریاں ہی جھریاں لٹک جائیں گی۔'' شہناز ہنسنے لگی تھی۔

''بہرحال صبیحہ بھی گھر میں آ گئی۔ وہ بہت خوبصورت تھی لیکن اس کا مزاج شہناز جیسا نہیں تھا۔ اس نے سب کے رشتے رشتوں کی طرح نبھائے۔ ساس کو صرف ساس سمجھا..... آخر وہ ساس تھی ماں کہنے سے کوئی ماں تھوڑی بن جاتا ہے۔ جیٹھانی جی بھی جیٹھانی ہی تھیں حق برابر تھا اس گھر پر۔ بڑی تھی تو کیا ہوا بس اتنی ہی عزت کی جا سکتی جتنی جائز ہو اور اس جائز کا تعین خود صبیحہ نے کیا تھا۔ البتہ تھی بے حد چالاک جانتی تھی گائے کھونٹے ہی سے بنتی ہے اور کھونٹا اگر مضبوطی سے دبا لیا جائے تو پھر سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دن کے بعد رب نواز جی صبیحہ کی زبان بولنے لگے اور گھر میں تھوڑا سا کھنچاؤ آ جانے سے کچھ زیادہ ہی سینگ مارنے لگا تھا۔ نور جہاں بیگم اس بیل کی گردن میں بھی رسہ باندھ دینا چاہتی تھیں۔ لیکن شہناز ذرا سا دب گئی تھی۔ صبیحہ کا تجربہ کچھ زیادہ اچھا نہیں رہا تھا۔ اس لئے اب وہ بڑھ چڑھ کر بولتے ہوئے جھجک محسوس کرتی تھی لیکن سب سے زیادہ وہ ہی گھر اور گھر والوں سے مخلص تھی اور اس گھر کی عزت بنائے رکھنا چاہتی تھی۔ البتہ کبھی کبھی وہ یہ سب کچھ سوچنے پر بھی مجبور ہو جاتی تھی کہ ساری ذمہ داری اسی ہی کی تو نہیں ہے۔ نور جہاں بیگم کو دیکھنا چاہئے کہ صبیحہ کیا کر رہی ہے اور رب نواز جی کس طرح صبیحہ کے احکامات کی پابندی کراتے ہیں۔ صبیحہ کی بے نیازی دیکھ کر وہ بھی کبھی کبھی کنوتیاں بدلنے لگتی تھی۔ اس طرح کم از کم صبیحہ کا تجربہ بہت زیادہ اچھا نہیں رہا تھا اور حالات میں ذرا سی گڑ بڑ پیدا ہو گئی تھی لیکن نور جہاں بیگم سمجھ دار خاتون تھیں اچھے برے کی پہچان رکھتی تھیں اور صورتحال کا گہری نگاہوں سے جائزہ لینا جانتی تھیں۔ دونوں بہوؤں کے مزاج کا انہیں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا بہوؤں کا مزاج بے شک اپنی جگہ لیکن بیٹوں میں تفریق نہیں کر سکتی تھیں۔ سب سے محبت تھی اور سب کو ایک نگاہ سے دیکھنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں البتہ کچھ الجھن ضرور ہو گئی تھی۔

بہرحال بڑی بہو بہت اچھی تھی اور اس نے نور جہاں بیگم کے شانوں سے کافی بوجھ کم کر دیئے تھے۔ خاص طور سے جب رب نواز کی شادی ہوئی تھی تو شہناز نے اپنی کم عمری کے باوجود اس عمدگی سے سارے معاملات سنبھالے تھے کہ دیکھنے والے بھی داد و تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ بات صرف یہیں تک محدود نہیں تھی۔ شہناز نے زمینداروں کے مزاج بھی سنبھالے تھے ورنہ زمیندار بیٹے کہاں ایک چیز کو خاطر میں لاتے۔ بیوی کو بھی بس گھر کی ضرورت ہی سمجھ سکتے تھے وہ لیکن شہناز نے گل نواز جی کو بھی ہوش دلا دیا تھا۔ پہلے مونچھوں کا اسٹائل بدلا پھر آنکھوں سے کاجل نکل گیا، ہونٹوں سے پان کی دھڑی مٹ گئی، منہ سے الائچی کی خوشبو اڑ گئی اور آہستہ آہستہ تقریباً سنبھل ہی گئے تھے۔ اس کے بعد دونوں کا امتحان تھا۔ گل نواز جی الگ اپنی جگہ سنبھل گئے تھے اور خود رب نواز بھی اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پہلے وہ گنوں کے پورے تھے، تھوڑے دن کے بعد آدھے رہ گئے، تاک جھانک ختم ہو گئی اور حاشیہ برداروں کے وظیفے بند ہو گئے۔ حالانکہ صبیحہ کا مزاج ذرا مختلف تھا لیکن اتنا کام اس نے بھی کیا تھا کہ اس کی وجہ سے بہت سے مصاحب بیروزگار ہو گئے تھے حویلی کا پچھلا دروازہ بند ہو گیا جہاں سے مصاحبین اپنی کارروائیاں کرتے تھے اور منہ مانگا انعام پاتے تھے۔ لیکن تیسرا بیل ابھی تک پھنکار رہا تھا کہنے لگا۔

''یہ سب تو ٹھیک نہیں ہے بھائی جان۔''

''کیا ہوا رے؟'' گل نواز نے بھائی سے پوچھا۔

''بھابھی جی نے پچھلے دروازے میں کیلیں ٹھکوا دی ہیں۔''

''یار وہ اسے پچھلے دروازے کی کہانیاں پتا چل گئی ہیں۔'' گل نواز نے آہستہ سے کہا.....

''پتا تو ماں جی کو بھی چل گیا تھا۔ مگر انہوں نے تو کوئی ایسی کارروائی نہیں کی۔'' شاہنواز منہ پھلا کر بولا۔

''ان کی اور بات تھی شاہنواز۔ شہناز بہت چالاک ہے بس ایک دن گڑ بڑ ہو گئی

اور میرا سر پھوٹتے پھوٹتے بچا۔''

''اپنا سر بے شک سنبھالیئے بھائی جان مگر میرے راستے بند کیئے تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''اور اگر پچھلا دروازہ کھلا تو بھی اچھا نہیں ہوگا بھیا جی۔'' شہناز نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

''وہ بھابھی جان بس ذرا دوستوں کی محفل جم جاتی ہے۔'' شاہنواز نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو شانو اسے اللہ کا احسان کہو بلکہ اللہ کا احسان ہی کہو..... خدانخواستہ اگر گھر میں کوئی بہن ہوتی تو پچھلے دروازے کی بدنامی سے بچت نہ ہوتی۔ تمہارے گھر میں کوئی بہن نہیں تھی اس لئے پچھلے دروازے کی بدنامی سے بچے رہے ہو۔ لوگوں کی زبان کون روک سکتا ہے کوئی کچھ بھی کہہ سکتا تھا..... چھ..... چھ فٹ کے ہو۔ شیر جیسے گلے اور چیتے جیسی چھاتیاں رکھتے ہو۔ برداشت کر لیتے یہ سب کچھ۔''

''کس کی مجال تھی؟'' بھائیوں کی غیرت جاگ اُٹھی۔

''مجال کرنے والے مجال کر ڈالتے ہیں بعد میں چاہے ان کی زبان نکال کر ہاتھ پر رکھ دو اس لئے میری مانو تو پچھلا دروازہ بند ہی رہنے دو۔ بہنیں نہیں ہیں۔ اب بھابھیاں تو ہیں۔ بھیا جی کیا اب بھابھیوں کو بدنام کرواؤ گے۔'' شہناز نے کہا اور بڑے پیار سے شاہنواز کو خاموش کر دیا۔ البتہ پچھلا دروازہ بند ہونے کے اثرات زیادہ اچھے ثابت نہیں ہوئے شاہنواز نے دوسرے بہت سے دروازے کھول لئے۔ اب وہ حویلی میں کم ہی نظر آتا تھا اور اس کے اخراجات پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئے تھے۔ نور جہاں بیگم نے دبی زبان میں بہو سے کہا۔

''شہناز ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچو گی۔''

''کیا سوچوں ماں جی۔''

''دیکھو بیٹی میں بھی اندھی نہیں ہوں..... مگر کسی کے قصور کی سزا کسی اور کو نہیں دی جا سکتی۔ شاہنواز بگڑتا جا رہا ہے۔ اور کچھ ہو گیا تو بات سب پر آئے گی۔ ویسے ایک بات

کہوں بیٹی صبیحہ تمہارا ہی انتخاب تھی۔ میں نے کبھی تمہاری کسی کاوش میں پاؤں نہیں اڑایا۔ لیکن بیٹی اپنا ہاتھ ہم پر سے نہ کھینچو۔ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں تمہارا سہارا لے کر چل رہی ہوں۔ کیا یہ سہارا ہٹانا چاہتی ہو۔'' شہناز کا دل پگھل گیا۔ بے شک صبیحہ سے بد دل تھی مگر ساس کا تو قصور نہیں تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ساس کو احساس تھا کہ جس چاہ سے صبیحہ کو بیاہ کر لائی تھی اس کا احساس نہ صبیحہ نے کیا نہ رب نواز نے۔ صبیحہ جو کچھ بھی کرتی تھی رب نواز اس کا ساتھ دیتا تھا۔''

''ماں جی برا نہ مانیے اب کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی میں۔ جب تک کہ کوئی ایسی نہ ملے گی جو گھر کو گھر سمجھے اس وقت تک کسی پر ہاتھ نہیں رکھوں گی۔ دیکھو نا اوپر سے کچھ ہوتی ہیں اندر سے کچھ نکلتی ہیں۔''

''تم تلاش تو جاری رکھو بیٹی..... بس یہ آخری تنکا آنکھ سے نکل جائے تو زندگی بن جائے۔''

''میں پوری کوشش کروں گی آپ فکر نہ کریں۔ صحت خراب ہوتی جا رہی ہے آپ کی۔ کھانستی رہتی ہیں ہر وقت۔''

''بیٹی اللہ تعالیٰ نے شوہر کو دنیا سے اٹھا کر بہت بوجھ میرے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔ بڑی مشکل میں زندگی گزاری ہے تب کہیں جا کر تم لوگوں کی صورت دیکھی ہے۔ یہ آخری کام اور ہو جائے تو سمجھوں گی کہ بیڑہ پار ہو گیا۔''

''آپ فکر نہ کریں میں بھرپور کوشش کروں گی۔ آپ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھیں۔'' شہناز کے اندر یہی خوبی تھی کہ جو کچھ کہتی تھی دل سے ہی کہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

شاہنواز ہر دوسرے تیسرے مہینے کسی نہ کسی پر مرجاتا تھا۔ اس مرتبہ وہ انیلا پر مرمٹا تھا اور جس پر وہ مرجاتا تھا اس کی تقدیر بدل جاتی تھی، چنانچہ انیلا کو بھی وہ سب کچھ مل چکا

تھا جو اس نے خوابوں میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ شاہنواز کی دوستی ایسی ہی ہوتی تھی اور اس کے ملنے جلنے والے جانتے تھے کہ اس گوریلے کو کیسے کٹہرے میں لایا جاسکتا ہے۔ فیروز نے شاہد علی سے ملایا تھا اور انیلا شاہد علی کی بہن تھی۔ پڑھا لکھا خاندان تھا۔ بھائی بہن نے ملک سے باہر زندگی گزاری تھی اور وہاں سے بہت کچھ سیکھ کر آئے تھے۔ فیروز نے اپنے دوست شاہد کو اس دل کے شہنشاہ کے بارے میں بتایا تھا اور وہ دونوں شاہنواز سے چپک گئے تھے۔ شاہد علی نے ایک فرضی کہانی اپنے اور اپنی بہن کے بارے میں شاہنواز کو سنائی تھی اور یہ سمجھا تھا کہ شاہنواز اس کہانی سے متاثر ہوگیا ہے لیکن شاہنواز انیلا سے متاثر ہوا تھا۔ فیروز رازدار تھا۔ شاہد علی کو بہلا پھسلا کر نت نئے، بہانوں سے کہیں اڑا لے جانا اس کی ذمہ داری تھی اور بھائی کی غیر موجودگی میں بہن کا خیال رکھنے کی ذمہ داری شاہنواز نے سنبھال لی تھی۔ اس کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ فیروز اور شاہد علی کا گٹھ جوڑ ہے اور ساری تفصیلات ان دونوں کے علم میں رہتی ہیں۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انیلا نے جاہل لڑکیوں کی طرح نخرے نہیں کئے اور کھل کر شاہنواز کی محبت کا اعتراف کیا۔ اس کی دل لبھانے والی باتوں سے شاہنواز اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے انیلا کا گھر بھرنا شروع کردیا۔ بظاہر شاہد علی اسے صرف دوستی سمجھ رہا تھا لیکن باقی سب کچھ وہ لوگ جانتے تھے البتہ جب ایک دن شاہنواز کو پتا چلا کہ انیلا اور اس کا بھائی شاہد علی اسے بے وقوف بنا رہے ہیں، ان کا کاروبار یہی ہے اور شاہنواز کے سلسلے میں ان کا ٹارگٹ پورا ہوچکا ہے اور اب وہ فرار ہونے کی تیاریاں کررہے ہیں چنانچہ شاہنواز یہ تفصیل سن کر پاگل ہوگیا۔ اسے اپنے دیئے کی کوئی فکر نہیں تھی ایسا تو نجانے وہ کس کس کو دے چکا تھا۔ بس اسے انیلا کے نکل جانے کا غم تھا۔ وہ انیلا کی دوستی سے بہت خوش تھا۔ چنانچہ وہ ان دونوں کے پیچھے دوڑ پڑا۔ فیروز نے اپنی جان بچانے کے لئے خود اسے ان دونوں کے فرار کی اطلاع دی تھی۔ لیکن شاہنواز جب ریلوے اسٹیشن پہنچا تو ریل چھوٹ چکی تھی البتہ شاہنواز کا غصہ مشہور تھا جس کے پیچھے پڑ جاتا اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتا۔ چنانچہ اس کی قیمتی کار ریل کے پیچھے دوڑ پڑی۔ بس دیوانوں کی طرح سفر کررہا تھا حالانکہ اگلا اسٹیشن بہت دور تھا

لیکن شاہنواز کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ کار سفر کرتی رہی۔ لیکن راستے اچھے نہیں تھے اور پھر وہ غصے میں اندھا بھی ہورہا تھا۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ ایک موڑ کاٹتے ہوئے کار کا ٹائر برسٹ ہوا اور وہ لڑھکتی ہوئی گہری کھائی میں جا گری۔ شاہنواز کافی زخمی ہوا تھا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح کار سے باہر نکل آیا۔ بے حد جاندار آدمی تھا بے شک چوٹیں لگی تھیں لیکن ایسی نہیں کہ اس کے ہوش چھین لیں۔ البتہ جگہ بڑی غلط تھی۔ کار سے نکل کر وہ تھوڑے فاصلے پر بیٹھا رہا۔ کار خاصی حد تک تباہ ہوچکی تھی اسے اب سنبھالنا ناممکن تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اپنے ہوش وحواس سنبھالتا رہا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کوئی ایسی جگہ نظر آجائے جہاں سے کوئی سہارا مل جائے۔ البتہ سہارا اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود تھا۔ چھوٹی سی ندی تھی جس کے کنارے پر بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے اس کی خوبصورت گنگناہٹ فضا میں ابھر رہی تھی لیکن اس گنگناہٹ میں جب ایک مدھم سی ہنسی شامل ہوئی تو وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جل پریوں کے بارے میں کہانیاں تو سنی تھیں لیکن کوئی جل پری دیکھی نہیں تھی اور پہلی بار وہ پتھر پر بیٹھی ہوئی کسی جل پری کو دیکھ رہا تھا۔ گڑیا جیسا بدن، سفید سفید سڈول ہاتھ پاؤں۔ چہرہ ایسے جیسے چاند میں انسانی نقوش تراش دیئے گئے ہوں اور ہنسی تو قیامت کی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ساری کائنات ہنس رہی ہو۔ بھلا اس عالم میں چوٹوں کا کیا تصور۔ اس چہرے پر نگاہیں جمائے رہ گیا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ کر ہنس رہی تھی کچھ لمحے وہ اس جل پری کو دیکھتا رہا۔ پھر کوشش کرکے لنگڑاتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھنے لگا۔ اسی لمحے وہ پتھر سے نیچے کود گئی۔ شاہنواز نے اسے قریب سے دیکھا تو وہ اور حسین لگی۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر ہوگی لیکن بچوں جیسی معصومیت اس کے چہرے پر کھیل رہی تھی اور پھر اس کی حسین آواز ابھری۔

''موٹر میں بیٹھ کر کبڈی کھیل رہے تھے بابو جی۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک بار پھر سونے کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ یونہی ایک قیامت تھی ذہن کو نجانے کہاں کہاں لے جاتی تھی۔ کہاں کی انیلا اور کہاں کا شاہد علی سب کچھ ذہن سے نکل گیا اور اس کے ہونٹ بھی مسکرا اٹھے۔

''ہاں مگر ہار گیا۔'' وہ بولا۔

''ٹنگڑیاں ٹوٹ گئی ہوں گی۔''

''ایسا ہی ہے لیکن تم ہنس رہی ہو.....''

''لو تو ہم کیا کریں..... کوئی ہم نے تمہاری موٹر گرائی ہے۔'' معصومیت سے بھری آواز ابھری۔

''کم از کم ہماری چوٹیں تو دیکھ سکتی ہو دیکھو جگہ جگہ سے خون نکل آیا ہے۔'' شاہنواز نے اپنے بدن کی چوٹیں اس کے سامنے کر دیں اور وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔

''ہاں خون تو واقعی نکل آیا ہے پر ہم کیا کریں؟'' اس نے جیسے خود سے سوال کیا۔

''ندی کے پانی سے میرے زخم صاف کر دو اور ان پر پٹی باندھ دو۔'' شاہنواز بولا۔

''ایں..... ہاں یہ تو ہم کر سکتے ہیں۔'' اس نے چابی کی گڑیا کی طرح گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر کچھ سوچ کر وہ شاہنواز کی چوٹوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس نے اپنے دوپٹے کی پٹیاں پھاڑ کر پانی میں بھگوئیں اور شاہنواز کے کہنی اور گھٹنوں پر کس دی۔ اپنے اس کارنامے پر وہ جیسے فخر سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ لیکن شاہنواز کی نگاہیں اس کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ایسا حسین الہڑ اور سادہ حسن اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ حسین پھول اس کے دل میں اُتر گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''ایں.....'' وہ جیسے چونک پڑی۔ جیسے اسے یاد ہی نہ رہا کہ وہ اب تک کیا کرتی رہی ہے جیسے اسے احساس ہی نہ ہوا ہو کہ وہ اس کے کتنے قریب بیٹھی ہے اور وہ سہمے ہوئے سے انداز میں کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے اپنی حسین آنکھوں سے اسے دیکھا اور اس کے ہونٹ ہلے لیکن آواز نہ نکلی۔

''کیوں کیا بات ہے..... کیا ہم بھوت لگتے ہیں تمہیں۔'' شاہنواز نے پوچھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی اور پھر جیسے سنبھل گئی۔ چہرے کے نقوش بدلے اور اس کے بعد وہی دل

آویز ہنسی جو ساری کائنات پر محیط ہو جاتی تھی یوں لگتا تھا وہ خوف کی منزل سے نکل گئی ہو.....

''بھوت تو نہیں لگتے ہو مگر ہو کون؟''

''شاہنواز ہے ہمارا نام۔ تم نے ابھی اپنا نام ہی نہیں بتایا۔''

''راجی۔''

''صرف راجی۔''

''ہاں! تو اور کیا ہوتا۔'' اس نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

''اس ندی سے نکلی ہو تم نا۔''

''لو ہم نے تو اس میں پاؤں بھی نہیں رکھا۔ اتنا ٹھنڈا پانی ہے۔ پتا نہیں چلا تمہیں.....''

''ہاں پتا تو چلا۔'' شاہنواز اسے دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

''وہ..... اس طرف ہماری بستی ہے، کاپڑی نام ہے اس کا کبھی دیکھی ہے کاپڑی اندر سے.....''

''کاش پہلے دیکھ لیتا.....''

''بابا کا نام شکور خاں ہے..... پٹواری ہے پورے گاؤں کا۔ کیا سمجھے۔''

''اچھا.....'' شاہنواز نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا.....''

''پورے گاؤں کا پٹواری.....''

''تو اور کیا۔''

''بستی تو تمہاری بہت خوبصورت لگتی ہے، ہرے بھرے کھیتوں سے بھری ہوئی۔''

''ہے نا..... ہے نا.....'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''ہمیں اپنی بستی نہیں لے جاؤ گی۔ مہمان ہیں تمہارے اور پھر چوٹیں بھی لگی ہیں ہمارے۔ دیکھو نا ہماری گاڑی کیسی تباہ ہوگئی۔''

''لو ہمارے مہمان کہاں سے بن گئے اور پھر ہمارے ساتھ بستی میں جاؤ گے تو

سب پوچھیں گے کہ تم کون ہو۔ اس وقت ہم کیا جواب دیں گے۔''

''بتا دینا انسان ہیں..... ایک حادثے کا شکار ہوئے ہیں۔ کیا تم، ہمیں انسان نہیں سمجھتیں۔''

''نہیں لگتے تو انسان ہی ہو..... پر ہمارے تو کوئی نہیں ہونا۔'' اس نے سادگی اور معصومیت سے کہا لیکن نجانے کیوں شاہنواز کے ذہن میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ یہ جملے بڑے عجیب تھے۔ ہمارے تو کوئی نہیں ہو اور وہ سوچنے لگا کہ میں اس کا کون ہو سکتا ہوں۔ پھر اس کے ذہن میں کچھ عجیب سی قلابازیاں کھائیں اور وہ مسکرانے لگا۔ بس دماغ ہی تھا جو نجانے کیوں اسے یہ احساس دلا رہا تھا کہ راجی آج تک ملنے والی ساری لڑکیوں سے بالکل مختلف ہے۔ وہ لڑکیاں جو اس کی زندگی میں آتی جاتی رہی ہیں۔ یہ حسین پھول تو سینے پر سجانے کے قابل ہے اس قابل ہے کہ اس کی زندگی بھر حفاظت کی جائے۔ اس نے اپنے بازوؤں کو دیکھا، اپنے سینے کی چوڑائی کو ناپا۔ یہ گڑیا جیسی لڑکی تو اس کے وجود میں چھپ سکتی ہے۔ تب اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے اب تمہارے کچھ بن کر ہی تمہاری بستی میں آئیں گے۔'' وہ بولا۔

''ہم سمجھے نہیں۔''

''سمجھا دیں تمہیں۔''

''پتا نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی اور ہنس پڑی۔ اس کی یہ ہنسی اس کے حسن کی ضمانت دلاتی تھی اور یہ احساس دلاتی تھی کہ یہ حسن فنا نہیں ہو سکتا یہ پائیدار ہے اور اس کی اہمیت اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''راجی تمہارا مل جانا واقعی میری زندگی میں ایک حقیقی حادثے کی حیثیت رکھتا ہے۔''

''نجانے کیا کیا بول رہے ہو۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا۔''

''اس وقت آئے گا تمہاری سمجھ میں یہ سب کچھ جب تم میرے سینے پر ایک حسین

پھول کی طرح سج جاؤ گی۔''

''اب بھی نہیں سمجھے ہم۔ ہماری عقل موٹی ہے نا۔''

''میں تمہیں دور دیس کی رانی بنا کر لے جاؤں گا۔''

''دور دیس کی رانی۔''

''ہاں!''

''مگر کیسے بناؤ گے؟''

''بس تم یہ سمجھ لو کہ میں بہت بڑا جوگی ہوں اور بہت بڑا نجومی بھی ہوں جو کہہ دیتا ہوں وہ ہو جاتا ہے۔''

''لو بابا نہ کفنی..... نہ کمنڈل، نہ داڑھی نہ جٹائیں اب جوگی بن گئے۔''

''ہاں بس سمجھ لو بڑے پہنچے ہوئے فقیر ہیں ہم۔ تم سے یہ کہہ دیا کہ تم رانی بن جاؤ گی تو سمجھ لو اب تمہیں رانی بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔'' وہ بولا۔ اور وہ زور سے ہنس پڑی۔ اس بار اس کی ہنسی کافی دیر تک جاری رہی تھی اور شاہنواز اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم واپس جا رہے ہیں دل تو چاہتا ہے کہ بہت دیر تمہارے پاس رہیں مگر یہ اس وقت ٹھیک رہے گا جب تم رانی بن جاؤ گی۔''

''جاؤ بابا جاؤ..... ہم کیا کہیں تم سے.....'' یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے نجانے کیوں اس کے چہرے پر اداسی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پھر شاہنواز نے کہا.....

''یہ پٹیاں جو تم نے میرے زخموں پر باندھی ہیں۔ میں انہیں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا اور ایک دن انہیں تحفے کے طور پر سجا کر تمہارے سامنے پیش کروں گا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری وجہ سے ہم نے اپنی تاریخ بدل دی ہے۔ اچھا چلتے ہیں۔''

''اور تمہاری موٹر.....''

''کچھ نہ کچھ ہو جائے گا اس کے لئے بھی..... ہمیں تو ابھی پیدل ہی آگے بڑھنا

پڑے گا دیکھو کیا لکھا ہے تقدیر میں۔''

وہ کئی قدم اس کے ساتھ آئی اور اس کے بعد شاہنواز اسے خدا حافظ کہہ کر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ لنگڑاتا ہوا چل پڑا۔ وہ دور تک اسے دیکھتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

صبیحہ کو بھی گھر میں وہی حیثیت حاصل تھی جو شہناز کو۔ بس تھوڑا سا فرق تھا۔ وہ یہ کہ صبیحہ اپنے آپ کو لئے دیئے رکھتی تھی جبکہ شہناز کے طور طریقے اب بھی پہلے ہی جیسے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ گھر کے لوگ اس سے زیادہ مانوس تھے۔ اور اسی کو ہر طرح سے فوقیت دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہنواز سیدھا شہناز کے پاس ہی پہنچا تھا۔ شہناز اس وقت ایک آرام کرسی پر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کئے بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ ایسے خیالات اس کے ذہن میں تھے کہ وہ شاہنواز کے قدموں کی آہٹ کو نہ سن سکی..... شاہنواز نے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کی گود میں سر رکھا تو وہ ایک دم چونک پڑی۔ اس نے حیرت سے شاہنواز کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ اس کے سر پر پہنچ گئے۔ عورت کے اندر ایک فطری مامتا ہوتی ہے اور وہ مامتا کس وقت جاگ اٹھے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ شاہنواز اس وقت اسے ایک چھوٹا سا بچہ ہی محسوس ہوا جو اس کی گود میں سر رکھے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

''کیا ہو گیا بھیا جی؟ کیسے محبت آ گئی آج بھابھی کی۔''

''بس بھابھی جان جنت کی تلاش میں آ بیٹھا ہوں، جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہی ہوا کرتی ہے نا۔''

''میری گود میں سر رکھ کر کیا تم جنت کے خواب دیکھ رہے ہو۔'' شہناز نے بدستور اس کے سر کے بالوں میں محبت بھری انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھابھی جی بس یہی سمجھ لیجئے۔ کچھ خواب ہی مجھے آپ کے پاس لے آئے

ہیں۔''

''اچھا اچھا..... سیدھے ہو کر بیٹھو..... کیا ہوا یہ تو بتاؤ.....''

''بس بھابھی جان جو ہو گیا ہے میں آپ کو کیا بتاؤں.....''

''تو پھر مجھے بتا دو میں کیا کروں؟''

''مجھے انسان بنا دیں بھابھی جان۔''

''لو اللہ نے انسان ہی تو بنایا ہے تمہیں۔''

''سچ کہہ رہا ہوں بھابھی جان..... بہت سی خرابیاں ہیں میرے اندر۔ میں چاہتا ہوں یہ خرابیاں دور ہو جائیں۔''

''مانتے ہو کبھی کسی کی؟''

''کیوں نہیں مگر کوئی میری بھی تو مانے۔''

''چلو بتا دو کیا بات ہے.....''

''بھابھی جی کچھ چاہئے ہمیں۔''

''ارے بابا کیا چاہئے کچھ منہ سے تو بولو..... سیدھے ہو کر بیٹھو'' شاہنواز سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔

''راجی..... راجی چاہئے مجھے.....''

''کیا؟ یہ راجی کون ہے کیا ہے کہاں ہے۔''

''کاپڑی میں.....''

''کچھ الٹا سیدھا کھا گئے ہو کیا، الٹی سیدھی باتیں ہی کر رہے ہو..... کیسی کاپڑی کیسی راجی.....''

''بس بھابھی جان میں بھی دونوں بھائیوں کی طرح گھر والا بن کر رہنا چاہتا ہوں۔''

''خدا کی قسم اگر تمہارے دل میں ایسی کوئی بات ہے اور راجی نامی کسی لڑکی نے تمہیں متاثر کیا ہے تو مجھ سے زیادہ خوشی کسی اور کو نہیں ہو سکتی۔ جلدی بتاؤ..... یہ کوئی مذاق

ہے یا حقیقت۔'' شہناز واقعی سنجیدہ ہوگئی تھی.....

شاہنواز اسے راجی سے ملاقات کا پورا قصہ سنانے لگا اور شہناز خوشی اور حیرت سے یہ داستان سنتی رہی پھر بولی۔

''شاہنواز تمہیں خدا کی قسم، سچ بتادو، مذاق کر رہے ہو یا سنجیدہ ہو۔''

''آپ کو سچ مچ بڑی بہن سمجھتا ہوں بھابھی جان آپ کے علاوہ اور کسی سے دل کی بات نہیں کہہ سکتا، لیکن ایک بات سمجھ لیں وہی ہونا چاہئے جو میں چاہتا ہوں۔''

''ارے واہ۔ کام بھی مجھ سے کرانا چاہتے ہو اور دھمکی بھی مجھے ہی دے رہے ہو۔''

شہناز کو صبر کہاں سے ہونا فوراً ہی نور جہاں بیگم کے پاس جا پہنچی اور انہیں پوری دستان سنادی۔ نور جہاں بیگم پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگیں۔ پھر بولیں۔

☆.....☆.....☆

.....

''اتہ پتہ معلوم کرو، اور یہ بیل منڈھے چڑھا دو، میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ یہ جانور انسان بن جائے اور اللہ میری مشکل حل کر دے۔''

''اب بتائیے کہ کیا کروں۔''

''شاہنواز سے ڈھنگ سے پتہ معلوم کرو اور پھر لڑکی کے باپ کو یہاں طلب کرلو۔''

''یہاں بلائیں ہم اسے۔''

''ہاں شہناز، تمہیں دنیا کا تجربہ نہیں ہے۔ لوگ عجیب ہوتے ہیں۔ ہم وہاں گئے تو ممکن ہے ان کے دماغ آسمان پر پہنچنے لگیں۔ سوچیں کوئی بہت بڑی بات ہے اور سنو ایک بات اور کہوں۔ بھروسے کے آدمیوں کو وہاں بھیجنا اور انہیں ہدایت کر دینا کہ رازداری برتیں۔ میرا مطلب سمجھ رہی ہو؟''

''جی..... شہناز نے کہا۔'' وہ سمجھ گئی تھی کہ نور جہاں بیگم کا اشارہ صبیحہ کی طرف ہے۔''

چار ہرکارے بستی کاپڑی پہنچ گئے۔ شکور خان پٹواری حق نواز کا نام سن کر ہی جھک گیا تھا۔ ''وہ تو مائی باپ تھے ہمارے۔ اس نے کہا اور پھر وہ ہاتھ باندھے شاہ گڑھی میں حق نواز کی حویلی پہنچ گیا جہاں .....نور جہاں بیگم نے مہربانی کے ساتھ اسے بیٹھنے کے

لئے کہا۔شکور خان زمین پر بیٹھنے لگا تو نور جہاں بیگم نے کہا۔

''نہیں شکور خاں، اس حویلی میں کسی کو کسی کے سامنے زمین پر بیٹھنے کیلئے نہیں کہا جاتا.....ہم انسانوں کو انسان ہی سمجھتے ہیں۔''

''بہت بڑا درجہ ہے آپ کا بیگم جی۔ ہم نے آپ کو راجہ صاحب کے ساتھ دیکھا تھا۔''

''ضرور دیکھا ہوگا۔ آرام سے بیٹھو.....دیکھو یہ میرے بڑے بیٹے گل نواز کی بیوی اور میری بہو ہے۔''

''سلام چھوٹی بیگم جی۔''

''میں تمہیں چھوٹی بہو صبیحہ سے بھی ملاتی ہوں۔ تین بیٹے ہیں میرے۔''

''جی بیگم صاب۔''

''دو کی شادیاں کر چکی ہوں۔ تیسرا بیٹا میرا شاہنواز ہے جن کی شادی کے لئے میری نظریں بہو کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں یہ نہ پوچھنا کہ میں نے تمہاری بیٹی راجی کو کب اور کہاں دیکھا ہے لیکن میں اسے اپنے بہو بنانا چاہتی ہوں.....کیا تم میرے بیٹے کا یہ رشتہ قبول کرلو گے؟''

''شکور خان کان جھاڑنے لگا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ وہ کانپتی آواز میں بولا۔''ہم ذرا کم سننے لگے ہیں بیگم جی.....آپ نے کیا کہا۔''

''میں تمہاری بیٹی راجی کو اپنے بیٹے شاہنواز کی دلہن بنانا چاہتی ہوں۔''

''بیگم جی.....میں۔آپ کہاں.....کہاں؟''

''دیکھو شکور خان۔ اس دور میں نہ کوئی راجہ ہے نہ کوئی سرجا۔ وقت نے بتا دیا ہے کہ انسان صرف انسان ہی ہوتے ہیں۔ ہم بالکل برابری کی بنیاد پر آپ سے آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ اگر تم اسے قبول کر لیتے ہو تو تمہارا احسان ہوگا۔''

شکور خان اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے بڑی عقیدت سے نور جہاں بیگم کے پاؤں پکڑ لئے.....

''احسان تو آپ کر رہی ہیں بیگم جی۔ آپ نے اس غریب کی کٹیا سے اپنی حویلی کے لئے چراغ چُنا ہے۔ غریب کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔''

''اُٹھو اُٹھو بھائی ہو تم میرے، بھائی بہنوں کے پاؤں نہیں پکڑتے ان کے سروں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ رشتہ منظور ہے شکور خاں تو ہم باقاعدہ کاروائی کریں۔''

''میں تو یہ سمجھتا ہوں بیگم صاب جی کہ زندگی میں کوئی نہ کوئی نیکی ضرور ہی کر ڈالی ہے ورنہ اتنا بڑا پھل کیسے ملتا۔ میں تو دل سے تیار ہوں۔'' نور جہاں بیگم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے بعد بھلا راجی کو دلہن رانی بنانے میں کیا دقت پیش آ سکتی تھی۔ چنانچہ کاپڑی کی رضیہ یا راجی یا راجو اس بڑی حویلی کی دلہن بن گئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خود نور جہاں کو تسلیم کرنا پڑا کہ راجی اسی قابل تھی کہ شاہنواز کو اس کی برائیوں سے واپس لے آئے۔ اتنی ہی خوبصورت تھی وہ شہناز بھی خوش تھی اور جہاں تک بات رہی صبیحہ کی وہ کبھی کسی پر اپنی خوشی کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ سارے کاموں میں وہ بھی شریک رہی تھی لیکن صاف ظاہر تھا کہ اوپری دل سے۔

شاہنواز نے راجی کا گھونگھٹ اُلٹا تو اس کے منہ سے آہستہ سے نکل گیا۔

''اللہ جی۔''

''جی راج رانی اب آپ بتایئے ہم جوگی ہیں یا نہیں، نجومی ہیں یا نہیں، ہم نے کہا تھا نا آپ سے کہ آپ بہت جلد محلوں کی رانی بننے والی ہیں۔''

''اللہ جی.....'' راجی کے منہ سے پھر ویسے ہی نکلا۔

''جواب نہیں دیں گی آپ ہماری بات کا۔'' راجی نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا اور شاہنواز اسے گنگنانے لگا۔

☆.....☆.....☆

اس حویلی میں پہلی اولاد کی خوشی کا اعزاز قدرت نے صبیحہ کو دیا۔ اس کے ہاں بیٹا

پیدا ہوا تھا اور میاں بیوی کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی تھی۔ نور جہاں بیگم بھی پوتے کو پا کر خوشی سے دیوانی ہوگئی تھیں۔ البتہ صبیحہ بہت زیادہ اِترانے لگی تھی اور اس کی شہ پر رب نواز بھی اپنے آپ کو گھر میں سب سے برتر سمجھنے لگا تھا۔ ویسے بھی بیویوں کے آجانے کے بعد بھائیوں میں وہ یگانگت نہیں رہی تھی جو کبھی تھی۔ شاہنواز تو خیر صدا کا سرکش تھا، اپنی پسند کی چیزیں حاصل کرنا اور حاصل کرنے کے بعد انہیں بھول جانا اس کا مشغلہ تھا۔ ابتداء میں تو راجی میں کھویا رہا اور آخرکار اس کی فطرت رنگ لائی اور اس کی آنکھوں کا رنگ تبدیل ہونے لگا۔ دوست سلامت تھے کسی نئے چہرے کی تلاش میں بھلا اسے کیا دقت ہوسکتی تھی۔ ہاں اگر راجی بھی اسے کسی آسان راستے سے حاصل ہوسکتی تو شاید وہ شادی بیاہ جیسے جھگڑے میں کبھی نہ پھنستا۔ لیکن راجی آسانی سے حاصل ہونے والی چیز نہیں تھی چنانچہ اس کے لئے اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ البتہ یہ دوسرا راستہ اس کے اور راستے نہیں روک سکا تھا۔ نہ ہی بے چاری راجی میں وہ صلاحیتیں تھیں جن صلاحیتوں کی بناء پر شہناز اور صبیحہ نے اپنے اپنے شوہروں کی ناک میں نکیل ڈال دی تھی اور اب آسانی سے ان کی مہار پکڑے پکڑے چلتی تھیں۔ راجی تو بس گھر بھر میں ہر ایک کی خدمت سے سرشار تھی۔ وہ ہر ایک کے کام آنے والوں میں سے تھی لیکن دونوں ہی عورتیں یہ بات نہیں بھول سکی تھیں کہ وہ ان کے پلے کی نہیں ہے اور ایک معمولی سے پٹواری کی بیٹی ہے۔ شادی بیاہ اور دوسرے تہواروں پر بھی اس کا احساس ہوتا تھا۔ شہناز اور صبیحہ کے گھروں سے سوغاتیں آتی تھیں لیکن بے چارہ شکور خاں اپنی بساط بھر چیزیں لے کر آتا تو اس کی کوئی پذیرائی نہ ہوتی۔ بس نور جہاں بیگم تھیں جو رشتوں اور انسانیت کو نبھا دیا کرتی تھیں۔

لیکن پھر کچھ عرصے کے بعد ان کے حج کے کاغذات آگئے اور وہ بڑی ہنسی خوشی حج کے لئے چلی گئیں۔ سعودی عرب میں ان کے بہت ہی کوئی قریبی عزیز تھے جو بہت عرصے سے انہیں بلا رہے تھے نور جہاں بیگم نے زندگی بھر اپنی ذمہ داری نبھائی تھیں اور اب جب تینوں بیٹوں کی ذمہ داری سے فارغ ہوگئیں تو انہوں نے سعودی عرب جانے کا فیصلہ کرلیا تھا اور اس کے بعد بڑے کروّفر کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ لیکن ان کے جانے کے

بعد حالات میں کچھ اور تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ شہناز کو چونکہ صبیحہ نے کافی بددل کردیا تھا۔ اس لئے اب وہ بھی گھر کے معاملات میں زیادہ نہیں گھستی تھی۔ بے چاری راجی سب سے زیادہ بری حالت کا شکار تھی۔ اب اسے نہ تو شوہر کی توجہ حاصل تھی نہ میکے کی طرف سے کوئی مضبوطی تھی۔ دونوں بھابھیوں کے رحم و کرم پر تھی۔ شہناز تو خیر اپنی ذات سے اتنی بری نہیں تھی لیکن چالاک صبیحہ طرح طرح سے شہناز کو راجی سے بددل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اور اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوگئی تھی۔

''آپ یقین کریں یہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند معلوم ہوتا ہے۔ شکل وصورت سے کیا ہوتا ہے بھابھی جان۔ نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ نہ اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ..... ذرا آپ غور سے اسے دیکھیں تو سہی مجھے تو بڑی شرم آتی ہے۔'' شہناز نے ابھی تک زبان تو نہیں کھولی تھی لیکن اسے یہ احساس تھا کہ صبیحہ ماں بن گئی ہے اور وہ اس سے پیچھے چلی گئی ہے، لیکن کچھ عرصے کے بعد اس کا یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ خود ایک بار گل نواز نے کہا تھا کہ وہ ابھی تک باپ نہیں بن سکا ہے اسے شرم آتی ہے۔ لیکن شہناز نے کمال کر دکھایا اس کے ہاں دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے تھے اور گل نواز کان پکڑ کر کھڑا ہوگیا تھا۔''

''کیا کہتے ہو بھائی کیا کہتے ہو۔ ہمیں نکما سمجھتے تھے نا اب ہم ٹھہرے ذرا ٹھنڈا کرکے کھانے والے کمی نہیں ہے ہمارے لئے بھی۔ دو سالوں کی کسر پوری کردی ہم نے۔ ارے ہاں کون بار بار بازار جاتا رہے ایک ہی بار ضرورت کی چیزیں خرید لینا اچھا ہوتا ہے۔''

گھر میں ایک بار پھر ہنسی قہقہے بکھر گئے تھے اور حویلی میں طرح طرح کی دلچسپیاں پیدا ہونے لگی تھیں۔

ادھر شاہنواز اب ہفتوں گھر سے غائب رہتا۔ آج کل پھر دوست اکٹھے ہوگئے تھے۔ گھر واپس آتا تو راجی اسے شکایتی نگاہوں سے دیکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ وہ چالاکی سے راجی کو اپنی باتوں میں لپیٹ لیتا اور سادہ دل لڑکی شوہر کی باتوں میں گم ہوکر پرانی باتیں بھول جاتی۔ لیکن کبھی کبھی جب دونوں بھابھیاں اس پر طعنے کستیں تو

اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آتے تھے اور اسے احساس ہوتا تھا کہ اس بڑی حویلی میں اس کی جگہ ذرا تنگ ہے۔ وقت بھی آہستہ آہستہ بہت کچھ سمجھا دیتا ہے اور وقت اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ اس کمی کی وجہ بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ دونوں بھابیوں کے مقابلے میں وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی اور پھر شوہر کی پوری توجہ سے بھی محروم تھی۔

ادھر نور جہاں بیگم سعودی عرب میں جا کر ٹِک گئی تھیں اور ان کا دل واپس آنے کو ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ اگر ہوتیں تو شاید اسے کچھ سہارا ملتا۔ حالات وہی چلتے رہے اور پھر ایک دن جب شاہنواز حویلی ہی میں تھا اور عید کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ صبیحہ کسی کام سے شاہنواز کی طرف جا نکلی اور اسے دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

''کن سوچوں میں ڈوبے ہوئے ہیں دیور جی..... کیا ہو رہا ہے آج کل.....''

''بس بھابھی جان آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''میرے بارے میں؟''

''ہاں اگر آپ رب نواز کی بجائے میرے ہاتھ لگی ہوتیں تو کیا ہی اچھا ہوتا۔''

''بس تمہاری سوچیں تو ایسی ہی ہوتی ہیں۔ خود تم پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ کاپڑی میں جا گھسے۔ کیا ملا تمہیں وہاں سے۔''

''ہاں بھابھی جان میری راجی کسی سے کم نہیں ہے۔'' شاہنواز نے پیچھے سے راجی کو آتے دیکھ کر کہا۔

''ہاں وہ جو کہتے ہیں نا کہ.....'' اچانک ہی صبیحہ کو بھی احساس ہو گیا کہ کوئی پیچھے آ رہا ہے۔ گردن گھما کر دیکھا تو راجی تھی۔ بات گھما کر طنزیہ لہجے میں بولی۔

''زندگی میں اور بھی تو بہت کچھ ہوتا ہے شاہو جی زمانہ تو بڑی ترقی کر رہا ہے۔ تم ایک بیٹے کے باپ بھی نہیں بن سکے۔ پیچھے رہ جاؤ گے حویلی میں۔''

بات کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی لیکن نجانے کیوں اس وقت شاہنواز بھی سنجیدہ ہو گیا۔ ذہن کے کسی حصے پر ضرب پڑی تھی۔ بات بے شک مذاق جیسی ہی تھی لیکن اسے واقعی اس کمی کا احساس ہوا۔ راجی جس کام سے آئی تھی اسے کر کے خاموشی سے واپس چلی

گئی۔ بھابھی اور دیور کے بیچ کھڑے ہونا اس نے پسند نہیں کیا تھا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد شاہنواز اس کے سامنے پہنچ گیا اور بولا۔

''کیسی ہو راجی؟''

''جیسی ہوں آپ کے سامنے ہوں۔''

''راجی تم ابھی تک ماں کیوں نہیں بنیں۔''

''مم..... مجھے کیا معلوم۔'' راجی نے مظلوم لہجے میں کہا۔

''کہاں ہے میرا بیٹا..... تم نے دیکھ لیا لوگوں کے ہاں دو دو بیٹے پیدا ہو رہے ہیں اور صبیحہ بھابھی کا ایک بیٹا تو پیروں بھاگنے لگا ہے۔ ہمارا بیٹا کہاں ہے راجی۔''

''مم مجھے کیا پتا۔''

''پتا لگا کر بتاؤ راجی ورنہ اچھا نہیں ہوگا سمجھیں۔ مجھے بیٹا چاہئے۔ میری بھابھیاں مجھ پر طنز کرتی ہیں۔'' ایک نئے ہی لہجے میں شاہنواز نے یہ بات کہی تھی اور اس کے بعد تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔ راجی حیران نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شاہنواز کیا کہہ رہا ہے۔ اب نجانے اسے بیٹا کہاں سے دیا جا سکتا ہے۔

بہت دیر تک وہ پریشانی سے سوچتی رہی۔ پھر اسے شہناز کا خیال آیا۔ صبیحہ نے تو آج تک اس سے کبھی سیدھے منہ بات نہیں کی تھی لیکن شہناز میں اتنی انسانیت باقی تھی کہ اب کبھی کبھی وہ اپنی پرانی فطرت میں واپس آ جاتی تھی اور راجی سے دو چار باتیں کر لیا کرتی تھی۔

''وہ بھابھی جان تم سے ایک کام ہے میرا۔'' راجی نے بڑی معصومیت اور سادگی سے کہا.....

''ہاں ہاں بولو کیا بات ہے راجی۔''

''وہ میرے ہاں بچہ پیدا کرا دو بھابھی جان۔'' راجی نے معصومیت سے کہا اور شہناز چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر ہنسی دباتے ہوئے بولی۔

''کیا بک رہی ہے پاگل؟''

''تمہیں خدا کا واسطہ ہے بھابھی جان بس ایک بیٹا پیدا کرادو میرے ہاں بیٹا ہونا چاہئے۔'' راجی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا اور شہناز اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

''تو خود وقت سے بہت پہلے پیدا ہوگئی ہے راجی کیسی پاگل ہے تو۔ یہ کام میں کیسے کرسکتی ہوں۔''

''لو تمہارے لئے کیا مشکل ہے بھابھی جان۔ تم نے خود بھی تو دو دو بیٹے پیدا کئے ہیں۔''

''ارے ارے ارے بک بک کئے جارہی ہے۔ میں نے خود پیدا کئے ہیں۔'' شہناز آنکھیں نکال کر بولی۔

''تو پھر؟''

''پاگل..... بے وقوفی کی باتیں مت کیا کر ہوا کیا ہے.....''

''کچھ نہیں بھابھی جان.....بس آپ میرا یہ کام کردو۔ زندگی بھر احسان مانوں گی آپ کا۔''

''بے وقوف کیا بک بک کرنے آگئی میرے پاس۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔''

''میں میں کیا کروں بھابھی جان مجھے بتایئے میں کیا کروں۔'' اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا اور شہناز ہنستی رہی۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ راجی کو کچھ بتانا شروع کردیا اور راجی بڑے غور سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ اس کے چہرے پر خوشی پھوٹنے لگی تھی۔

''واہ بھابھی جی واہ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ نے بڑا احسان کیا ہے میرے اوپر ورنہ وہ تو کہہ کر گئے تھے کہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''پاگل ..... پاگل ..... پاگل۔'' شہناز نے ہنستے ہوئے کہا۔ لیکن راجی خوشی سے اچھلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

دن یونہی بیت رہے تھے کہ ایک حادثہ ہوگیا۔ سعودی عرب میں نور جہاں بیگم کا

انتقال ہوگیا اور گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ سب سے زیادہ متاثر شہناز ہوئی تھی۔ بیٹے بے شک ماں سے محبت کرتے تھے اور ان پر بھی بری بیتی تھی۔ شاہنواز گھر میں تھا ہی نہیں۔ ان دنوں اس کی غیر حاضری اور بڑھ گئی تھی۔ دس دس پندرہ پندرہ دنوں میں واپس آتا تھا۔ بہرحال بیٹوں کی کوشش سے ماں کی لاش سعودی عرب سے آگئی۔ ہر طرف شاہنواز کا پتا چلایا گیا لیکن اس کا پتا ہی نہ چلایا جاسکا تھا۔ بحالتِ مجبوری تدفین وغیرہ کردی گئی۔ گھر ایک طرح سے بے تاج ہوگیا تھا۔ بے شک کافی عرصے سے نور جہاں بیگم گھر میں نہیں تھیں لیکن ان کے بنائے ہوئے اصول کام کررہے تھے۔ تھوڑی بہت ذمہ داری بے شک شہناز نے سنبھال رکھی تھی لیکن کام وہی ہوتے تھے جو نور جہاں بیگم نے مخصوص کئے ہوئے تھے۔ البتہ اب صبیحہ نے پر پرزے نکالنے شروع کردیئے اور گھر کے حساب کتاب کا جائزہ لینے لگی اور پھر ایک دن اس نے کھلے لہجے میں کہا۔

''بھابھی جان مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے زبردستی اماں جان کی جگہ سنبھال رکھی ہے۔ صرف آپ کو ہی حق نہیں پہنچتا۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ گھر کا جو بھی کام ہو وہ ہم دونوں کی مرضی سے ہو۔''

''مجھے پتا تھا صبیحہ کہ تم اماں جان کی آنکھیں بند ہونے کے بعد گھر میں فساد پھیلاؤ گی۔''

''اپنے قد سے بڑی بات کررہی ہیں آپ بھابھی جان۔ آپ کو یہ جملے کہنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں مجھے کیا حق پہنچتا ہے اور بتاؤں گی تمہیں مجھے کیا حق پہنچتا ہے۔''

اور جب یہ باتیں گل نواز کے سامنے پہنچیں تو گل نواز نے سخت لہجے میں کہا۔

''شہناز بڑی ہے۔ میں بڑا بھائی ہوں، تمہاری ہمت کیسے ہوئی صبیحہ کہ اماں جان کی آنکھیں بند ہونے کے فوراً بعد ہی تم نے یہ کہانی شروع کردی۔'' گل نواز نے بڑے اعتماد سے یہ بات کہی تھی لیکن جواب میں اسے رب نواز کی بات سننا پڑی۔

''وہ غلط نہیں کہہ رہی بھائی جان۔ ہمیں حقیقتوں کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔'' اماں

جان کی زندگی میں بے شک کوئی مسئلہ مسئلہ نہیں ہوتا تھا لیکن میں چاہتا ہوں کہ اب ہر شخص اپنی اپنی ذمہ داری سنبھال لے۔ بلکہ اس بار شاہنواز بھی واپس آ جائے تو جائیداد وغیرہ کا حصہ بھی تقسیم ہو جانا چاہئے۔''

گل نواز کا منہ ایک لمحے کے لئے کھلا پھر بند ہو گیا۔ پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔''

''ٹھیک ہے۔''

شاہنواز کا انتظار کیا گیا، لیکن اس بار وہ کہیں دور نکل گیا تھا اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا اور یہاں ایک اور حادثہ ہو گیا، راجی کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی، باقی لوگوں کا تو کوئی پتہ نہیں چل سکا، لیکن شہناز دکھی ہو گئی، کبھی کبھی اس کے دل میں راجی کیلئے بڑی ہمدردی پیدا ہو جاتی تھی، کیونکہ وہ ایک سیدھی سادھی معصوم سی عورت تھی، ہر ایک کے لئے بے ضرر، کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچانے والی راجی البتہ بہت خوش تھی اور بچی کو بے پناہ چاہتی تھی، خاصے عرصے کے بعد شاہنواز واپس آیا، ادھر گھر میں مستقل چپقلشیں چل رہی تھیں، صبیحہ اور شہناز ایک دوسرے سے بات تک نہیں کرتی تھیں، راجی بیچارے تو تھی ہی ایک طرح سے لاوارث اس کے سر پر کوئی سایہ نہیں تھا، زندگی مسلسل حادثات سے دوچار رہی تھی راجی کو کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ اسے کوئی نقصان ہوا ہے، وہ تو شوہر کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی، یہاں تک کہ ایک دن شاہنواز واپس آ گیا، راجی سے ملا، بیٹی کو دیکھا اور راجی کو گھورنے لگا۔''

''یہ کیا ہے؟''

''میرے ہاں پیدا ہوئی ہے، دیکھو نا سب کہتے ہیں یہ ہم دونوں کی بیٹی ہے، شاہنواز نے اس بات کا لطف نہ اٹھایا، بلکہ اس کا الٹا تھپڑ راجی کے منہ پر پڑا اور راجی دم بخود ہو گئی.....''

''کک کیا ہوا، اچھی نہیں ہے؟''

''کچھ کیا ہے تو نے زندگی بھر میرے لئے، یہاں بھی رسوا کر دیا، کون سا برا وقت

تھا جب میں نے تیرا انتخاب کیا اور تجھ سے شادی کر لی۔''

''مم، مم، مگر بت بتاؤ تو صحیح کیا کیا ہے.....''

''بیٹی پیدا کی ہے تو نے.....؟''

''تو پھر.....؟''

''پھر کی بچی مجھے بیٹا چاہئے تھا.....''

''ارے تو پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' راجی نے پریشانی سے کہا..... اور شاہنواز اسے خونی نگاہوں سے گھورتا رہا پھر بولا۔

''جس قدر معصوم بنتی ہے نا تو، اتنی معصوم ہے نہیں، دور ہو جا میری نگاہوں کے سامنے سے، راجی وہاں سے ہٹ گئی تھی لیکن وہ یہ نہیں سمجھ پائی تھی کہ شاہنواز کی ناراضگی کی کیا وجہ ہے، اس بار شاہنواز کچھ زیادہ ہی ناراض ہو گیا تھا، اس نے راجی کو بالکل منہ نہیں لگایا اور اس سے کھنچا کھنچا ہی رہا۔ راجی دکھ میں ڈوبی ہوئی تھی، جائیداد کی بات ہوئی تو شاہنواز نے منہ بنا کر کہا۔

''تم لوگ لڑتے بھڑتے رہو جائیداد کے لئے مجھے نہ پہلے اس سے کوئی دلچسپی رہی ہے اور نہ میں اب دلچسپی رکھتا ہوں، کچھ دینا چاہو تو مجھے دے دیا کرو، اور اگر وہ بھی نہیں دے سکتے تو میرے پاس اتنے وسائل ہیں کہ میں گزارا کر سکوں، راجی کے بارے میں اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا اور پھر معمول کے مطابق وہ غائب ہو گیا، راجی کو اپنے نفع ونقصان کا کوئی اندازہ ہی نہیں تھا بس جی رہی تھی، بچی نے اسے بہت خوش کر دیا تھا اور اس کے سہارے وہ ہر مشکل وقت کو کاٹ رہی تھی اس کی ضرورتیں ہی محدود تھیں.....

شہناز اور صبیحہ کو اس سے کوئی ایسی خاص شکایت بھی نہیں تھی، لیکن اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک بھی نہیں کرتے تھے، خاص طور سے صبیحہ تو اس کو دیکھ کر ہی منہ بنا لیا کرتی تھی یوں بیچاری راجی کی زندگی گزرتی رہی، واقعات تو زندگی کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے ہیں، شاہنواز کی موت کی اطلاع ملی اس وقت راجی بہت روئی، کبھی کبھی تو آ ہی جاتا تھا لیکن اب وہ سب کچھ بھی ختم ہو گیا، سارہ بُری طرح سسکنے لگی اور اس کے بعد آنسو بھری

آواز میں بولی۔''

''میں اس بدنصیب عورت کی بیٹی ہوں، زندگی نے جتنے مسائل مجھ پر توڑے، شروع میں انہیں تقدیر کا حصہ ہی سمجھتی رہی، میری ماں کو انہوں نے کتوں کا درجہ دیا تھا، خادماؤں کی جیسی زندگی بسر کرتی رہی تھی وہ، پھر ایک موقع ایسا آیا کہ ان لوگوں نے ہم ماں بیٹیوں کو گھر سے نکال باہر کر دیا، سمجھ رہی ہو تم، میں وہی سارہ ہوں شاہنواز کی بیٹی، ہم لوگ در بدر مارے مارے پھرتے رہے نجانے کیسے کیسے لوگوں سے ہمارا واسطہ رہا، ہم نے گزارہ کیا، زندگی کے بوجھ کو کس طرح گھسیٹتے رہے، میری ماں بہت سادہ لوح عورت تھی، دنیا سے بالکل ناواقف، کچھ بھی نہیں جانتی تھی وہ، وقت گزرتا رہا، میں جوان ہوئی، مجھے سارے واقعات کا علم تھا، میں نے اس بارے میں سوچا، پڑھنے لکھنے کا سلسلہ بھی بس کسی مہربان کی وجہ سے ہو گیا تھا، مگر ان واقعات کو جاننے کے بعد میں نے اپنی زندگی کا رخ بدل لیا، میں ایسے لوگوں میں شامل ہو گئی جو جرائم پیشہ تھے اور اس زندگی نے مجھے رہنے کے لئے یہ جگہ دی، نیرہ بیگم اور دوسرے لوگوں نے میری کفالت کی، میں نے مارشل آرٹ کی تعلیم حاصل کی، تاکہ جو کام میں کر رہی تھی اس میں مجھے کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے، صرف ایک بات میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں..... میں اشتیاق کی داشتہ نہیں دوست ہوں.....'' اور دوست بھی نہیں ہوں میں، وہ میری کفالت کرتا ہے اور میں اس کے لئے مختلف کام سرانجام دیتی ہوں، وہ نیرہ بیگم کے مفادات کی نگرانی کرتا ہے، بات بہت دور دور تک کی ہے سمجھیں'..... چلو چھٹی کر دو میری، چھٹی کر دو.....' مجھے بھی اس دنیا سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے..... جی رہی ہوں صرف اس لئے کہ جینا ہے، کبھی کبھی زندگی مجبوری کا دوسرا نام ہوتی ہے، کر دو جو تمہارا دل چاہے، ختم کر دو، اب جب دل کا بوجھ تمہارے سامنے لے آئی ہوں تو زندگی بُری لگنے لگی ہے۔'' میں واقعی اس کہانی سے متاثر ہو گئی تھی اور ایسا ہی ہوتا ہے ہر شخص کی زندگی مختلف واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے کبھی کبھی وہ کرنا پڑتا ہے جو دل نہیں چاہتا میری اپنی ہی مثال لے لیجئے، کون سا میں جرائم کی دنیا میں آ کر خوش تھی، یہ ہونا چاہئے تھا کہ میرے ساتھ، مجھے بتایئے، یہ ہونا چاہئے

تھا..... ''باپ کو تلاش کر رہی تھی اپنی محبت کو کھوج رہی تھی، پر کہاں تک آ گئی تھی، آہ میں کہاں تک آ گئی ہوں.....''

''سارہ جیو اور جیتی رہو، میں تمہیں بھلا کیا مشورہ دے سکتی ہوں، ہو سکے تو زندگی کے لئے کوئی بہتر راستہ تلاش کر لینا، روپوش ہو جانا، جرم کی اس دنیا سے، کسی دوسرے شہر جا کر چھوٹی موٹی نوکری کر لینا اور اگر زندگی کیلئے کوئی اچھا ساتھی مل جائے تو اس سے منسلک ہو جانا، بہت سے بچوں کی ماں بن جانا اور آخر میں بوڑھی ہو کر مر جانا، انسان کی یہی کہانی ہے، اس کہانی کو صحیح راستوں پر جانے دو، یہ بڑے بڑے راستے مناسب نہیں ہوتے، میں وہاں سے چلی آئی، قادر بخش میرا بھائی میرے لئے آنکھیں بچھانے والا، جینے کے لیے کوئی ایک ہی راستہ مل جائے تو زندگی اتنی بری نہیں لگتی، قادر بخش اس کے بچے اتنے اچھے لوگ تھے کہ بس دل نہیں چاہتا تھا کہ دنیا کے ساتھ کوئی برائی کی جائے، میں تقریباً تین چار دن تک بالکل پرسکون رہی، اور میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا لیکن ذہن میں سوچتی رہی کہ کیا کرنا چاہئے، سارہ نے کراؤن ہوٹل کا پتہ بتایا تھا، جہاں اشتیاق سے ملاقات ہو سکتی تھی، میں نے سوچا کہ اب صورتحال میں کوئی تبدیلی رونما ہونی چاہئے، چنانچہ تین دن کے بعد ایک شام میں نے تیاریاں کیں اور کراؤن ہوٹل چل پڑی.....''

یہ ایک بہت بڑا قدم تھا جس سے میں نے قادر بخش کو آگاہ نہیں کیا تھا، کراؤن ہوٹل اچھا خاصا ہوٹل تھا، میں اس میں داخل ہو گئی اور ابھی مجھے ایک میز پر بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ عقب سے مجھے ایک آواز سنائی دی.....''

''ہیلو، میں نے چونک کر دیکھا تو اشتیاق تھا وہ کرسی گھسیٹ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔''

''تمہاری یہاں آمد نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں، غضب کی شخصیت ہے تمہاری واقعی، میں نے اتنی بہادر لڑکی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی، شرمین تم بے مثال ہو، آہ کاش تم میری بات مان لیتیں تو تم یقین کرو کہ یہ ماحول میری مٹھی میں ہوتا، اٹھو میرے ساتھ اوپر چلو، آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے، تمہیں اچھے حالات کی ضمانت دی جاتی

ہے....."

میں خاموشی کے ساتھ اشتیاق کے ساتھ اٹھ گئی تھی۔ وہ ہوٹل کی اوپری منزل میں ایک کمرے میں لے گیا اور اس نے کہا۔

"دیکھو شرمین میری پیش کش ابھی برقرار ہے، تم جہاں تک ہاتھ پاؤں مارتی رہی ہو وہ ایک بے مثال جدوجہد ہے، خود تمہاری اپنی بہت بڑی جائیداد یہاں موجود ہے، میں نے ابھی تک نیرہ بیگم کو صورتحال نہیں بتائی ہے، مجھے موقع دو، میں نے سوچا، کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے....." میں نے اس سے کہا۔

"تم ایک بات بتاؤ اشتیاق میرا باپ کہاں ہے.....؟"

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا لیکن جو کام تم تنہا سرانجام دے رہی ہو اس میں صرف میں ہوں جو تمہاری بھرپور مدد کرسکتا ہوں اسی دوران اس نے ایک مشروب منگوا لیا تھا، مشروب کے چند گھونٹ لے کر میں نے گردن ہلائی اور بولی....."

"اب تم یہ بتاؤ مجھے کرنا کیا چاہئے۔"

"ہاں وہی میں بتا رہا ہوں سب سے پہلے مجھے اس بات کا یقین دلا دو کہ تم میرے ساتھ تعاون کرو گی کیونکہ جو کچھ تم کرتی رہی ہو وہ بہت خوفناک ہے اور دوسرا سوال میں تم سے یہی کرتا رہا ہوں کہ جو کچھ تم نے کیا ہے، کیا اس کا تمہیں کوئی مناسب صلہ مل سکا ہے، میں کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ اچانک ہی مجھے اپنی آنکھوں پر کوئی بوجھ محسوس ہوا اور یوں لگا کہ جیسے میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں، اشتیاق کے آخری الفاظ میرے کانوں میں ابھرے۔"

"میں تمہیں سکون سے سوچنے کا موقع دینا چاہتا ہوں۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا تھا اور میں بے ہوش ہوگئی۔

ہوش آیا تو ایک سجے سجائے کمرے میں موجود تھی، حالات کا تجزیہ کیا تو اندازہ ہوا کہ اشتیاق کے قبضے میں ہوں اور تھوڑی دیر کے بعد یہ بات مکمل طور پر سامنے آ گئی، اشتیاق کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن دو گن مین اس کے ساتھ موجود تھے، جو کرخت

نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔"

"میں نے دیکھ لیا تھا کہ تم ہوش میں آ گئی ہو۔"

"تم اتنے بُرے لوگ ہو، جب بھی میں نے تمہارے بارے میں اچھے انداز میں سوچا، تمہاری بُرائی میرے سامنے آ گئی، کمال ہے اشتیاق، کمال ہے....."

"میں بہت اچھا ثابت ہوں گا تمہارے لئے شرمین، لیکن اب میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ شادی کرلو، اور اب سوچنے کا موقع بھی نہیں دینا چاہتا میں تمہیں، بس سمجھ لو کہ ایک آدھ دن میں قاضی کو بلا کر میں تم سے نکاح کرلوں گا، شرمین ایک شوہر کی حیثیت سے میں تمہارے لئے وہ کام کروں گا جو تم چاہو گی، حیات صاحب کو بھی تلاش کروں گا، بلکہ تم یہ سمجھ لو کہ میرے اور تمہارے درمیان شوہر اور بیوی کا رشتہ تب تک قائم نہیں ہوگا، جب تک کے میں تمہارے والد کو تمہارے سامنے نہ پہنچا دوں، بس میں یہی کہنے کے لئے آیا تھا، تم چونکہ مارشل آرٹس کی ماہر ہو اس لئے مجبوراً ان گن مینوں کو بھی ساتھ لانا پڑا اور یہ سب کچھ کرنا پڑا ہے، محسوس نہ کرنا شرمین..... آؤ، اس نے کہا اور گن مینوں کو لیکر واپس پلٹ گیا....."

بہرحال میرے لئے ایک اور مشکل کھڑی ہوگئی تھی، کیا کروں، اس شخص سے شادی کا تو خیر تصور بھی نہیں کرسکتی تھی اور جہاں تک نکاح وغیرہ کا تعلق تھا تو میرے دل میں ایمان تھا میں جانتی تھی کہ اگر نکاح ہو جاتا ہے تو اس کے بعد انسان کی شخصیت ہی بدل جاتی ہے۔ پھر میں اس کے خلاف کوئی عمل ہی نہیں کرسکتی تھی اور نہ ہی نکاح کے بعد میں اس کے لئے کسی برے انداز میں سوچ سکتی تھی ....." نجانے کیسی کیسی پریشانیاں دامن گیر رہیں، پورا دن یہاں گزرا اور رات ہوگئی، میرے لئے مشکلات کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے، وہ رات کا غالباً دوسرا پہر تھا، جب مجھے دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی اور پھر دروازہ کھلا لیکن جو اندر داخل ہوا، اسے دیکھ کر ایک بار پھر مجھے چکر آ گئے تھے، یہ شہ نام تھا، وہ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی....."

"شہ نام تم....."

''آپ نے مجھے پہچان لیا۔'' شہ نام مدھم لہجے میں بولا.....

''ہاں کیوں نہیں، مگر تم.....''

''ہاں، آپ مشکل میں تھی نا، آیئے باہر چلیں، میں نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا، میں جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی.....''

''میرا ہاتھ پکڑ لیجئے، شہ نام بولا اور میں نے اس میں کوئی جھجک نہیں کی، ایک عجیب سا احساس میرے دل و دماغ میں جا بسا تھا، شہ نام نے دروازے کا رخ کیا.....''

''باہر۔'' میں نے کہنا چاہا لیکن وہ جلدی سے بولا۔

''نہیں آ جایئے ..... میں دروازے سے باہر نکل کر راہ داری میں چلنے لگی، ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا، وہ اطمینان سے میرا ہاتھ پکڑے اس عمارت سے باہر نکل آیا اور پھر بولا.....''

''کہاں جانا پسند کریں گی؟''

''شہ نام میں تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔'' میں نے کہا اور اس نے مسرور نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

''کیا واقعی؟''

''ہاں.....''

''آنکھیں بند کیجئے اس نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں.....''

''کھول لیجئے، کچھ لمحوں کے بعد وہ بولا اور میں نے آنکھیں کھول دیں، لیکن اب جو میں نے اپنے اطراف میں دیکھا تو ایک عجیب ماحول تھا، ہر طرف مدھم مدھم چاندنی پھیلی ہوئی تھی قرب و جوار میں پھول لہلہا رہے تھے، تھوڑے فاصلے پر ایک بلند جگہ پر ایک مزار جیسی عمارت نظر آ رہی تھی میں نے حیرت و دلچسپی سے چاروں طرف دیکھا پھر بولی.....''

''یہ..... یہ..... یہ سب کیا ہے.....؟''

''آیئے بیٹھ جایئے وہ بولا اور میں اس کے ساتھ گھاس کے ایک قطعہ پر بیٹھ

گئی.....''

''شہ نام میں نے کبھی زندگی میں یہ سب کچھ نہیں دیکھا تم تو عجیب و غریب قوتوں کے مالک ہو.....''

''ہاں عجیب غریب۔'' وہ وقفے وقفے سے بولا اور میں اسے دیکھنے لگی اس کی آواز میں چھپے ہوئے غم کو میں نے محسوس کیا تھا، میں نے کہا.....

''کیا بات ہے شہ نام..... بہت اداس ہو؟''

''کیا کہوں اور کیا نہ کہوں.....؟''

''کیوں بتاؤ کیا بات ہے.....؟''

''شرمین میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں، شرمین آپ، آپ میری امید اور آرزوؤں کا مرکز ہیں، مجھے اس طرح کے جملے کہنے نہیں آتے، کوئی بے وقوفی کی بات کروں تو اسے بالکل محسوس نہ کریں شرمین، محبت جانتی ہیں نا آپ، نہیں جانتیں، میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں شرمین لیکن میرے اور آپ کے راستے میں بڑی رکاوٹیں ہیں، مجھے بتایئے کہ میں ان رکاوٹوں کو کیسے دور کروں، شرمین میں نہیں جانتا کہ آپ کے دل میں کسی اور کے لئے جگہ ہے یا نہیں، میں آپ سے یہی سب کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

میں نے لندن میں پرورش پائی تھی۔ اپنے آپ کو بہت زیادہ پاکیزہ کہہ کر خود شرمندہ نہیں ہونا چاہتی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے وہاں اس طرح کا کوئی کھیل نہیں کھیلا تھا۔ یہ جملے مجھے بہت عجیب لگے تھے لیکن دل کی گہرائیوں سے ایک آواز ابھری تھی کہ شہ نام ایسی شخصیت نہیں ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے۔ شاید میں پہلی ہی نگاہ میں اسے پسند کرنے لگی تھی کوئی اور میرے دل تک نہیں پہنچا تھا۔

شرم کا ایک تاثر جو عورت کا فطری حق ہوتا ہے میرے دل میں پیدا ہو گیا۔ میری گردن جھک گئی.....

''بتانا ضروری ہے شرمین بتانا ضروری ہے۔ بتایئے کیا آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں۔ بخدا اگر ایسی کوئی بات ہے تو آپ کو مجھ سے اچھا دوست اور کوئی نہیں ملے گا۔ آپ

کی پسند کو تکمیل تک پہنچانا میرا کام ہوگا.....''

مجھے ایک دم ہنسی آ گئی۔ میں نے شہ نام کو دیکھے ہوئے کہا۔

''شرط ہے ایک ہمارے اور آپ کے درمیان۔'' میرے اس خوشگوار موڈ پر شہ نام کا چہرہ بھی ایک دم کھل اٹھا۔ اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے شرط منظور۔''

''جو کہوں گی آپ اسے سچ سمجھیں گے اور مجھ سے ایسا کوئی سوال نہیں کریں گے جس سے یہ احساس ہو کہ آپ میری باتوں پر یقین نہیں کر رہے۔''

''وعدہ۔''

''میں اس راہ پر کبھی نہیں نکلی۔''

''اوہ..... خدا کا شکر ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں۔ ماں سے میری بات ہوئی تھی۔ میں بہت عرصے سے اداس تھا اور وہ میری اداسی کو برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں شرمین کو چاہتا ہوں اور ان سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اگر شرمین خوشی سے قبول کر لے تو انہیں اعتراض نہیں ہے۔''

یہ سفر جس قدر برق رفتاری سے طے ہوا تھا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ برسوں لگ جاتے ہیں اس طرح کے معاملات کو قبول کرنے میں لیکن شہ نام واقعی مجھے پسند تھا۔ میں نے البتہ اس سے کہا۔

''شہ نام آپ کو میرے بارے میں تھوڑی سی تفصیل تو معلوم ہے۔''

''تھوڑی سی نہیں جناب مجھے سب کچھ معلوم ہے۔''

''میرا گھر، میرے لوگ۔''

''سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ اگر ہمارے درمیان یہ روابط ہو جاتے ہیں تو پھر آپ کی ہر مشکل میری ذمہ داری ہے۔ میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ اگر یہ روابط نہ بھی ہوتے تب بھی اگر آپ مجھے حکم دیتیں تو میں سب کچھ کر لیتا۔''

''اب یہ بتائیے کہ آپ کیا کریں گے؟''

''سب سے پہلے میں آپ کو اس جگہ منتقل کروں گا جہاں میری والدہ کہیں گی، کیوں کہ میں آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہاں آپ کے بے شمار دشمن ہیں اور آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ خاص طور سے آپ کی تائی صاحبہ جو تھوڑی سی۔''

''ہاں بالکل میں ان سب سے نمٹنا چاہتی ہوں۔''

''میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' شہ نام نے کہا۔

''تو شہ نام میرا اصل مسئلہ جو ہے میرے والد ہیں۔ خدا کرے وہ دستیاب ہو جائیں مجھے مل جائیں۔''

''بہت زیادہ باتیں کر رہا ہوں میں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں کچھ خصوصی فوقیتیں حاصل ہوتی ہیں۔ میں سب کچھ کر لوں گا۔ اب آپ یہ بتائیے کہ کیا میرے ساتھ چلنا پسند کریں گی۔''

''شہ نام آپ مجھے جس مشکل سے نکال کر لائے ہیں اس کے بعد بھلا میں اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ کچھ لوگ ہیں جنہوں نے میری مدد کی ہے۔''

''ہم انہیں بھرپور صلہ دیں گے۔'' شہ نام نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

میری زندگی کا سب سے انوکھا تجربہ تھا کہ میں ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی سے اس طرح منسلک ہوگئی ہوں کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ ہی نہیں رہا۔ اپنے وطن آنے کے بعد جس قدر بے سہارا ہوگئی تھی اور جیسی زندگی گزار رہی تھی کبھی کبھی تو بڑی عجیب کیفیت ہو جاتی تھی۔ میں کبھی کا وطن چھوڑ کر بھاگ گئی ہوتی لیکن اپنے باپ کے لئے آئی تھی جب تک کہ میرے والد کا پتہ نہ چل جاتا میری واپسی کسی بھی طور پر ممکن نہیں تھی۔ زندگی تو ایک بار جانا ہوتی ہی ہے اگر زندگی کے اتنے اچھے ساتھی اس طرح چھن جائیں تو پھر وہ زندگی نہیں رہتی۔ شہ نام میری تقدیر کا روشن ستارہ تھا۔ وہ مجھے لے کر جس جگہ آیا وہاں میری ملاقات اس کی والدہ سے ہوئی اور انہوں نے میرے ساتھ بہت ہی محبت بھرا سلوک کیا۔ انہوں نے کہا۔

''وہاں اس حویلی میں ہم نے پوری زندگی گزاری ہے۔ اس حویلی سے ہمارے

گہرے رابطے ہیں لیکن میں تمہیں وہاں نہیں رکھ سکتی اس لئے کہ وہ لوگ تمہیں جانتے ہیں اور وہاں وہ بھی موجود ہیں جو تمہارے دشمن ہیں۔ یہ جگہ اگر تمہیں ناپسند ہو تو میں کوئی اور بندوبست کر سکتی ہوں۔''

جس جگہ کے بارے میں انہوں نے تذکرہ کیا تھا وہ اس قدر عالیشان تھی کہ اچھے اچھے لوگ خوابوں میں بھی تصور نہ کر سکیں۔ شہ نام بہت خوش تھا۔ وہ چوبیس گھنٹے میرے ساتھ رہا اور اس کے بعد مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا۔ جبکہ خانم میرے ساتھ بہت ہی محبت سے پیش آ رہی تھیں ..... وہ میرے ایک ایک لمحے کا خیال رکھ رہی تھیں شہ نام کو یوں سمجھا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میری زندگی کے لئے زندگی ہی بن گیا تھا۔ دوسرے ہی دن اس نے آ کر مجھے اطلاع دی۔

''جناب یہ بتائے کہ اگر ہم آپ کو خوشخبری پر خوش خبریاں دیں تو ہمیں کیا انعام ملے گا۔''

''میں۔'' نجانے کیوں میرے منہ سے نکل گیا۔

''کیا مطلب؟'' لیکن بعد میں میں اسے مطلب نہیں بتا سکی البتہ وہ وہی سمجھا تھا۔ کہنے لگا۔

''یہ انعام تو ساری زندگی کے لئے کافی ہے۔'' اچھا تو سنئے آپ کے والد صاحب کے بارے میں مجھے پتا چل گیا ہے، آپ کی تائی صاحبہ نے انہیں ایک تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے اور انتہائی دکھ کے ساتھ میں یہ بات کہتا ہوں کہ انہیں ادویات دے کر ذہنی طور پر معطل کر دیا گیا ہے وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ خاموش بیٹھے رہتے ہیں منہ سے کچھ نہیں بولتے۔'' میں زار و قطار رو پڑی تھی۔ شہ نام اور اس کی ماں نے مجھے تسلیاں دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا ہر چیز کا علاج موجود ہے۔ جس نے جو کچھ کیا ہے اسے اس کی سزا ملے گی۔ لیکن تمہارے والد ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''سزا کا آغاز تو میں اشتیاق سے کرتا ہوں، شرمین تم مجھے بتاؤ تمہیں انہیں کیا سزا

دینی ہے۔'' شہ نام نے کہا۔

''میں کسی کو کچھ نہیں دینا چاہتی۔ میرے ڈیڈی سے مجھے ملا دو۔''

''جب چاہو یہیں آ جائیں گے بلکہ وہ ایسا کرتے ہیں شرمین میں تمہیں لے کر تمہارے رشتے داروں کے درمیان چلتا ہوں۔'' خانم نے اس بات پر شہ نام کو دیکھا اور پھر مسکرا اُٹھیں۔

''یہ شریر سب کچھ کر سکتا ہے اور واقعی وہ شریر سب کچھ کر سکتا تھا۔ اس نے مجھے ایک بہت ہی خوبصورت اور نفیس قسم کی شال دی اور کہا۔''

''اسے اوڑھ لو، باہر کا کوئی شخص تمہیں کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔'' اور پھر میں نے دنیا کا سب سے حیرت انگیز تجربہ کیا۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ شال اوڑھ کر میں دنیا کی نگاہوں سے محفوظ ہو گئی ہوں لیکن ایسا ہوا تھا۔ شہ نام مجھے میری حویلی لے گیا۔ اس نے تائی صاحبہ کی وہ درگت بنائی کہ ہنستے ہنستے میرے پیٹ میں درد ہو گیا۔ میرے ان تمام مخالفین کو اس نے بری طرح نچا کر رکھ دیا تھا۔ اور وہ حال کیا تھا ان کا کہ دیکھنے والے دیکھیں۔ اشتیاق کو بھی اس نے نشانہ بنایا تھا لیکن تائی صاحبہ کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا تھا اسے تو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ میں وہ شال اوڑھے ہوئے اپنے ہی گھر میں رہ رہی تھی جہاں کے بارے میں میں نے درجنوں داستانیں سنی تھیں۔ اس گھر میں سب سے پہلے میں پہنچی تو شہ نام نے تہہ خانے میں میری ملاقات، میرے ڈیڈی سے کرائی۔ ڈیڈی کو دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو آ گئے تھے وہ مجھے بالکل نہیں پہچانے لیکن ایک ہلکی سی انسیت کا احساس ہوتا تھا۔ شہ نام نے کہا کہ انہیں گھر پہنچا دیا جائے گا لیکن پہلے ذرا ان لوگوں کے ساتھ تفریح کر لی جائے۔ یہی ہوا۔ تائی صاحبہ کے بارے میں بس کیا بتاؤں یوں سمجھ لیجئے ان کی ریڑھ کی ہڈی بڑھنے لگی تھی۔ پھر یہ ہڈی ایک دم کی شکل اختیار کر گئی اور تائی صاحبہ حیرت سے پاگل ہو گئیں، وہ وہ تماشے ہوئے کہ دیکھنے والے دیکھ کر قہقہے نہ روک سکیں۔ شہ نام نے کہا۔

''اور یہ دُم ان کے کبھی ختم نہیں ہوگی یہ اس کے آپریشن کراتے کراتے مر جائیں

گی۔ آپریشن ہو جائے گا لیکن دم پھر بڑھ جائے گی اور بڑھتی رہے گی۔ چنانچہ ان کو دم دار ستارہ کہا جانے لگے گا۔''

''شہ نام یہ تم بہت شریر ہو۔'' شہ نام واقعی بہت شریر تھا۔ تائی صاحبہ کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا تھا وہی سب کچھ ہوا اور وہ واقعی آپریشن کراتی رہیں۔ ہم والد صاحب کو لے کر آ گئے۔ گھر پہنچے اور اس کے بعد کافی عرصے تک یہاں قیام رہا پھر شہ نام کا نکاح مجھ سے ہو گیا اور میں اس کی بیوی بن گئی۔ بس کیا کہوں زندگی میں کیا کیا کچھ مل جاتا ہے انسان کو کوئی نہیں جانتا۔ میری تمام اداسی دور ہو گئی تھی۔ شہ نام کی والدہ کی ہدایت پر ہم لوگ ڈیڈی کو لے کر لندن چل پڑے۔ شہ نام ایک انسان کی حیثیت سے میرے ساتھ تھا۔ لندن میں ڈیڈی کا علاج ہوا اور تھوڑے ہی دن کے بعد وہ تقریباً بالکل ہی ٹھیک ہو گئے۔ تمام تفصیلات ان کے علم میں لے آئی گئی تھیں۔ انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ اب میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔'' اور درحقیقت اللہ نے ہمیں سب کچھ ہی دے دیا تھا۔ لندن کی فضاؤں میں ہم عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ ہاں اگر کبھی شہ نام کو شرارت سوجھتی تو وہ اس قسم کی حرکتیں کرتا کہ لوگ حیرت سے پاگل ہو جاتے۔ اب میرے دو بچے ہیں دونوں کے نام شہ نام کی صورت کے ہیں۔ دونوں بیٹے ہیں ہم لندن میں ایک عجیب و غریب زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر اہل لندن کو ہمارے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں تو پتا نہیں وہ ہمیں لندن میں رہنے بھی دیں یا نہیں۔ شہ نام کو کبھی مذاق سوجھتا ہے تو وہ میرے ساتھ کہیں بھی نکل جاتا ہے اور پھر ہم کسی کو ٹارگٹ بنا لیتے ہیں اور وہ حشر کرتے ہیں اس کا کہ مزا ہی آ جاتا ہے۔

یہ ہے میری زندگی کی کہانی اب آپ کی شرمین آپ کو خدا حافظ کہتی ہے۔

ختم شد